خواتین ڈائجسٹ
اکتوبر 2023
www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

خواتین ڈائجسٹ

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

واٹس ایپ 03172266944

کہنی سننی، مدیر 7
کرن کرن روشنی، ادارہ 8
ہمارے نام، نادرہ خاتون 23

آپ سے کیا پردہ

ایک پنجابی نظم، انشا جی 13

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 202

مجھ سے ملئے

باتیں کبریٰ خان سے، شاہین رشید 14

انٹرویو

بشریٰ احمد سے ملاقات، شاہین رشید 18

بانی ——— محمود ریاض
مدیر اعلیٰ ——— آذر ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مدیر خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی
نفسیات ——— علینان
قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

اکتوبر 2023
جلد 51 شمارہ 06
قیمت 150 روپے

ناول

انگنا پھول کھلیں گے، راحت جبین 32

مکمل ناول

مالا، نمرہ احمد 168
احمد، صوفیہ بٹ 135
بخیہ گر، آسیہ رئیس خان 74

ناولٹ

خولہ خالہ، ماموں ماموں، راشدہ رفعت 60

www.pklibrary.com

افسانے

گھر والے کے پردے، قرۃ العین خرم ہاشمی 52

ہاؤس وائف، حمیرا شیخ 57

مل جائے تو خاک برابر، تہنیت آفرین ملک 126

تماشا ہے دل، شبانہ اسلم 130

ناشکری، نظیر فاطمہ 164

نظمیں غزلیں

غزل، عنبرین حسیب عنبر 197

نظم، فہمیدہ ریاض 197

غزل، سعد اللہ کلیم 198

نظم، خالد معین 198

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ جاہ 199

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

پکوان

موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 204

آپ کا باورچی خانہ، مسز طالب حسین 206

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے 201

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، عدنان 208

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 210

www.pklibrary.com

مُدیرہ

کہی مُستی

اکتوبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہ اسلامی سن ہجری کے حساب سے ربیع الاوّل کا مہینہ بھی ہے۔ وہ بابرکت اور مبارک مہینہ جب آفتاب رسالت طلوع ہوا، فخر دو عالم، سرور کائنات، فخر موجودات، شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ کفر و شرک اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی دنیا نور رسالت سے منور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں۔ اس سے بڑی عظمت و بلندی کیا ہوگی کہ آپ کے ذکر جمیل کو خود خالق ارض وسما نے آسمانوں پر بلندی عطا کی۔ آپ کے مقام کو کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ کسی کے قلم یا زبان میں اتنی طاقت نہیں کہ آپ کی تعریف کا حق ادا کر سکے۔ جس ذات اقدس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمائی ہو۔ جن پر اللہ اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیجتے ہوں۔ ان کی تعریف کا حق ادا کرنا کسی انسان کے لیے ممکن ہی نہیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ایک معجزہ ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ کے جس پہلو کو دیکھیں، وہ کامل، روشن اور منور ہے۔ تاریخ عالم ایسی کوئی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر دنیا میں آئے وہ قیامت تک راہ انسانیت کو منور کر کے بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی پیغمبر، کوئی نبی نہیں آئے گا۔

آپ کی ذات اقدس انسانیت کا کامل نمونہ ہے۔ آپ کی پیروی دنیا میں سربلندی اور آخرت میں فلاح کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمود بابر فیصل (ذوالقرنین)

اکتوبر 92 میں محمود بابر فیصل اس دار فانی سے رخصت ہوئے تھے۔ ان کی وفات کو تین عشروں سے زیادہ وقت بیت چکا ہے۔ لیکن ان کی زندگی سے بھرپور شخصیت آج بھی یاد آتی ہے تو دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی ہے۔ جو لوگ دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ ان کے لیے سب سے بہترین تحفہ دعا ہے۔ محمود بابر فیصل کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ (آمین)

اس شمارے میں

☆ نمرہ احمد کا مکمل ناول ...... مالا ☆ صوفیہ بٹ کا مکمل ناول ...... احد

☆ آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول ...... بخیہ گر

☆ قرۃ العین خرم ہاشمی، حمیرا شفیع، تہنیت آفرین ملک، شبانہ اسلم اور نظیر فاطمہ کے افسانے

☆ انگنا پھول کھلیں گے ...... راحت جبین کا ناول

☆ آپ کی پسندیدہ مصنفہ بشریٰ احمد سے ملاقات

☆ باتیں کبریٰ خان سے / کرن کرن روشنی، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

www.pklibrary.com

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

طعام کی تعریف، حکم اور کھانا کھانے کے احکام وآداب

طعام کی تعریف

طعام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بطور غذا کھائی جائے، مثلاً: گندم، چاول، کھجور اور گوشت وغیرہ۔

کھانے کا حکم

اسلام نے جسم اور نفس کے حقوق رکھے ہیں۔ نفس انسانی کو بچانے اور اسے واجبات دینی کی ادائیگی کے قابل بنانے کے لیے کھانا شروع کیا ہے، اس لیے ہر چیز حلال کر دی سوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت بیان کر دی گئی ہے کیونکہ وہ انسانی جسم کے لیے مضر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اس اللہ ہی نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔'' (البقرہ:2-39)

نیز فرمایا: ''لوگو! زمین میں موجود حلال پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔''

جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ''کھاؤ، صدقہ کرو اور لباس پہنو جب تک اسراف اور تکبر وغرور کا پہلو اس میں شامل نہ ہو۔'' (سنن نسائی)

نیز فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جسے کسی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس پر دیکھے۔'' (مسند احمد)

چند ممنوع کھانے

☆ دوسرے مسلمان بھائی کا مال جو اس کی ملکیت نہ ہو۔

☆ مچھلی اور ٹڈی کے علاوہ کوئی بھی جانور جو طبعی موت مر گیا، یا اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا گیا یا وہ چوٹ لگنے سے مر گیا ہو۔

☆ ذبح کے وقت بہنے والا خون۔

☆ خنزیر کا گوشت، چربی اور دیگر اجزاء۔

☆ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور۔

www.pklibrary.com

☆ قبروں اور بتوں کی نذر کیا جانے والا جانور اور کھانا وغیرہ۔

کھانا کھانے کے چند ضروری احکام و آداب

☆ مسلمان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کھانی جائز ہیں۔

☆ کھانے سے مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تقویت کا حصول ہو تو یہ کھانا کھانا باعث اجر بن جائے گا۔

☆ کھانا ٹیک لگائے بغیر، تواضع کے ساتھ بیٹھ کر کھانا چاہیے۔

☆ کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہیے البتہ پسند نہ آئے تو نہ کھائے۔

☆ مہمان کو اہل خانہ کے ساتھ کھانا کھلایا جائے۔

☆ کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور بعد میں الحمد للہ پڑھنا چاہیے۔

☆ کھانا دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔

☆ اگر لقمہ گر جائے تو اسے صاف کر کے کھا لینا چاہیے۔

☆ کھانا گرم ہو تو ٹھنڈا کرنے کے لیے پھونکیں نہ ماریں۔

☆ مجلس میں موجود بڑے اور معزز افراد کو پہلے کھانا پیش کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ دائیں جانب بیٹھے ہوں۔

☆ کھانے کے دوران ساتھیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ بدتمیزی اور بداخلاقی کا مظاہرہ ہے کہ سب کچھ اپنی ہی پلیٹ میں ڈال لیا جائے۔

☆ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لے یا انہیں صاف کر لے یا دھو لے۔ اسی طرح برتن کو انگلی سے چاٹ چاٹ کر صاف کیا جائے۔

کھانوں سے متعلق احکام و مسائل

کھانا کھانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ جلدی جلدی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور (گلیوں بازاروں میں عام لوگ) کہنے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ تین بار (کہا۔) میں بھی لوگوں کے ساتھ زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ جب میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر توجہ سے نظر ڈالی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹ بولنے والے کا چہرہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد میں نے سب سے پہلے سنا، وہ یہ تھا: ”اے لوگو! سلام عام کرو، کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کرو، اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تم رات کو نماز (تہجد) پڑھو، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

فوائد و مسائل: کسی عظیم نیک شخصیت یا بڑے عالم کی تشریف آوری پر اس کا استقبال کرنا چاہیے اور اس سے ملاقات کے لیے حاضر ہونا چاہیے۔

نیک آدمی کی نیکی اور برے کی برائی چہرے سے ظاہر ہو جاتی ہے لیکن بعض لوگ اس کی پہچان نہیں رکھتے۔

جب لوگ کسی عالم کی زیارت کے لیے جمع ہوں تو اسے چاہیے کہ مناسب وعظ و نصیحت کرے۔

سلام عام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے اور جب بھی ملاقات ہو سلام کیا جائے۔ اور جسے سلام کیا جائے وہ اس کا جواب دے۔

کھانا کھلانے سے مراد مہمانوں کی خدمت بھی ہے اور غریب و مستحق افراد کی امداد بھی۔

صلہ رحمی سے مراد قریبی رشتے داروں سے حسن سلوک ہے جس میں ان سے میل ملاقات، مشکل میں ان کی مدد اور حسن سلوک کی دیگر سب صورتیں شامل ہیں۔

نماز تہجد ایک عظیم نیکی ہے، جس میں خلوص، اللہ کی طرف توجہ، دعا و مناجات اور بہت سے فوائد اور برکات موجود ہیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے جنت ملتی ہے۔

حسن خلق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت

www.pklibrary.com

ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''سلام عام کرو، کھانا کھلاؤ اور جس طرح اللہ عزوجل نے تمہیں حکم دیا ہے اس طرح بھائی بھائی بن کر رہو۔'' (مسند احمد)

فائدہ:

حسن خلق اور حقوق العباد کی ادائیگی سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں امن وامان قائم رہتا ہے۔

بہتر عمل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

''اے اللہ کے رسول! اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ کہ تو کھانا کھلائے اور جسے تو جانتا ہے اسے بھی سلام کرے اور جسے نہیں جانتا اسے بھی سلام کرے۔'' (بخاری)

فائدہ: ہر واقف اور ناواقف کو سلام کرنے کا مطلب عزیز دوست اور اجنبی، یعنی ہر مسلمان کو سلام کرنا ہے۔ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غیر مسلم ہے، اسے سلام نہیں کرنا چاہیے۔ یہ غیر مسلم کا فرض ہے کہ مسلمان کو سلام کرنے میں پہل کرے۔ جب وہ سلام کرے تو مسلمان کو چاہیے کہ اسے سلام کے جواب میں وعلیکم کہے۔

ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کا کھانا چار افراد کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور چار افراد کا کھانا آٹھ افراد کے لیے کافی ہوتا ہے۔'' (مسلم)

فوائد ومسائل

1۔ اگر کھانا کم ہو تو مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھ کر کھائے۔

2۔ مل کر کھانا کھانے سے تھوڑا کھانا زیادہ افراد کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

3۔ باہمی ہمدردی اور خیر خواہی مسلمانوں کی امتیازی خوبی ہے۔

کم خوری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔'' (بخاری)

فوائد ومسائل

1۔ سات آنتوں میں کھانے سے مراد بہت زیادہ کھانا ہے۔

حرص اور لالچ مومن کی شان کے لائق نہیں۔

2۔ زیادہ پیٹ بھر کر کھانا صحت کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے صرف اسی قدر کھانا کھانا چاہیے جو آسانی سے ہضم ہو جائے۔

3۔ مومن اللہ کا نام لے کر کھاتا ہے، اس لیے اس کے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ کافر اللہ کا نام لے کر نہیں کھاتا، اس لیے اس کے کھانے میں برکت نہیں ہوتی اور کھانے میں اس کے ساتھ شیطان شریک ہو جاتا ہے۔

کھانے میں عیب نکالنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔'' (مسلم)

فوائد ومسائل:

1۔ اگر پکانے والے سے کھانا پکانے میں کوئی کمی رہ جائے تو برداشت کرنا چاہیے۔ معمولی بات پر

www.pklibrary.com

آپے سے باہر ہو جانا اخلاق کے منافی ہے۔

2۔ بعض اوقات کوئی کھانا انسان کو پسند نہیں ہوتا تب طبیعت پر جبر کر کے کھانا ضروری نہیں اور نہ پیش کرنے والے ہی پر ناراض ہونا چاہیے کہ یہ کھانا کیوں پکایا گیا۔

کھانا کھاتے وقت ہاتھ منہ دھونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا سے باہر تشریف لائے۔ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کی خدمت میں وضو کے لیے پانی پیش نہ کروں؟ آپ نے فرمایا: ''کیا میں نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟'' (مسلم)

فوائد و مسائل:

کھانا کھانے کے لیے نماز والا وضو کرنا ثابت نہیں۔

شریعت نے جو پابندی نہیں لگائی، صفائی یا تقویٰ وغیرہ کے نام پر وہ پابندی لگانا درست نہیں۔

نماز کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے۔

ٹیک لگا کر کھانا کھانے کا بیان

حضرت ابوجحیفہ (وہب بن عبداللہ) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے ایک بکری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے کے طور پر پیش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانے لگے۔

ایک اعرابی نے (تعجب سے) کہا: بیٹھنے کا یہ کیسا انداز ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے شریف بندہ بنایا ہے، متکبر اور سرکش نہیں بنایا۔''

فوائد و مسائل:

1۔ محمد فواد عبدالباقی رحمۃ اللہ نے اتکاء (ٹیک لگانے) کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔

☆ چار زانو (چوکڑی مار کر) بیٹھنا۔

☆ اچھی طرح کھل کر بیٹھنا۔

☆ پیٹھ کسی چیز (دیوار وغیرہ) سے لگا کر بیٹھنا۔

☆ ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر (اس پر سہارا لے کر) بیٹھنا۔

عام طور پر اس لفظ سے تیسرا مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔

☆ گھٹنوں کے بل بیٹھنے سے مراد تشہد کی طرح بیٹھنا یا اکڑوں بیٹھنا ہے، یعنی پنڈلیاں کھڑی کر کے پاؤں کے پورے ملوے زمین پر لگا کر ان پر بیٹھنا۔

☆ تکبر کی ہر صورت مذموم ہے اور ہر کام میں تواضع قابل تعریف ہے۔

کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ اصحاب کے ہمراہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ ایک اعرابی (بدو) آیا، وہ (سارا کھانا) دو لقموں میں کھا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر یہ شخص بسم اللہ پڑھ لیتا تو کھانا تمہارے لیے کافی ہو جاتا، چنانچہ تم میں سے جو شخص کھانا کھائے اسے چاہیے کہ بسم اللہ پڑھ لے۔ اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو (یاد آنے پر) یوں کہہ لے۔ بسم اللہ فی اولہ و آخرہ ''اللہ کے نام کے ساتھ (کھانا شروع کرتا ہوں) اس کے شروع اور آخر میں۔''

فوائد و مسائل:

بسم اللہ پڑھنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے اور تھوڑا کھانا زیادہ لوگوں کو کافی ہو جاتا ہے۔

اگر چند افراد مل کر ایک برتن میں کھانا کھا رہے ہوں تو سب کو بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ اگر ایک آدمی بھی بغیر بسم اللہ کے کھانے لگے تو برکت ختم ہو جاتی ہے۔

کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیے، یاد نہ رہے تو یاد آنے پر بسم اللہ اولہ و آخرہ یا بسم اللہ فی اولہ و آخرہ پڑھ لے۔

دائیں ہاتھ سے کھانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

www.pklibrary.com

، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے کھائے، دائیں ہاتھ سے پیے، دائیں ہاتھ سے لے اور دائیں ہاتھ سے دے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، بائیں ہاتھ سے پیتا ہے، بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا ہے۔'' (طبرانی)

فوائد و مسائل:

1۔ وہ تمام کام جو عرف عام میں اچھے سمجھے جاتے ہیں یا طبعاً ناگوار نہیں، ان میں دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ دوسرے کاموں میں بایاں ہاتھ استعمال کیا جائے۔

2۔ احادیث میں بہت سے کاموں کے بارے میں دائیں جانب کو اہمیت دینے کی تلقین کر موجود ہے، مثلاً ''کھانا، پینا، لینا، دینا، وضو، غسل، کنگھی کرنا، کپڑا پہننا، جوتا پہننا، سر کے بال کٹوانا یا منڈوانا، لکھنا، مسجد میں داخل ہونا، بیت الخلا میں داخل ہونا، مسجد سے باہر آنا، لباس یا جوتا اتارنا وغیرہ۔

3۔ جو کام شیطان کو پسند ہیں مومن کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اپنے قریب سے کھانا

حضرت عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں پرورش پانے والا ایک بچہ تھا۔ (ایک دن کھانا کھاتے ہوئے) میرا ہاتھ پلیٹ میں (ادھر ادھر) گھوم رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

''بچے! اللہ کا نام لو (بسم اللہ پڑھو) دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔'' (بخاری)

فوائد و مسائل:

1۔ حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ 4 ہجری میں فوت ہوئے تو ان کی بیوہ حضرت ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس طرح ان کے بیٹے عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور بیٹی زینب بنت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ آ گئے۔

2۔ بچے غلطی کریں تو نرمی سے سمجھا دینا چاہیے۔

3۔ بچوں کو واضح اور آسان اسلوب میں سمجھانا چاہیے اور اختصار پیش نظر رکھا جائے۔

4۔ جب برتن میں ایک ہی قسم کا کھانا ہو تو ہر ایک کو اپنے سامنے سے کھانا چاہیے، البتہ اگر مختلف قسم کی چیزیں (کھجوریں یا مٹھائی وغیرہ) ہوں تو اپنی پسند کی چیز دوسری طرف سے بھی لی جا سکتی ہے۔

دائیں ہاتھ سے کھانا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''بائیں ہاتھ سے نہ کھایا کرو کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔'' (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی شخص اپنا ہاتھ نہ پونچھے، جب تک اسے چاٹ نہ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔''

فوائد و مسائل:

1۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ کی انگلیوں کو زبان سے صاف کر لینا چاہیے۔

2۔ بغیر صاف کیے ہاتھ کو کپڑے سے پونچھنا یا پانی سے دھونا مناسب نہیں کیونکہ اس طرح کپڑا خراب ہوگا یا پانی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا پڑے گا اور ہاتھ کو لگے ہوئے غذا کے ذرات نالی میں جائیں گے جو رزق کی..... ناقدری ہے۔

4۔ برکت ایک معنوی اور غیر محسوس چیز ہے۔ اس کے حصول کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے اور رزق کو ضائع کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

5۔ کسی سے چٹوانا اس وقت درست ہے جب دوسرا آدمی اس میں کراہت محسوس نہ کرے، مثلاً بیوی یا اولاد وغیرہ ہو۔

☆☆

www.pklibrary.com

اِنشاجی کی ایک پنجابی نظم

انشا جی

تینوں دسیلے توں ہسنا اے
اسیں تینوں کجھ نئیں دسنا اے
بس اپنی اگ وچ جلنا اے
اور آپے پکھا جھلنا اے
اسیں پکے آں، تو خام کرڑے
کجھ ہویا نئیں، کی ہونا سی
اک دن بڑا ہسنا رونا سی
اوہ ساگر چھلاں ایویں سی
اوہ ساریاں گلاں ایویں سی
پر چرچا کرنا تمام کرڑے

اسیں کہندے کہندے مرجانا
توں ہسدے ہسدے مرجانا
اسیں اُجڑے اُجڑے رہ جانا
توں وسدے وسدے مرجانا
ہاں سوچ لیا انجام کرڑے
اک گھر وچ دیوا بلدا ای
کی دیکھ سندیسے گھلدا ای
کیوں پورب پچھم جانی ایں
کیوں من اپنا بھٹکانی ایں
گھر آجا پے گئی شام کرڑے

www.pklibrary.com

باتیں کبریٰ خان سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''
''کبریٰ فاطمہ خان۔''
2 ''پیار کا نام؟''
''نام تو بہت ہیں مگر کبریٰ ہی کہتے ہیں زیادہ تر لوگ۔''
3 ''تاریخ پیدائش/شہر؟''
''16 جون 1996ء/ملتان۔''
4 ''بہن بھائی؟''
''میری دو بہنیں ہیں۔''
5 ''گھر میں بولی جانے والی زبان؟''
''اردو اور انگریزی۔''
6 ''تعلق کہاں سے ہے؟''
''ہم بنیادی طور پر پٹھان ہیں۔''
7 ''پروفیشن جو اپنانا چاہتی تھیں؟''
''اسی فیلڈ کو پروفیشن بنانا چاہتی تھی کیونکہ میں نے کم عمری میں ہی شوبز کو جوائن کر لیا تھا۔''
8 ''فنی زندگی کا آغاز کس سن میں کیا؟''
''2013ء میں، اس وقت میں لندن میں تھی اور میں نے بطور ماڈل اس فیلڈ میں قدم رکھا تھا۔ یعنی بطور فیشن ماڈل کے.....''
9 ''فیلڈ میں کس کے تعاون سے آئیں؟''
''اپنے ٹیلنٹ سے آئی ہوں۔ کسی کی سفارش نہیں تھی میرے پاس۔''
10 ''شہرت ملی؟''
''سنگ مرمر'' سے اور یہی میرا پہلا ڈرامہ تھا یوں سمجھیں کہ ڈراموں کی دنیا میں یہ ڈرامہ سنگ میل ثابت ہوا۔''
11 ''بیدار کب ہوتی ہیں؟''
''میں عموماً جلدی اٹھ جاتی ہوں۔ کام ہو، شوٹ پہ جانا ہو تو زیادہ جلدی اٹھ جاتی ہوں ورنہ تھوڑی دیر میں اٹھتی ہوں۔''
12 ''ناشتہ جو پسند ہے؟''
''انڈا پراٹھا بہت پسند ہے۔ انڈا پراٹھا اور دو کپ چائے یہ میرا ناشتہ ہے۔''
13 ''چائے کے ساتھ کیا ہونا ضروری ہے؟''
''بسکٹ..... ورنہ مزہ نہیں آتا۔''
14 ''ٹریولنگ سے لگاؤ؟''
''اب لگاؤ والی بات نہیں رہی ہے۔ اب تو ضرورت بن گئی ہے۔ میں زیادہ تر ملک سے باہر رہتی ہوں تو یہاں کام کے سلسلے میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔''
15 ''اکیلے رہ کر کیا سیکھا؟''
''کوکنگ..... اگرچہ پہلے بھی آتی تھی۔ مگر اب زیادہ اچھی کک ہو گئی ہوں۔ اپنا ناشتہ کھانا زیادہ تر خود ہی پکاتی ہوں۔''
16 ''کھانوں میں پسندیدہ کھانا؟''
''آلو گوشت۔''
17 ''اپنا خیال کتنا رکھتی ہیں؟''
''بہت زیادہ نہیں..... مجھے ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے بہت پیارا بنایا ہے۔ مجھے بناوٹ کی ضرورت نہیں۔''
18 ''اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟''
''کچھ خاص نہیں..... قدرت کا ہاتھ ہے مجھ پر۔''

www.pklibrary.com

19 ''آپ خوش خوراک ہیں؟''

''نہیں نہیں..... بھوک تو مجھے لگتی ہی بہت کم ہے اور کام کے دوران تو بالکل بھی نہیں لگتی۔''

20 ''کون سا کھانا کسی بھی وقت کھا سکتی ہیں؟''

''پیزا..... مجھے پیزا بہت پسند ہے۔''

21 ''تعریف سن کر کیسا لگتا ہے؟''

''ارے..... تعریف کس کو بری لگتی ہے۔ بہت فخر ہوتا ہے اپنے آپ پر۔''

22 ''خوشی کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟''

''بس خوشی میں میرے آنسو نکل آتے ہیں۔ یہی میرا اظہار ہے کہ مجھے رونا آجاتا ہے۔''

23 ''بچپن میں کیا چیز بہت شوق سے کھاتی تھیں؟''

''چاکلیٹ..... اور ابھی بھی چاکلیٹ بہت پسند ہے۔''

24 ''اپنی بات منوانے کی عادی ہیں؟''

''نہیں نہیں..... میں بالکل بھی ضدی نہیں ہوں کمپرومائز کرنے والی انسان ہوں۔''

25 ''سائنس کی شکر گزار ہوں کہ؟''

''اس نے کیوٹیشن کو آسان بنا دیا ہے۔''

26 ''پسندیدہ دن/مہینہ؟''

''دن تو وہ اچھا لگتا ہے جس دن چھٹی ہو اور مہینہ مجھے دسمبر اچھا لگتا ہے۔''

27 ''پٹھان ہونے کی وجہ سے غصہ تیز ہوگا؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے..... ہاں اگر کوئی بہت ہی عجیب و غریب صورت حال ہو جائے تو پھر اندر کا پٹھان بہت غصہ دکھاتا ہے..... قہقہہ۔''

28 ''کس طرح کے مرد حضرات پسند نہیں؟''

''وہ جو مزاج کے گرم ہوں اور جن کا غصہ بہت تیز ہو۔''

29 ''مرد کب اچھے لگتے ہیں؟''

''جب وہ خواتین کو خواہ وہ کسی بھی عمر کی ہوں عزت سے بلاتے ہیں۔ ان کا احترام کرتے ہیں۔''

30 ''گھر میں کون غصے کا تیز ہے؟''

''کوئی نہیں ماشاء اللہ سب ہی مزاج کے ٹھنڈے ہیں۔''

31 ''پسندیدہ ملک؟''

''ٹیو کے تو ہے ہی..... مگر کوریا بھی بہت پسند ہے۔''

32 ''کاش انسان کو معلوم ہوتا؟''

''اپنے دنیا میں آنے کا مقصد۔ پھر میرے خیال میں زندگی زیادہ اچھی گزرتی۔''

33 ''فضول خرچ ہیں یا کفایت شعار؟''

''پیسہ خرچ کرتے وقت زیادہ سوچتی ہی نہیں..... بھئی اتنا کہاں وقت ہوتا ہے۔''

34 ''زیادہ تر شاپنگ کس چیز کی کرتی ہیں؟''

''مجھے میک اپ کرنے سے زیادہ میک اپ خریدنے کا شوق ہے پتا نہیں کیوں؟ کتنا میک اپ تو ایسے ہی پڑے رہ جاتا ہے۔''

35 ''کبھی زندگی میں برا وقت آیا؟''

''بالکل آیا..... بچپن تو بہت اچھا گزرا۔ مگر جب بڑی ہوئی تب آیا۔''

36 ''کب بہت خوش ہوتی ہیں؟''

www.pklibrary.com

"اپنی دوستوں سے باتیں کر کے اور چاکلیٹ کھا کے۔"

37 "اگر اس پروفیشن میں نہ ہوتی تو؟"

"تو پھر آرکیٹکٹ ہوتی۔"

38 "الارم لگا کر سوتی ہیں یا خود ہی آنکھ کھل جاتی ہے؟"

"کہیں ضرور جانا ہو تو پھر "الارم" لگا کر سوتی ہوں۔ ورنہ نہیں۔"

39 "چھٹی کا دن کہاں گزارتی ہیں؟"

"گھر پر..... سکون ملتا ہے۔"

40 "محبت کو پرکھنے کا پیمانہ؟"

"کوئی پیمانہ نہیں ہے اور محبت کو پرکھنا بھی نہیں چاہیے۔"

41 "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"اپنے کمرے میں۔"

42 "کس آرٹسٹ کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے؟"

"اب..... تو اللہ کا شکر ہے کہ کافی لوگوں کے ساتھ کام کر لیا ہے۔ اب ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔"

43 "ایس ایم ایس پر کتنی توجہ دیتی ہیں؟"

"ضروری ہو تو فوراً جواب دیتی ہوں۔ ورنہ آرام سے دیتی ہوں۔"

44 "فارغ وقت عموماً کیسے گزارتی ہیں؟"

"اب تو فارغ ٹائم ملتا ہی نہیں ہے۔ پھر بھی کبھی مل جائے تو پھر میں ویڈیو گیمز کھیلتی ہوں۔"

45 "کون سا کردار ابھی تک ملا نہیں؟"

"پاگل لڑکی کا اور معذور لڑکی کا..... میں یہ دونوں رول کرنا چاہتی ہوں۔"

46 "ہینڈ بیگ میں کیا کیا چیزیں رکھتی ہو؟"

"یہ پوچھیں کہ کیا کیا نہیں رکھتی۔"

47 "بیگ میں کیا چیزیں لازمی رکھتی ہیں؟"

"ہینڈ فون، والٹ، چاکلیٹ جس کے بغیر رہ نہیں سکتی اور تسبیح۔"

48 "تسبیح..... مطلب مذہب سے لگاؤ ہے؟"

"بہت لگاؤ ہے۔ نماز باقاعدہ پڑھتی ہوں۔ قضا ہو جائے تو قضا ضرور پڑھتی ہوں۔"

49 "حکومت کوئی عہدہ آفر کرے تو؟"

"تو تعلیم کا عہدہ لینا چاہوں گی۔ ٹین ایجر نوجوانوں کی اعلا تعلیم کے راستے ہموار کروں گی اور بھیک مانگنے والے بچوں کے لیے تعلیم مفت کر دوں گی۔"

50 "کن باتوں کو پوزیٹو لیتی ہو؟"

"ہر اچھی بات کو، ہر اچھی نصیحت کو بہت پوزیٹو لیتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ عمل بھی کروں۔"

51 "کھانا انگریزی اسٹائل سے کھاتی ہیں؟"

"یہ تو منحصر ہے اس بات پر کہ کھانے کی ٹیبل پہ کیا ہے۔ جہاں تک چاول کی کوئی ڈش ہے تو وہ میں ہاتھ سے کھاتی ہوں کہ پھر مزہ نہیں آتا۔"

52 "ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا کھانا اچھا لگتا ہے؟"

"نہ..... نہ..... اپنے بیڈ پر کھانے کا جو مزہ ہے وہ کہیں بھی نہیں۔ باہر تو پھر مجبوری ہوتی ہے۔"

53 "کن لوگوں پر خرچ کرنے کو دل چاہتا ہے؟"

"اپنی فیملی پر..... کبھی کنجوسی نہیں دکھائی۔"

54 "وقت کی پابند ہیں؟"

"بالکل..... بلکہ دوسروں کو بھی کہتی ہوں کہ وقت کی پابندی کیا کرو۔ سارے کام وقت پر ہو جاتے ہیں۔"

55 "کن ایجادات سے بہت متاثر ہیں؟"

"سب سے بڑھ کر تو موبائل سے، پھر لیپ ٹاپ اور کمیونیکیشن کی سہولیات سے۔"

56 "اور فیس بک؟"

"مجھے انسٹاگرام سے اور انٹرنیٹ سے زیادہ دلچسپی ہے۔"

57 "غیر ملکی کھانے جو آپ کو پسند ہیں؟"

"مجھے کورین اور لبنانی کھانے پسند ہیں۔ مگر اپنے دیسی کھانوں کی تو کیا ہی بات ہے۔"

58 "آپ کی خواہش ہے کہ؟"

www.pklibrary.com

"کہ میں اتنا کچھ کمالوں کہ مجھے کسی پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ اس لیے مجھے بہت کام کرنا ہے۔"

59 "کب دکھی ہو جاتی ہیں؟"

"جب کوئی مجھ سے روکھے لہجے میں بات کرے۔ مطلب اپنے لوگوں میں۔"

60 "کھانا پکانے میں کتنی ماہر ہیں؟"

"مجھے بیکنگ سے لگاؤ ہے تو کیک وغیرہ بہت اچھے بنا لیتی ہوں۔"

61 "ایک نصیحت جو گرہ سے باندھ لی؟"

"ماں کہتی تھیں کہ انسان اس دنیا میں عزت کے ساتھ آتا ہے اس لیے کوشش کریں کہ خاتمہ بھی عزت کے ساتھ ہو۔ تاکہ لوگ آپ کو یاد رکھیں۔"

62 "شادی میں کون سی رسمیں انجوائے کرتی ہیں؟"

"دودھ پلائی کی اور جوتا چھپائی کی....."

63 "کن چیزوں سے ڈرتی ہیں۔ (مطلب فوبیا ہے)؟"

"گہرے پانی سے ڈرتی ہوں۔"

64 "غلطی مان لیتی ہیں؟"

"ہاں..... ہاں بڑی فراغ دلی سے۔"

65 "اچھے مشورے کون دیتا ہے دل یا دماغ؟"

"میرا تو دل مجھے اچھے مشورے دیتا ہے۔"

66 "بچپن میں کن چیزوں سے زیادہ کھیلتی تھیں؟"

"چھوٹی چھوٹی گاڑیوں سے..... کچھ تو میں نے سنبھال کر بھی رکھی ہوئی ہیں۔"

67 "سخت نفرت ہے ان لوگوں سے؟"

"جو چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنتے ہیں اور پھر دوسروں کو بتا کر فساد مچاتے ہیں۔"

68 "کیا دیر تک جاگنے کی عادت ہے؟"

"ہاں کہہ سکتی ہیں۔ بستر پر لیٹ کر موبائل چیک کرتی ہوں اور پھر سوتی ہوں۔ مگر نیند جلدی نہیں آتی۔"

69 "آپ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا ہوتا ہے؟"

"پانی کی بوتل، فون، میرا لپ بام..... اور..... اور بس کچھ نہیں۔"

70 "کبھی زندگی بری لگی؟"

"کئی بار..... پھر اللہ سے دعائیں مانگتی ہوں تو اللہ سب ٹھیک کر دیتا ہے۔"

71 "اللہ تعالیٰ کی بہترین تخلیق؟"

"یہ پوری دنیا..... اور اس دنیا میں والدین۔"

72 "کھانے کے بعد کیا ایکسٹرا چیزیں ہونی چاہئیں؟"

"میں تو اپنی پسند کی تمام چیزیں لے کر بیٹھتی ہوں۔"

73 "کون سے تہوار شوق سے مناتی ہیں؟"

"کوئی تہوار نہیں..... سب دن ایک جیسے ہوتے ہیں۔"

74 "پیسے میں کس کا عمل دخل ہوتا ہے؟"

"پیسہ یا خوشحالی کا تعلق محنت اور قسمت دونوں سے ہے۔"

75 "مصیبت کے وقت بہترین ہتھیار؟"

"جھوٹ بول کر جان چھڑائی جائے۔"

76 "کب طبیعت میں چڑچڑا پن آجاتا ہے؟"

"جب کوئی مجھے گہری نیند سے اٹھا دے تب۔"

77 "فریش کب ہوتی ہیں؟"

"رات کے وقت..... خاص طور پر سونے سے پہلے۔"

78 "گھر آکر کس چیز کی طلب ہوتی ہے؟"

"کھانے کی..... بس جلدی مل جائے۔"

79 "کون سے ٹی وی چینلز زیادہ پسند ہیں؟"

"ہم ٹی وی اور ڈسکوری چینل۔"

80 "آپ کے آن ایئر ڈرامے آج کل؟"

"جنت سے آگے۔"

81 "اپنا پسندیدہ ڈراما؟"

"بہت ہیں..... بلکہ سب ہی ہیں۔"

82 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"

"کوئی مسئلہ نہیں..... کچھ اور کر لوں گی۔"

www.pklibrary.com

آپ کی پسندیدہ مصنفہ

بشریٰ احمد سے ملاقات

شاہین رشید

بشریٰ احمد کا شمار ان مصنفین میں ہوتا ہے جنہوں نے کم لکھا لیکن جب بھی لکھا اچھا لکھا۔

بشریٰ کی خصوصیت ان کا سادہ انداز بیاں ہے۔ وہ لکھتے ہوئے ہماری معاشرتی اقدار کو مدنظر رکھتی ہیں۔ ان کے کردار ہمیں اپنے اردگرد نظر آتے ہیں۔ ان کی کہانیاں اسی معاشرے کی کہانیاں ہیں۔ متوسط طبقہ جو آج بھی اقدار و روایات کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ بشریٰ احمد اس کی عکاسی کرتی ہیں۔ قارئین کی فرمائش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے آج بشریٰ کا انتخاب کیا ہے۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"اللہ کا کرم ہے، احسان ہے۔"

"بہت شکریہ کہ آپ نے ہمارے میگزین کے لیے وقت نکالا۔"

"انٹرویو کے آغاز میں پوچھنا چاہوں گی کہ عموماً والدین اپنی بیٹی کا نام بشریٰ اس وقت رکھتے ہیں جب اللہ انہیں بیٹے سے نہیں نواز رہا ہوتا..... آپ کے یہاں کیا صورت حال تھی؟"

"آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے۔ لیکن میرے لیے صورت حال کچھ مختلف تھی۔ میرے دادا نے میرا نام رکھا تھا۔ بشریٰ کا مطلب خوش خبری ہے اور چونکہ میری پیدائش کے وقت میرے والد کی ترقی ہوئی تھی۔ سو میرے دادا کے نزدیک میں ان کے لیے خوش خبری لائی تھی، اس لیے میرا نام بشریٰ رکھا گیا اور پھر میں تو دوسری بیٹی تھی، راشدہ تو مسلسل تیسری بیٹی تھی۔ اور امی ابو کی لاڈلی تھی۔

میرے دادا ابا کی ڈائری جو آج بھی میرے ابو کے پاس محفوظ ہے، اس میں اس کی پیدائش کا ذکر بہت خوشی سے کیا گیا ہے۔ سو یہ کہنا شاید درست نہیں کہ میرا نام بیٹے کی خواہش کے لیے رکھا گیا تھا۔"

"گڈ چلیں تو پھر اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتایئے؟"

"میں چار اپریل کو محلوں کے شہر بہاول پور میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین کا تعلق ملتان سے تھا لیکن بہ سلسلہ ملازمت وہ بہاول پور میں رہے۔ میرا ننھیال بہاول پور میں ہی تھا.....

www.pklibrary.com

ہم پانچ بہن بھائی ہیں یعنی چار بہنیں اور ایک بھائی میرا نمبر دوسرا ہے۔ سب بہن بھائی الحمدللہ شادی شدہ ہیں۔ میرے تین بچے ہیں۔ پہلا بیٹا ہے جو ماشاء اللہ ''اولیول'' میں ہے، باقی دو بیٹیاں بالترتیب چھٹی اور چوتھی جماعت میں پڑھتی ہیں۔ میں نے ''بی ایس سی'' کیا ہے..... جبکہ انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا ہے۔

میری والدہ کی وفات کو تقریباً گیارہ سال ہوگئے ہیں ان کی وفات کینسر سے ہوئی۔ ابو ماشاء اللہ حیات ہیں۔ اور بھائی کے ساتھ اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ اور ابو اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور کے اسکول سے بہ حیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے ہیں۔ امی بھی گریجویٹ تھیں لیکن ہاؤس وائف تھیں۔ اپنے امی، ابو، نانا اور دادا کی زندگی پر تو میں پوری ایک کتاب لکھ سکتی ہوں۔''

''بچپن کے بارے میں بھی بتائیں؟''

''بچپن بہت خوش گوار تھا، میں ایک حساس بچی تھی، کسی حد تک اب بھی ہوں۔ شرارتی بچوں کا جو تصور ہے کہ اودھم مچانے والے، شور شرابا کرنے والے تخریبی قسم کے..... تو میں ایسی بالکل بھی نہیں تھی.....

ہم سب بہن بھائی بہت سلجھے ہوئے اور بہت تمیز دار بچے تھے۔ ایسے بچے کہ جن کی دوسرے لوگ مثالیں دیتے تھے۔ ہاں جب ہم تھوڑے بڑے ہوئے تو گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم دادا کے گھر ملتان چلے جاتے تھے اور وہیں چھٹیاں گزارتے تھے۔ اس وقت ہم اپنے ہم عمر کزنز کے ساتھ مل کر گرمیوں کی، طویل دوپہروں میں نوٹ کے ساتھ دھاگا باندھ کر گیٹ کے نیچے سے گزارتے اور جیسے ہی کوئی راہ چلتا نوٹ کھینچتا تو ہم دھاگا کھینچ لیتے تھے۔''

''بہن بھائیوں سے تعلقات کیسے تھے؟''

''بہنوں اور بھائی سے تعلقات بچپن سے ہی مثالی رہے ہیں، ہم تین بہنیں ''اوپر تلے'' کی ہیں تو آج تک دوستی کا رشتہ قائم ہے۔ اکلوتے بھائی اور سب سے چھوٹی بہن تابندہ سے لاڈ پیار کا رشتہ تھا اور ہے..... اللہ تعالیٰ سب کو سلامت رکھے اور ہمارے پیار کو بھی۔

ہم دو بہنیں دیورانی جٹھانی بھی ہیں اور ایک دوسرے کا مضبوط سپورٹ سسٹم بھی۔ میری اور میری بہن کی شادی اپنے تایا کے گھر ہوئی ہے۔ راشدہ کی شادی چچا کے گھر اور وہ پڑوس میں ہی رہتی ہے۔ بھائی اسلام آباد میں رہائش پذیر ہے۔ اس کی بیوی بھی بہت محبت کرنے والی اور خوش مزاج ہے، وہ بھی ہمارے چچا کی بیٹی ہے۔

یہاں ایک دلچسپ بات بتاتی چلوں کہ ہمارے دادا اور دادا کے بھائی کی شادی بھی دو بہنوں سے ہوئی تو دونوں بھائیوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے بچوں کے رشتے آپس میں نہیں کیے۔ جو تیسری نسل تھی یعنی کہ ہم کزنز تو ہمارے، نوے فیصد رشتے آپس میں ہوئے اور الحمدللہ سب کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا کریڈٹ میں اپنی امی، ساس یعنی تائی اماں اور دیگر چچیوں کو دوں گی کہ

www.pklibrary.com

جنہوں نے ،آپس میں مثالی تعلقات رکھتے ہوئے خاندانی سیاستوں سے محفوظ نسل پروان چڑھائی۔"

"لکھنے کا عمل کب سے جاری ہے..... تفصیل سے بتائیں؟"

"لکھنے کے عمل کا باقاعدہ آغاز تو کالم نگاری سے ہوا۔لڑکپن سے ہی ابو نے اخبار پڑھنے کی عادت ڈال دی تھی ، پتا ہی نہیں چلا کہ کب ابو کے ساتھ سیاسی بحث ومباحثہ کرتے اور کرنٹ افیئرز کے پروگرام دیکھتے دیکھتے ،کالم لکھنے شروع کردیے۔ مشرف کا دور تھا۔ میں کالج میں تھی۔ تو نوائے وقت ملتان میں بڑی باقاعدگی سے کالم لکھا کرتی تھی.....

گھر کا ماحول ادبی تھا..... دادا فارسی کے عالم تھے، اور نانا انگریزی ادب کے استاد۔ پھوپھو زبردست مقررہ تھیں اور خالہ شاعری کرتی تھیں۔ گھر میں نانا ابا ڈھیروں کتابیں ہر ہفتے سینٹرل لائبریری سے لاتے تھے۔ ہم بہنیں باریاں لگا کر کتابیں پڑھتی تھیں، چونکہ پڑھائی میں غیر معمولی ذہین تھی تو میرے رزلٹ ہمیشہ اچھے آتے تھے۔ سو ماں باپ بھی مطمئن تھے۔ میں بجا طور پر کہہ سکتی ہوں کہ ابو اور نانا ابا نے ہمارے اندر ادبی ذوق کی آبیاری کی۔

راشدہ رفعت میری چھوٹی بہن ،وہ بچپن سے ہی تعلیم وتربیت اور ماہنامہ پھول وغیرہ میں لکھتی آرہی تھی۔ بڑے ہونے پر اس نے ناول نگاری بھی شروع کردی تھی۔ لیکن اس نے کوئی تحریر شائع ہونے کے لیے نہیں بھیجی تھی۔ تو ہوا یوں کہ ایک دن میں آفاق احمد صاحب کی کتاب پڑھ رہی تھی تو راشدہ نے کتاب ،مجھ سے لینے کی خاطر مجھے کاغذ قلم دے کر کچھ لکھنے کا چیلنج دیا۔ یوں میں نے پہلا افسانہ لکھا جو کہ "کرن" میں شائع ہوا، پھر شعاع اور خواتین میں کئی ناول اور ناولٹ لکھے۔ پہلے افسانے کا اعزازیہ تو یاد نہیں کتنا تھا لیکن افسانہ شائع ہونا بطور خود ایک اعزازیہ ضرور تھا۔

میں اس بات کو مانتی ہوں کہ آپ کی حوصلہ افزائی کا عمل ،آپ کے اپنے گھر سے ہی شروع ہوجاتا ہے..... اس کے بعد میں اجمل اور ریحانہ کو کریڈٹ دوں گی ،ان دونوں خواتین نے مجھے ہمیشہ سراہا..... میری پہلی تحریر سے لے کر آج تک ہر تحریر ایک ماہ کے اندر اندر پرچوں کی زینت بنی..... جب کبھی فون پر بات ہوئی ،ان دونوں خواتین نے مجھے میرے لکھاری ہونے کا احساس دلایا۔"

"کہانیاں کب اور کیسے وارد ہوتی ہیں؟ اور کس طرح انہیں آگے تک چلاتی ہیں؟"

"کہانیاں لکھنا میرے لیے ایسا ہی ہے جیسے ایک گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی ہوں۔ جہاں جیتے جاگتے کردار اپنا تعارف کرواتے ہیں اور یوں کہانی چل پڑتی ہے۔ مکالمہ نگاری میرے لیے کبھی مشکل نہیں رہی، بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے کردار خود بول رہے ہوتے ہیں، ذہن میں ایک تواتر سے جملے ترتیب پاتے ہیں کہ آپ کا قلم پیچھے رہ جاتا ہے، ہاں کبھی کبھار ذہن ایسے صاف ہوجاتا ہے کہ گھنٹوں کچھ لکھ نہیں پاتی، اسے "رائٹر بلاک" کہتے ہیں اور یہ ہر رائٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔ رائٹر بلاک توڑنے کے لیے لکھنے کے عمل میں ایک وقفہ دے کر کسی اور ایکٹیویٹی کی طرف توجہ کرلی جائے تو بہتر ہوتا ہے۔"

"آپ کے لیے کہا جاتا ہے کہ آپ سوشل رومینٹک ناولسٹ ہیں..... اس سے کیا مراد ہے؟"

"کسی بھی سماجی ایشو کو ہلکے پھلکے انداز میں تھوڑے رومانوی ٹچ کے ساتھ کہانی کی شکل دی جاتی ہے۔ میری کہانیاں ایک مضبوط خاندانی تصور کے گرد گھومتی ہیں، جہاں زندگی ایک مثبت انداز میں گزاری جارہی ہوتی ہے مجھ سے فلسفہ نہیں لکھا جاتا۔ بہت سادہ انداز تحریر ہے میرا اور میری کہانی کے کسی نہ کسی کردار میں میرے اپنے خاندان کے کسی فرد کی جھلک ضرور ہوتی ہے۔"

"رومانس لکھتے وقت آپ کے ذہن میں کون ہوتا ہے؟" "بڑا دلچسپ سوال ہے لیکن اتنا ہی سادا جواب ہے۔ رومانس کردار کے حساب سے لکھا جاتا ہے۔ اگر خشک مزاج ہیرو یکا یک آخری سین میں ضرورت سے زیادہ رومینٹک ہوجائے تو یہ سراسر غیر فطری لگے گا۔ اچھا

www.pklibrary.com

ایک بات بتاؤں، میرے شوہر اچھے خاصے رومان پرور انسان ہیں لیکن کبھی رومینٹک ڈائیلاگ لکھتے وقت مجھے ان کا خیال نہیں آیا ذہن میں...... میرے ذہن میں وہی کردار ہوتا ہے جو زیرِ قلم ہوتا ہے۔"

"کس موضوع پر آسانی سے لکھ لیتی ہیں، کوئی ایسی تحریر جس کو لکھتے وقت آپ بہت مسکرائی ہوں یا دکھی ہوئی ہوں۔"

"کوئی بھی گھریلو کہانی جس کے کردار بڑے سادہ سے ہوں۔ میں آسانی سے لکھ لیتی ہوں۔ لیکن میں بہت زیادہ رنجیدہ تحریر نہیں لکھ سکتی، یہ میرا مزاج ہی نہیں ہے۔ 2005ء میں ایک افسانہ لکھا تھا یہ بات بھی آپ کو بتاتی چلوں کہ 2005ء میری زندگی کا تلخ ترین سال تھا...... اور 2005ء میں مئی یا جون میں جب میں نے ایک افسانہ لکھا تھا تو ان، تلخ ترین دنوں میں بھی اس افسانے کو لکھتے وقت میرے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اسی طرح "عراق وار" کے حوالے سے ایک ناول لکھا تھا۔ جو ادارے کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا شاید اس لیے شائع بھی نہیں ہوا اس ناول کی ہر سطر پر میرے آنسوؤں کے نشانات تھے۔ میں نے آپ کو کہا نا کہ کہانی لکھتے وقت کردار آپ کے اوپر طاری ہو جاتے ہیں۔ آپ، آپ نہیں رہتے۔ اس منظر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ سو وہ نہ شائع ہونے والا ناول میرا ماسٹر پیس تھا۔"

"اب تک کیا کیا لکھ چکی ہیں؟"

"میں نے ابتدا میں کافی لکھا، افسانے، ناول اور ناولٹ...... شعاع، خواتین اور کرن کے لیے...... جب 2006ء میں شادی ہوئی تو اس کے بعد جاب بھی کر لی۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کی ذمہ داریاں بھی ساتھ ساتھ تھیں، تو لکھنے کا عمل نسبتاً سست روی سے چلتا رہا۔"

"پرنٹ میڈیا معاوضہ اچھا نہیں دیتا...... کبھی احتجاج کیا آپ نے؟"

"یہ درست ہے کہ پرنٹ میڈیا میں پیسہ نہیں ہے لیکن آپ کے اندر کے لکھاری کی تسکین کے لیے یہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہے، جو آپ کو پیسہ دے نہ دے پہچان اور عزت ضرور دیتا ہے۔ اس لیے میں نے کبھی احتجاج نہیں کیا۔"

"الحمدللہ میں فنانشلی ان ڈیپنڈنٹ ہوں ایک معروف تعلیمی ادارے میں بطور اکیڈمک کوآرڈینیٹر اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہوں۔"

"چلیں اب کچھ جی سوال ہو جائیں......؟"

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟۔ دن کیسا گزرتا ہے؟" "آج کل بلکہ گزشتہ کئی سالوں سے نہایت مصروف زندگی گزار رہی ہوں۔ صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے اور رات کو بھی جلدی سو جاتی ہوں۔ گھر کے کام کاج کے لیے فل ٹائم ہاؤس ہیلپر رکھی ہوئی ہے۔ اگر آپ دو محاذوں پر نبرد آزما ہوں تو اپنی ذاتی

www.pklibrary.com

زندگی کو، خوش گوار رکھنے کے لیے خود کو آسانی فراہم کرنی چاہیے..... ہانڈی میں خود بناتی ہوں، لیکن دیر سویر کی صورت میں وہ بھی ہاؤس ہیلپر بنا لیتی ہے جب آپ اپنے طرز زندگی کے حساب سے خود کو آسانیاں فراہم کرتے ہیں تو اس کا آپ کی ازدواجی زندگی پر مثبت اثر پڑتا ہے۔"

"گھر میں آپ کی تحریروں کو کون کون پسند کرتا ہے۔ کہانی کس کے ساتھ ڈسکس کرتی ہیں؟"

"کہانی لکھتے وقت میں اور راشدہ ایک دوسرے سے ضرور ڈسکس کرتی ہیں..... امی جب تک حیات تھیں۔ بہت خوش ہوتی تھیں ہماری تحریریں پڑھ کر..... ابو اور شوہر دونوں پڑھتے تو کم کم ہیں لیکن فخر ضرور کرتے ہیں۔

میرا سسرال چونکہ میرا دھیال ہی ہے اس لیے سب ہی شوق سے پڑھتے ہیں۔ میری خالہ بجو آج بھی بہت ایکسائیٹڈ ہو کر فون کرتی ہیں، جب بھی رسالے میں میرا اور راشدہ کا نام دیکھتی ہیں۔"

"آپ مزاج کی کیسی ہیں؟"

"میں نہایت متحمل مزاج ہوں۔ غصہ کم آتا ہے، اگر کبھی آئے تو جلدی اتر جاتا ہے، حقیقت پسند ہوں اور کمپرومائزنگ بھی۔ میں بڑے منظم طریقے سے زندگی گزارنے کی قائل ہوں چھٹی کے دن اچھی سی کوکنگ کرتی ہوں، میرے ہاتھ میں ذائقہ ہے۔ بے ترتیب گھر نہ تو مجھے پسند ہے نہ میرے بچوں کو، چنانچہ کپڑوں کی الماریوں سے لے کر گھر کے پودوں تک میری توجہ ہر چیز کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن کچھ منفی پوائنٹس بھی ہیں۔ کبھی کبھی موڈ سوئنگز بھی ہوتے ہیں۔ جو صرف شوہر کو برداشت کرنے پڑتے ہیں ویسے ہم میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے موڈ سوئنگز آسانی سے ہینڈل کر لیتے ہیں۔

مجھے ٹریولنگ کا شوق ہے، شاپنگ بہت شوق سے کرتی ہوں..... لیکن اپنے بجٹ کے اندر رہ کر۔ ڈرائیونگ اگرچہ روز کرتی ہوں لیکن بحالت مجبوری، اسکول کے علاوہ اگر شام کو دوبارہ گاڑی نکالنی پڑے تو مصیبت لگتی ہے۔ ہاں شوہر اور بچوں کے ساتھ لانگ ڈرائیو بہت پسند ہے۔

کچن کے بارے میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ کھانا پکانا ناپسند ہے لیکن چھٹی کے دن۔ باقی دنوں میں ایک ذمہ داری سمجھ کر کرتی ہوں۔ ہاں اتوار کو دو تین ڈشز ضرور بناتی ہوں..... مینیو پہلے سے سوچ کر رکھتی ہوں..... باقی پورے ہفتے کا مینیو فکس ہوتا ہے۔"

"آج آپ ایک خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے شہرت، عزت اور دولت سے بھی نواز رکھا ہے اس کا کریڈٹ کس کو دیں گی؟"

"میری کامیاب زندگی کے پیچھے دو لوگ ہیں ایک میرے ماں باپ اور دوسرے میرے شوہر ہیں۔ میرے ماں باپ نے مجھے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا سکھایا اور میرے شوہر نے مجھے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے آزادی دی اور اپنا بھرپور ساتھ دیا۔"

"اپنے میاں صاحب اور بچوں کے بارے میں بھی کچھ بتائیے؟"

"میرے میاں صاحب کا پورا نام محمد معصوم فائق ہے۔ ان کی مینوفیکچرنگ فرم اور ویئر ہاؤس ہے۔ جہاں انڈسٹریل اسکیل پر مشینری بنائی جاتی ہے۔

میرا بیٹا عبداللہ او لیول کر رہا ہے۔ بیٹی "مشائم" جس کے نام کا مطلب "نرم و نازک" ہے کلاس سکس میں پڑھتی ہے اور چھوٹی بیٹی کا نام "عنائزہ" ہے جس کا مطلب "سورج کی پہلی کرن" ہے اور یہ کلاس فور میں ہے۔ لکھنے کی صلاحیت مشائم میں کافی حد تک ہے۔ لیکن جدید نظام تعلیم کی بدولت وہ اردو تحریر میں اتنی رواں نہیں ہے۔ البتہ انگریزی زبان میں "نثر اور نظم" دونوں میں طبع آزمائی کرتی رہتی ہے۔ بیٹا اسکیچنگ اچھی کرتا ہے اور ویڈیو ایڈیٹنگ میں بھی ماہر ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے بشریٰ احمد صاحبہ سے اجازت چاہی..... اس شکریہ کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

☆☆

www.pklibrary.com

نائندہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

ماریہ فیصل......دریا خان

میں نے 2020ء سے خواتین پڑھنا شروع کیا۔ تب میں فرسٹ ایئر میں تھی۔ میری ماما ہمیں رسالہ نہیں پڑھنے دیتی تھیں۔ ماما کا کہنا تھا کہ ڈائجسٹ اچھے نہیں ہوتے، میں نے پھر بھی اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ یقین کریں خواتین پڑھنے سے میرے اندر جو جو خامیاں تھیں، جو بھی برائیاں تھیں آہستہ آہستہ سب ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ میں نے خواتین سے بہت کچھ اچھا سیکھا سمجھا۔ اب تو میری ماما بھی پڑھنے لگ گئی ہیں خواتین۔ خواتین ڈائجسٹ ایک تربیت کا نام ہے۔ یہ رسالے انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ اور میں نے اپنی زندگی کو بدلتے پایا ہے۔ میں جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں، وہ کم ہے۔

اب آتے ہیں ہم خواتین کی طرف۔ ویسے تو میں نے بہت سے ناولز پڑھے ہوئے ہیں مگر "جنت کے پتے" نے میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس ناول کو پڑھنے کے بعد میں نے شرعی پردہ شروع کیا۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی بہت شکر گزار ہوں۔ بہت سکون ملتا ہے مجھے پردہ کر کے۔

مجھے خواتین میں سب سے زیادہ "کرن کرن روشنی" پسند ہے۔ اس پر پھر میں عمل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہوں۔ "ہمارے نام" بھی اچھا لگتا ہے مجھے۔ اب آتے ہیں ہم سلسلے وار ناولز کی طرف "انگنا پھول کھلیں" مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ ہم سب کزنز اس ناول کو بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ اس کے بعد "احد" بھی بہت خوب صورت ناول ہے۔

جب رسالہ آتا ہے میں جلدی سے اپنے پیارے شوہر کو کال کرتی ہوں کہ فیصل جی رسالہ آگیا مجھے ابھی چاہیے۔ اور وہ بھی فوراً لا دیتے ہیں میری بہن جویریہ فیصل بھی لکھتی ہے۔ ایک بات بتاؤں، ہم دونوں کے شوہروں کا نام اتفاق سے فیصل ہے (ہی ہی ہی) خواتین کو اللہ تعالیٰ بہت کامیابیوں سے نوازے۔ (آمین)

ج: پیاری ماریہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ ہمیں سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب ہماری قارئین لکھتی ہیں کہ خواتین ڈائجسٹ سے انہوں نے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھا، اس کی تحریروں نے ان کی رہنمائی کی۔ ان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ ہمیں لگتا ہے کہ جس مقصد کے تحت خواتین ڈائجسٹ کا اجراء کیا، جس مقصد کو سامنے رکھ کر ہم پرچا ترتیب دیتے ہیں۔ ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہیں۔ یہ احساس ہمارے لیے بہت طمانیت بخش ہوتا ہے۔

جویریہ کو سلام ...... اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ ذہین اور سمجھ دار لوگ ہی اچھی باتوں کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اور یہ اچھی بات ہے کہ آپ کے شوہر آپ سے تعاون کرتے ہیں۔ انہوں نے آپ پر پابندی نہیں لگائی کہ ڈائجسٹ نہیں پڑھنا۔

عمرانہ بٹ......گوجرانوالہ

معصوم سی بھولی بھالی ماڈل دل کو بہت بھائی۔ کرن کرن روشنی میں عورت کے مصنوعی بال لگوانے پر لعنت کی گئی یہ پڑھ کر آئندہ ہیئر اسٹائل لگانے پر توبہ کر لی ہے۔ شازیہ جمال طارق کا انٹرویو پڑھ کر اچھا لگا "انگنا پھول کھلیں گے" اور "احد" مقابلے کی ریس پر ہیں دونوں رائیٹرز بہت ہی اچھا لکھ رہی ہیں، خواتین کے تمام سلسلے بہت ہی اچھے لگے

www.pklibrary.com

تمام افسانے بہت زبردست تھے، شازیہ جمال واہ کیا لکھتی ہیں باکمال۔ بہت ہی زبردست ناول لکھا۔ اپنی پسندیدہ غزل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ مجھے شروع ہی سے لکھنے لکھانے اور شعروادب سے بہت دلچسپی ہے۔ ہمارے گھر کا ماحول اتنا پڑھا لکھا نہیں ہے۔ میں شادی سے پہلے چھپ چھپ کر ڈائجسٹ پڑھا کرتی تھی مگر جب شادی ہوئی تو بیچ میں تھوڑا وقفہ آ گیا۔ اب بچے ماشاء اللہ تھوڑا بڑے ہو گئے ہیں تو وہیں سے سلسلہ جوڑ لیا ہے اگر سچ پوچھیں تو میں نے اس ڈائجسٹ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں نے دو تین افسانے اور ایک ناول لکھا ہے۔

ج: پیاری عمرانہ! خواتین کی محفل میں آپ کی آمد سے ایسے خوشی ہوئی جیسے کوئی ہمدم دیرینہ مل جائے۔ خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

آپ کی کہانی ہم نے پڑھی تھی کافی عرصہ گزر گیا۔ اب یاد نہیں کس وجہ سے ناقابل اشاعت ٹھہری۔ دراصل ہمیں ہر ماہ بہت سی کہانیاں موصول ہوتی ہیں ہم سب کہانیاں پڑھتے ہیں لیکن سب کہانیاں یاد رکھنا ہمارے لیے مسئلہ ہوتا ہے۔ اپنے افسانے اور ناول بھجوادیں اور یقین رکھیں کہ قابل اشاعت ہوئے تو ضرور شائع ہوں گے۔

میشے علی خان..... خانیوال

خواتین ڈائجسٹ کی قاری ہوں اور وہ بھی عرصہ دراز سے۔ ایک سال بلکہ نہیں چودہ ماہ پہلے اپنی اکیس سالہ خاموشی کو توڑا اور..... اپنے حالات زندگی آپ سے بیان کیے۔

بہت سی باتیں، بہت سی یادیں بہت سے لمحے جو دل کر رہا تھا کہ آپ سے شیئر کروں بہت کچھ ایسا تھا جو پوچھنا تھا پر اب نہیں۔

بہت سی قارئین یہیں جب خطوط میں لکھتی ہیں کہ انہیں اندرون ملک پرچہ، شمارہ نہیں ملا تو مجھے بہت حیرانی ہوتی کہ میرا تعلق ایک چھوٹے سے شہر سے ہے پھر بھی 10 تاریخ تک ہمیں بھی خواتین اور شعاع مل ہی جاتے ہیں۔

ج: پیاری میشے! ہمیں بہت سی یہیں خط لکھتی ہیں۔ وہ خط میں واضح الفاظ میں لکھتی ہیں کہ خط کا یہ حصہ شائع نہ کریں۔ ہم ان کی ہدایت کے مطابق وہ حصہ شائع نہیں کرتے ہیں۔ آپ کو لکھنا چاہیے تھا کہ یہ حصہ صرف ہمارے لیے ہے۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کو پریشانی ہوئی۔ آپ جو کچھ شیئر کرنا چاہتی ہیں ضرور کریں۔ ہم خیال رکھیں گے۔

اگست کے شمارے آپ کو نہیں ملے۔ آپ نے کس نام سے منگوائے تھے؟ ممکن ہے ایڈریس درست نہ ہو۔ ایسا کریں کہ اپنا ایڈریس بھجوادیں۔ ہم پرچے بھجوادیں گے۔

فریحہ عزیز شیخ..... کنڈیارو

کافی سال بعد خواتین میں خط لکھ رہی ہوں۔ اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ ہے مہنگائی، ڈاک کے اخراجات اور ڈائجسٹ کی روز بہ روز بڑھتی ہوئی قیمت۔ زندگی بہت فاسٹ ہو گئی ہے ایسا لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو جب میں نے چودہ سال کی عمر میں نو سال پہلے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا تھا..... آہ..... ہاں ڈائجسٹ کے ساتھ میری بہت ساری اچھی بری یادیں وابستہ ہیں۔ کیا دن تھے خواتین میں کہانیاں بھی زبردست ہوتی تھیں۔

آپ رومانس لکھوائیں جس کو پڑھ کر مزہ آ جائے۔ ہاہاہا! مجھے پتا ہے اب آپ کہیں گے ماں، بہن، بیٹیاں پڑھتی ہیں ہمارا پرچا۔ ہم کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں چھاپتے۔

ج: پیاری فریحہ! ہمیں آپ کی پریشانی کا بخوبی اندازہ بھی ہے اور احساس بھی۔ ڈائجسٹ کی قیمت ہم نے خوشی سے نہیں بڑھائی۔ آپ یاد کریں پانچ سال پہلے 2018ء میں یہ پرچا 60 روپے کا تھا۔

پھر قیمتیں بڑھنا شروع ہوئیں تب بھی ہم نے پرچے کی قیمت میں اضافہ نہیں کیا، جب یہ بوجھ ناقابل برداشت ہو گیا تب قیمت میں اضافہ کیا۔ دعا کریں کہ حالات میں بہتری آ جائے تو ہم سب سے پہلے پرچے کی قیمت میں کمی کریں گے۔

اور یہ کیا لکھ دیا آپ نے ہمیں فرق نہیں پڑے گا۔ ہمیں اپنی ساری قارئین بہت عزیز ہیں اور فریحہ عزیز بھی بہت پیاری ہیں۔

مسز طالب حسین..... سکھر

ماؤل ماشاء اللہ خوب صورت لگ رہی ہے، کپڑوں کا کلر بلکہ سوٹ ہی میرے عروسی جوڑے جیسا ہے تب ہی کہوں کچھ یاد آ رہا تھا۔ (ہاہاہا) کہنی سنی میں مدیر کا

www.pklibrary.com

حرف حرف حقیقت کی عکاسی لگا ان کا یہ جملہ کہ ''انسانوں کے درمیان بڑھتے امتیاز نے مقابلے کی جو فضا تخلیق کی ہے'' نے واقعی بہت کچھ یاد دلایا، ہم چھوٹے تھے تو سب ایک جیسے سال میں امیر غریب عید کے عید جوڑا بنواتے۔ سارا سال ہر فنکشن میں وہی جوڑا پہنے گھومتے۔ کوئی فرق ہی نہیں، کسی ایک سہیلی کی گڑیا، کھلونے سے سب کھیلتے مگر آج بچوں کو جتنا لے کر دو سب غارت۔ ان کو سائیکل لے دو تو محلے کے بچے اور اچھی لے آئیں گے۔ بڑوں کے موبائل ان کی الگ کہانی، اس دن میرے ہسبینڈ کسی کا موبائل لے آئے مجھے تو آٹھ لاکھ والے موبائل اور پچاس ہزار کے موبائل میں کوئی فرق ہی نہ دکھا۔

آتے ہیں رسالے کی طرف ''کرن کرن روشنی'' نے روشنی بکھیری۔ انشاء جی کی رامائن اور مہابھارت بہترین رہی۔ شازیہ جمال طارق کا انٹرویو پڑھا بہت اچھا لگا، ان کی شادی کے احوال سے ہم بھی دکھی ہوئے ویسے میں سوچ رہی ہوں اب میں بھی اپنا کوئی ایسا نام رکھوں جس میں ش کا حرف لازمی ہو کیونکہ رسالے میں ان کی لک زیادہ لگتی ہے اب زیادہ دور نہ جائیں کہاں کہاں ش ہے۔ شاہین، انشا، بشریٰ، حمیرا شفیع، بحرش شفقت اور بھی بہت ش ہیں (ہاہاہا) خیر یہ تو تھوڑا مذاق ہے۔ مسٹر وہاج سے ملاقات سوسو رہی، انگنا میں پھول کھلتے کھلتے رہ گئے جس گھر میں ثانیہ ہو وہاں کھلے ہوئے آنگن کو بھی آگ ہی لگتی ہے اللہ معاف کرے اتنی تخریب کار لڑکی، اسے ہیروئن تو نہیں عبرت کا نشان ہی ہونا چاہیے۔ اف ''مالا'' نمرہ جی پلیز دو ماہ آگے دکھا کر تین سال پیچھے لے جاتا۔ کہانی ایک نقطے پر ہی رکی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ ''احد'' میں صوفیہ بٹ نے چھوٹی بچیوں اور ان کے ایک رات کے نکاح اور اس ہی طرح کھیکے داروں والے قصے بیان کیے، پڑھ کر خود سے شرم آئی کہ ہم بھی اس ہی سسٹم کا حصہ ہیں اور صوفیہ جی سے گزارش پلیز مومنہ کے ساتھ کچھ برا نہ ہو۔

شازیہ جمال طارق اپنے انٹرویو کے ساتھ مکمل ناول ''دل کی دہلیز پر'' بھی لے کر آئیں۔ کہانی بہت بہت زیادہ پسند آئی۔ فرزانہ اسماعیل کی ''قصہ کچھ یوں تھا'' اسے پڑھ کر بھی پرانے لوگ یاد آئے، کہانی ویسی ہی کرنز والی تھی مگر انداز تھوڑا بدلا ہوا اور کردار تھوڑے فنی ہوں تو مزا آجاتا ہے اس میں بھی دادا دادی عمر بہت بھلے لگے۔ اچھی کہانی تھی۔ ''ایک تھا مستقیم'' بشریٰ احمد نے اچھا لکھا۔ ''زنگ'' میں رمشا روشن کچھ خاص متاثر نہ کر پائیں اینڈ کا حصہ بالکل پرائمری کے سبق جیسا لگا۔ ''خواب پرندے'' بحرش مصطفیٰ کی بہترین کاوش۔ آخر کے پیراگراف میں جو بہترین پیغام قابل ستائش ہے۔ بشریٰ رضوان کا ''باورچی خانہ'' پسند آیا۔ ہاں مگر ریسپز کچھ مختلف جیسے ان کے خاندان کی کوئی خاص ڈش جو کم لوگوں کو بنانی آئے وہ لکھ بھیجیں تو اچھا ہو۔ عدنان بھائی کے مشورے بہت اچھے ہوتے ہیں۔

ہفتے بھر سے بلی نے رولا ڈالا ہوا ہے کل بڑا بیٹا بالکل رونے کے قریب تھا۔

''مما بلی نہیں آرہی۔'' اتنی بری شکل بنائی مجھے تو غصہ ہی آگیا۔

''بیٹا تم نیو پنڈ سے شفٹ ہوئے ہو پیرس سے نہیں جو بلی کے جانے پر یوں رونے والی شکل بنا رہے ہو۔ مگر خیر ہے ہم پیرس والے ہیں بھی نہیں ہم پکے پاکستانی ہیں، میرے دیس کی دھرتی سونا اگلے، اگلے ہیرے موتی میرے دیس کی دھرتی'' جی جی ہمارے خیالات اب بھی یہی ہیں بھلے نکلا ہو نہ ہو ہمیں پھر بھی اس کے اندھیرے سے بھی پیار ہے۔

ج: مسز طالب! آپ نے ہمارے دل کی بات کہہ دی، سچ بات یہی ہے کہ پاکستان جیسا بھی ہے اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے۔ اپنے لوگ، اپنی تہذیب، اپنی زبان، دنیا میں کہیں چلے جائیں یہ سب تو نہیں ملے گا ناں۔

آپ نے اپنی تحریروں کے متعلق پوچھا ہے۔ جتنا اچھا آپ خط لکھتی ہیں اتنے اچھے افسانے بھی لکھ دیتیں تو فوراً شائع ہو جاتے۔ آپ میں صلاحیت ہے بس تھوڑی سی کسر رہ گئی۔ آپ لکھتی رہیں۔ ان شاء اللہ ایک دن آپ کی تحریریں ضرور شامل ہوں گی۔ ان کے لیے معذرت۔ نام میں ش آتا ہو یا نہ آتا ہو، اپنا کوئی نام ضرور رکھ لیں۔ صاحب کی بیگم تو آپ ہیں ہی۔

پچھلے ماہ آپ نے بہت طویل اور دلچسپ خط لکھا لیکن تاخیر سے موصول ہونے کے باعث شامل نہ کر

www.pklibrary.com

سکے۔ لیکن ہم نے آپ کا خط پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھا، خواتین سے آپ کی محبت کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

گوشی جمال..... منڈی یزمان

''ایہہ بہن! اٹھ جا۔ سویر بڑی دیر کی ہو چکی ہے۔ باہر آ کر اپنے بچوں کے کارنامے دیکھ لے۔'' گڈی آپا نے غصیلی آواز سے شازمہ آپی کو آواز لگائی جو کہ سات بجے تک نیند کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ عنایہ نے کولر کی ٹونٹی توڑ دی تھی پینے والے سارے ٹھنڈے پانی کا بہاؤ پورے صحن میں۔ ادھر انس میاں اسکول کی تیاری میں ہڑبونگ مچائے ہوئے۔ اماں حضور کمرے میں فل سپیڈ سے پنکھا چلائے مطمئن میٹھی نیند سوئی ہوئی۔

اور ان دلچسپ آوازوں نے میری حسین صبح بخیر کا آغاز کر دیا۔

بھئی کیا کریں تبصرہ کا آغاز جو ہو گیا۔ یہاں بھی بارڈر پہ فوجوں کی بوچھاڑ کو مات دینے میں تینوں آپا سرگرداں۔ سبقت لے جانے میں حال سے بے حال۔ پینے والا پانی ساتھ والے گھر سے بھرنے کی ڈیوٹی آپا شاہانہ کے سپرد، وہ سر پہ پانی کا مٹکا اٹھائے بغل میں پانی کا کولر اٹھائے اس جنگ عظیم میں اپنا پورا حصہ ڈالے کامیابی سے گامزن، میری کنپٹیاں سلگ گئیں۔

''سارے فضول کام میں کروں۔ کبھی کسی نے باتھ روم نہیں دھوئے، پانی میں بھروں۔ گڈی آپا کے ساتھ بھئی پہ روز روٹیاں پکانے کا کام ہمارے سپرد۔'' شاہانہ آپی اپنی ذمہ داریاں گنواتے اس جنگ میں مصروف۔

''ساری زندگی اس کمبخت سلائی مشین سے میری خلاصی نہ ہوئی، روٹیاں پکا پکا کر ہاتھ گھس گئے۔'' گڈی آپا اپنی داستان میں مصروف۔

''میں کون سا ویلی بہہ کے کھاتی ہوں دکان سے سارا سامان میں لاتی ہوں۔'' شازمہ اپنی آواز کا فل والیم کیے، تینوں اپنے اپنے کام بھی کیے جا رہی ہیں اور طعنہ زنی میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

''زوبی، مجھے چائے کا کپ دو۔ پی کر دکان پر جاؤں۔ ویسے ہی سارا دن گاہکوں میں تھوڑی مغز ماری ہوتی ہے۔ لہجے کی تلخی پہ کنٹرول کرتے میں نے زوبی کو مخاطب کیا اور ہاٹ پاٹ، سالن کی پلیٹ اٹھا کر چارپائی پر رکھی اور ناشتہ شروع کر دیا۔

''زوبی آپی! مجھے اپنا نیٹ والا موبائل دینا کل 6 ستمبر ہے اس حوالے سے میں نے تقریر کی تیاری کرنی ہے۔ عمائمہ نے زوبی کو ہانک لگائی۔

''بی بی نیٹ سے تقریر ڈون لوڈ کرنے کے بجائے یہ حسین منظر نوٹ فرمالو۔ سب بہت عمدہ تقریریں فرمارہی ہیں۔ جنگ عظیم سے کم نہیں یہ منظر'' زوبی کا شگاف خیز قہقہہ کچن میں گونجا۔

عمائمہ کھسیانی سی ہو کر اسکول جانے کی تیاری میں لگ گئی اتنے میں میرے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی ''وہ جی خواتین آ گیا ہے۔ آپ کے گھر سے کوئی آئے گا یا کسی سیل مین کے ہاتھ بھجوا دوں؟'' اخبار فروش امداد کی پھٹے اسپیکر کی طرح آواز گونجی۔ خوشی کی خبر سن کر میرے ہونٹوں پر تلخی کی شدت کم ہوئی۔

چائے ختم کرتے فوراً میں نے دکان کی طرف دوڑ لگا دی جو کہ دوسری گلی کی نکڑ پہ ہے۔ دس بجے اسٹیشنری والے سیل مین کو شارہ ہاتھ میں پکڑے دکان کے باہر کھڑے پایا جھٹ سے تھاما اور ورق گردانی شروع۔

شائنگ پنک کلر میں گمنام سی ماڈل (بھئی نام جو کہیں نظر نہیں آیا) ٹائٹل خوب صورت لگا۔

انٹرویو روح کو معطر کر گیا کیا سمجھے بھئی؟ جی ہاں! شازیہ جمال صاحبہ۔ تصویر ندارد۔ باتیں دلچسپ۔

سکتہ سا طاری ہو گیا۔ ''کرن کرن روشنی'' سے فیضاب ہو کر۔ بالوں کے حوالے سے حقیقت سے روشناس کرانے کا بے حد شکریہ۔ ''ہمارے نام'' میں بہت سے خطوط میں اپنا ذکر، بہت اچھا لگا۔ پسندیدگی کے لیے سب بہنوں کا شکریہ۔ عینا عمر۔ خراب دودھ کے ساتھ بہت تلخ لیکن حقیقت سے وابستہ آ گاہی۔ ''صوفیہ بٹ'' احد کو اک نئے موڑ پر لاتے ہوئے دلچسپی اور بڑھ گئی۔ ''آنگنا پھول کھلیں گے'' خزاں کا روپ دھارے ہوئے نہ جانے کیا ہونے والا؟ بے مثال رائٹر کا منہ بولتا ثبوت ''مالا'' اپنے لیے کیا گیا۔ فیصلہ زبردست۔ ''قصہ کچھ یوں تھا ٹائٹل دلچسپ، کہانی میں قدرے دلچسپی کم

www.pklibrary.com

رہی روٹین سبجیکٹ کی وجہ سے ''دل کی دہلیز پر'' کی صورت شازیہ جمال نے اپنی دھاک بٹھادی۔

دوپہر کو لنچ بریک میں گھر کا راؤنڈ لگایا۔ تو میری تینوں پیاری آپائیں روٹین کی مصروفیت میں پائی گئیں لگتا تھا جیسے صبح کچھ ہوا ہی نہیں۔ فرسٹریشن کم کرنے کے ہزار حیلے۔ بل میں تولہ بل میں ماشہ۔ کسی ٹاپک پہ سب بیٹھی قہقہے لگا رہی تھیں۔ ہاتھوں میں پکڑے چائے کے بڑے مگ۔ کیک رس ڈبوڈبو کر خوش گپیوں میں مشغول۔ آسودگی میری روح میں اتر آئی۔

ج: پیاری گوشی! آپ اپنی آپیوں کی آپس کی تکرار کی ٹینشن نہ لیا کریں۔ یہ تو گھر گھر کی کہانی ہے۔ آپ کی آپیوں نے تو زندگی کی بہت اونچ نیچ دیکھی ہے۔ اتنی تلخیوں سے گزر کر زبان میں کچھ تو تلخی آ ہی جاتی ہے۔

اور آپ صرف خط تک ہی کیوں محدود ہیں خواتین کے دوسرے سلسلوں میں بھی شرکت کریں۔

صوبیہ..... تحصیل کہروڑ پکا

کہنی سنتی اور کرن کرن روشنی سے فیض یاب ہوئے۔ خط لکھ رہے تھے بھانجیوں نے دیکھا ہم خط لکھ رہے ہیں۔ آدھا درجن بھانجیاں ہیں ہماری اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ہماری آنٹی خط لکھ رہی ہیں شام میں آپا پہنچ گئیں۔ کس کو خط لکھ رہی تھیں؟ ہم ہکا بکا۔

''اپنے پیارے خواتین کو لکھ رہے ہیں اور کس کو لکھنا ہے۔'' ہماری واحد تفریح یہ خواتین ہی ہے جیسے ملا کی دوڑ مسجد آپ کو تو پتا ہے گاؤں کی زندگی کتنی مشکل ہوتی ہے ہر کام خود کرنا پڑتا ہے۔

اس بار مالا پڑھتے ہوئے مزا نہیں آیا ادھر شروع کیا اور ادھر ختم۔ یہ کیا سرکار کم بخت ادھر بھی پہنچ گیا؟ کیا اس کا موکل اتنے تیز ہیں مالا کو ڈھونڈ لیا۔

صوفیہ بٹ کی احد کی تعریف نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ رحیمہ احمد کا کردار ہمیں بہت پسند ہے سادہ اور ہر کسی کے لیے مخلص کہاں سے ڈھونڈتی ہیں آپ ایسے کردار اور یہ جو مومنہ ہے ناں نک چڑھی صرف اپنے بارے میں سوچتی ہے نری ناشکری، ہمایوں سب کا خیال کرنے والا مومنہ کو آپ خود ہی سمجھا دیں، احتل ہمیں امر کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ امر مسلمان نہیں ہے ہماری خواہش ہے کہ وہ جلدی مسلمان ہو جائے اور بھاگن کو پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ ہمارے معاشرے میں غریب کو انصاف نہیں ملتا۔ لیکن یہ تو ہماری اپنی دنیا ہے ادھر تو آپ بھاگن انصاف دلا سکتی ہیں صوفیہ جی..... اور پیاری گوشی ہماری معصومانہ سی خواہش تھی کہ آپ سے ملتے۔ آپ نے کہا تھا آپ ادارے کے نمبر پر واٹس ایپ کر دیں گی۔ مگر ابھی تک نہیں کیا جنرل اسٹور کے فریزر کی چابی دے دو ہم نے آئسکریم چوری کرنی ہے جو آپ اتنا سوچ رہی ہیں، نبیلہ عزیز صاحبہ کہاں ہیں ارے بھی بھولے سے ہمیں بھی یاد کر لیا کریں سلسلے وار نہ سہی شرارت جیسا ہی ناول لکھ دیں اور کنیز نبوی اور نایاب جیلانی کو بھی بہت مس کر رہے ہیں ان کو بھی ڈھونڈ نکالیے ناں۔

ج: پیاری صوبیہ! کس نے کہا آپ پڑھی لکھی نہیں ہیں۔ آپ نے جو کچھ پڑھا ہے، اس سے بہت کچھ سیکھا بھی ہے۔ اور آپ کے خط سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ویسے خداداد صلاحیت بھی ہوتی ہے اور آپ میں یہ صلاحیت ہے۔ بہت بے ساختہ خط لکھا ہے۔ بہت صحیح اور جامع تبصرہ کیا ہے لکھائی بھی بہت اچھی ہے۔

اپنی بھابھی کو ہماری طرف سے سلام کہہ دیں۔

عینا عمر..... کیاڑی

تبصرہ کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے چھلانگ لگائی مالا پر اور یہ کیا نمرہ نے تو ہم سے بھی بڑی چھلانگ لگادی بلکہ دھماکے کر دیے۔ نمرہ جی کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی ہیں۔

پھر دوڑ لگائی انگنا پھول کھلیں گے کی طرف، ابھی رشتہ ہوا ابھی ٹوٹ گیا۔ ابھی منگنی ہوئی۔ ابھی ٹوٹ گئی پھر منگنی ہوئی پھر ٹوٹ گئی اور اب تو خیر سے نکاح بھی ہو گیا۔ ثانیہ کی بے غیرتی کو سلام ہے۔ محبت کے لیے عزت داؤ پر لگادی اور عبید کی عقل کو اس سے زیادہ سلام ہے جسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔ اگر یہی کام ارم کرتی تو! پھر بھاگ کر احد تک پہنچے۔ صوفی جی نے بھی کمال کا لکھا ہے اور مجھے تو سب سے زیادہ ہمایوں کا کردار پسند ہے (احتل اور اسود) جلد یش مرے گا تب ہی یہ دونوں مل سکیں گے اس کی

www.pklibrary.com

زندگی میں تو ممکن نہیں ہے۔

تینوں ناول پڑھ کر اب ذرا سانس لیا ہے اور اب آرام سے ڈائجسٹ کھولا۔

کہنی سنی، کرن کرن روشنی سے دل کو منور کیا ویسے حیرت کی بات ہے نقلی بال لگانا اور بھنوؤں کو بنانا کتنا سخت گناہ ہے اور سب سے زیادہ مسلمان ہی یہ گناہ کرتے ہیں اللہ پناہ دے۔ شازیہ جمال طارق سے ملاقات کروا کے آپ نے دل خوش کر دیا۔ "ایک تھا مستقیم" بانیہ بچاری پر بڑا ترس آیا۔ بشریٰ جی آپ کی کہانی بہت اچھی لگی۔ خراب دودھ بیچنا عمر زبردست، کیا بات ہے۔ اضافی خرچ لبنیٰ جی نے بڑے اچھے مشورے دیے۔ دل کی دہلیز پر شمارے کی جان تھا۔ زنگ اور تدبیر بھی اچھی تحریریں تھیں۔ خوب پرندے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ "قصہ کچھ یوں تھا" بس ٹھیک تھی اور ہاں سرورق تو یاد ہی نہیں تھا مجھے گلابی کپڑوں میں گلابی سی ماڈل بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ ہمارے نام میں بڑے شوق سے پڑھتی ہوں ایک انجانا سا تعلق سب بہنوں کے ساتھ جڑ گیا ہے۔ گوشی جی کا خط پڑھ کر ان کی بہن کی طلاق کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔

آپ کا باورچی خانہ بھی بہت اچھا لگا۔

خاتون کی ڈائری سے آمنہ زاہد کی پسند یہ محسن نقوی کی غزل سیدھا دل میں اتر گئی زبردست اگست کے شمارے میں گوشی نے 14 اگست کا اپنے بچپن کا ماحول لکھا تھا بڑا اچھا لگا پڑھ کر، مجھے بھی اپنا بچپن یاد آ گیا اتنی خوب صورت یاد کیسے بھول سکتی ہوں 6 ستمبر کا دن ستمبر کا مہینہ ہے تو اب میری بھی سنیے!! میں مسرور بیس میں پیدا ہوئی، بچپن لڑکپن وہیں گزرا، 6 ستمبر کا دن ہمارے مسرور بیس میں بہت جوش وخروش سے منایا جاتا تھا اس دن حساس ایریا جہاں عام دنوں میں محاورتاً (نہیں بلکہ حقیقتاً) پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا وہ ایریا کھول دیا جاتا تھا۔ رن وے جہاں سے جنگی جہاز اڑتے تھے اور معمول کی ٹریننگ کرتے تھے وہاں سڑک کے دونوں طرف اسٹال لگا دیے جاتے تھے طویل اور چوڑا رن وے ایک گیٹ سے لے کر دوسرے گیٹ تک اسٹال پر مبنی جہاز، بم، ٹینک اور فوجیوں کی استعمال کی بے شمار چیزیں سجائی ہوتی تھیں ان کے سامنے فوجی کھڑے ہوتے تھے جو لوگوں کو ان اشیا کے بارے میں بتاتے تھے شہیدوں اور غازیوں کی یادگار چیزیں بھی ان میں ہوتی تھیں۔ کھانے پینے کے اسٹال بھی ہوتے تھے اور ہر دوسرے اسٹال پر ملی نغمے لگے ہوتے تھے فل والیوم بسیں بھر بھر کر لوگ آتے تھے ہر چہرے پر خوشی اور مسرت ہوتی تھی جگہ جگہ ٹولیوں میں گھومتے ہوئے لوگ جو کھا پی رہے ہوتے گپیں لگا رہے ہوتے اور پائلٹ کے ساتھ باتیں کر رہے ہوتے۔ جی بالکل اصلی والے پائلٹ، لوگ ان سے آٹوگراف لیتے ہنسی مذاق کرتے اور وہ پائلٹ کہتے یہ میں ابھی جاؤں گا اور یہ جو سامنے جہاز کھڑا ہے اسے اڑاؤں گا اور وہ بھاگتا ہوا جاتا باؤنڈری وال پار کرتا اور یہ جہاز کے پاس اور یہ ایک پاؤں سیڑھی پر اور یہ دوسرا پاؤں بھی سیڑھی پر اب جہاز کے اوپر سیٹ پر بیٹھ گیا ہیلمیٹ پہنا شیشہ بند اور ہم سب دل پر ہاتھ رکھے دیکھ رہے ہوتے اگلے ہی پل جہاز حرکت کرتا اور اڑنے لگ جاتا۔ جہاز کو دائیں سے بائیں تین چار چکر دے کر وہ زمین پر آ جاتا شیشہ کھول کر جمپ لگا کر نیچے اترتا اور واپس آ کر پھر سے لوگوں میں گھل مل جاتا آٹوگراف دیتا۔ اب تو خواب وخیال لگتا ہے یہ سب کچھ۔ ملک کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں ستمبر کا دن منانا بھی بند ہو گیا۔ ایک ذرا سی یاد نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ج: پیاری بہنا...... آپ کے خط نے بہت سی باتیں یاد دلا دیں۔ جب دلوں میں نفرتیں نہیں محبتیں تھیں۔ اب تو سب ہی کچھ بدل گیا ہے۔ نہ وہ عقیدت رہی نہ محبت، جب نفرت بوئیں گے تو نفرت ہی کاٹیں گے۔ تعصب کی آندھی ایسی چلی کہ سب ہی کچھ اڑا کر لے گئی۔

ام ہادیہ...... لاہور

اگست کے شمارے میں میرا خط نہیں چھپا تھوڑا دکھ ہوا میں نے بڑی مشکل سے خط پوسٹ کروایا تھا۔

ہمیشہ کی طرح زبردست شمارہ۔ کرن کرن روشنی پڑھ کر ہوش ٹھکانے آ جاتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ جو چیزیں منع کی گئی ہیں، ہم ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتے۔ تبصرہ سب کا بہت اچھا تھا گوشی جی مجھے بہت دکھ ہوا چھوٹی آپا اور بڑی آپا کے بارے میں جان کر اللہ ان کو ہمت

www.pklibrary.com

دے، انشا جی کو پڑھ کر مزہ آگیا، وہاج علی میرے بہت فیورٹ ہیں ان سے ملاقات بہت پسند آئی، انگنا پھول کھلیں گے پلیز پلیز راحت جبیں صاحبہ عبید کو کچھ مت کیجیے گا۔ حنا کا موسٹ فیورٹ مالا بہت زبردست۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے احد بہت انٹرسٹنگ ہو گیا ہے مجھے دکھ ہو رہا ہے اسود کے لیے، اب اس کا کیا ہو گا صوفیہ بٹ صاحبہ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں ایک تھا مستقیم پڑھ کر خوب ہنسی آئی، پوچھیں کیوں تو جناب ہمارے والے بھی کچھ ایسے ہی ہیں ہاہاہا اور یہ جو تدبیر میں محترمہ نے جو شوہر کی محبوبہ کی ٹھکائی مزہ آگیا۔ آج کل کوئی مار کھاتی نہیں ہے بلکہ بیوی ہی کو پٹواتی ہے، خواب پرندے سے بہت سبق آموز تھا۔

ج: پیاری ام ہادیہ! ہمیں افسوس ہے کہ اگست کے شمارے میں آپ کا خط شامل نہ ہو سکا۔ ہمیں احساس ہے کہ خط لکھ کر اسے پوسٹ کرانے میں ہماری قارئین کو کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی لیے ہم کوشش کرتے ہیں کہ ایڈٹ کر کے زیادہ سے زیادہ خط شامل کر لیے جائیں۔ تبصرہ جامع اور خوب صورت ہے۔ بہت شکریہ۔

عدینہ لغاری...... جمیو سندھ

کہنی ستی لاجواب۔ کرن کرن روشنی آگاہی کا راستہ، انشا جی سے ملاقات اچھی ہوتی ہے۔ شازیہ جمال سے ملاقات خوب رہی۔ حادثے کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ شکریہ شاہین آپا ہماری پسندیدہ رائٹر سے ملوانے کا۔ "ہمارے نام" یہ سلسلہ ویسے دل کے بہت قریب ہے۔ گوشی جمال کا خط نہیں ایک داستان ہوتی ہے، پڑھ کر مزہ آتا ہے رمشا اور زینت نور بھی آ ہی گئیں۔ اچھا لگا۔ اتنا بتادیں "صوفیہ بٹ" "سندھی" ہیں تینوں ناول اپنی جگہ لاجواب ہے۔ خاتون کی ڈائری میں شاعری بھیجوں آپ شامل کریں گی۔ رنگارنگ پھول یہ سلسلہ بھی بہت خوب صورت ہے۔

ج: پیاری عدینہ! خواتین کی پسندیدگی کا جان کر خوشی ہوئی۔ آپ کی تعریف متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔ صوفیہ بٹ کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ ان کا تعلق کہاں سے ہے۔

زینب نور...... جہانیاں

امر اور رام دونوں ایک ہی شخصیت ہیں، ہم شروع سے جانتے تھے۔ اگر احد کو رام سے محبت ہے تو رام مسلمان ہو جائے گا۔ رام مسلمان ہو جائے، اسود کا دکھ ہم جھیل لیں گے۔ مہرتاب کچھ ایسی بھی بری نہیں۔ دیکھا۔ ہم نہ کہتے تھے، مومنہ، ہمایوں کو پسند کرتی ہے۔

اس کے بعد راحت جبیں نے آواز دی۔ سب سے خوب صورت کردار اس میں وسیم کا ہے۔ اس کے بعد ارم کا۔ نمرہ احمد کی "مالا" آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔ اس کہانی کا تو کچھ پتا نہیں چلتا۔ جتنا مرضی اندازہ لگالو، حتمی نتائج اس سے مختلف ہی ہوتے ہیں۔

"ایک راہ چنی ہے" ثناء اور حبیب...... اپنی اپنی محرومیوں کے ساتھ جی رہے تھے۔ مگر دونوں کی محرومیوں نے دونوں کو الگ الگ راہ دکھائی، آسیہ رئیس کا انداز، مکالمے سب سپرڈوپر ہوتا ہے۔ راشدہ رفعت کی "گوہر اور مقصود" بہترین تحریر تھی۔

گوہر، ہوضا، سین...... مطلب...... میں، فرید بھائی اور سدرہ (بھابھی) بیچ میں بالکل ہمارے جیسے ہیں یہ تینوں کردار، کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ سوائے بھائی کی پسند پہ امی کو راضی کرنے کے۔ یعنی یہ کام ہم نے نہیں کیا۔ ہاں بھابھی کی امی یعنی چاچی کو ضرور کیا۔ سدرہ خالصتاً امی کی پسند ہے۔

گوہر کا پڑھانے کا انداز بھی مجھ سے ملتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ اسکول میں پڑھاتی ہے اور میں مدرسے میں۔

سین کا کردار بالکل ہماری سدرہ جیسا ہے۔ آج کل سدرہ جیسی بھابھیاں شاید صرف کہانی ڈراموں میں ہی رہ گئی ہیں۔ (ہماری جیسی نندیں اور امی جیسی ساس بھی...... آہم...... جی بالکل)

سارا دن آپی کے بچوں کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ ہم سب مل کر ہنسی مذاق کر رہے ہوتے ہیں تو ذرا بھی فیل نہیں ہوتا کہ ہمارے درمیان ایک عدد مخلوق "بھابھی" بھی ہے۔ امی بھی خصوصی محبت اور توجہ دیتی ہیں۔ اپنی بہو کا خوب خیال رکھتی ہیں۔ بدلے میں وہ بھی امی کو ماؤں والا ہی مان دیتی ہے۔ میری اور سدرہ کی صرف کام کی وجہ سے لڑائی ہوتی ہے۔ ارے...... آپ غلط سمجھے...... ایسے نہیں...... ہر اضافی کام کے لیے ہماری کوشش ہوتی ہے

www.pklibrary.com

کہ "یہ کام میں کروں گی" تب وہ مجھے دھکے دے کر بھگانے کی کرتی ہے اور میں اسے دھمکیاں دیتی ہوں کہ ہٹ جاؤ، میں کر رہی ہوں۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

میں مشہور ہوں کہ ڈھیٹ ہڈی ہوں۔ نزلہ زکام، بخار سر درد، کہیں کوئی چوٹ وغیرہ لگی ہے اور کام کرنے میں دقت ہے۔ میں پھر بھی کام کرتی پھرتی رہتی ہوں۔ اس بات پہ امی اور سدرہ بطور خاص ڈانٹتی ہیں مجھے، کھانا کم کیوں کھایا، کمزور ہوگئی ہو، یعنی میرے معاملے میں وہ امی کی ہم نوا ہوئی ہے۔ میرا اور سدرہ کا جو تعلق ہے، اس کے لیے بھائی کہتے ہیں۔ "صرف شادی ہی مجھ سے ہوئی ورنہ لگتا ہے تم اس گھر میں آئی زینب کے لیے ہو۔"

چھوٹے بھائی نے گفٹ میں فوٹو فریم دیا۔ اور بھائی بھابھی کو کہا کہ فریم کے لیے ایک اچھی سی پک ہی بنالیں۔ بھائی سدرہ کو کہتے، جاؤ زینب کے کندھے پہ ہاتھ رکھو، تمہاری تصویر بناتا ہوں، وہ لگالینا فریم میں۔

بات کرتے کرتے بہت دور تک نکل گئی میں۔

ماریہ غزال کا قلم بھی خوب رواں رہا۔ افسانے ابھی پڑھے نہیں گئے۔

گڑیا راجپوت، ڈاکٹر فریال، فائزہ بھٹی اور کوثر خالد کہاں ہیں؟

ج: پیاری زینب! اپنے بھائی پہ رحم کریں، اس بے چارے کا بنی مون پریڈ کیوں تباہ کرنے پر تلی ہیں اور سدرہ کو بھی ڈانٹ پلا کر یاد دلائیں کہ اس کی شادی آپ کے بھیا سے ہو چکی ہے۔

اور ہاں سدرہ کو کام سے نہ روکیں۔ اسے کام کرنے دیں، آپ اپنا کام کریں۔ آپ کے کرنے کے بہت کام ہیں۔ وہ کریں ہر ماہ ہمیں خط لکھنے کا کام ہی کم نہیں، افسانہ یا ناولٹ بھی لکھیں۔ زینب آپ دیہاتی پس منظر میں کہانیاں لکھیں۔ ہمارے ہاں شہری پس منظر میں تو بہت سی کہانیاں لکھی جارہی ہیں لیکن دیہاتی پس منظر میں بہت کم ہیں۔

ناہید اسماعیل..... کراچی

نائٹل اکثر اچھا ہی ہوتا ہے مگر کافی عرصہ بعد ایسا نائٹل دیکھنے کو ملا جس میں کوئی بھی کمی یا زیادتی نہیں بلکہ بے حد مکمل اور خوب صورت ہے۔ موجودہ حالات کے حوالے سے کہنی سنی کی بچی بچی باتیں دل کو لگیں۔

انگنا پھول کھلیں گے۔ آخری سین پر جو ہوا اس نے تو ہماری سانسیں ہی روک دیں (ارے بھئی بطور محاورہ) راحت جی عبید کو کچھ نہ ہونے دیجیے گا۔ ہاں ثانیہ کی حرکتیں اور جوابی عقل اور تدبیر پر غرور ہے اسے سیق ملتا بنتا ہے۔ مالا میں ویل ڈن نمرہ ویل ڈن۔ "احد" آہستہ روی سے اپنی پرتیں کھول رہا ہے۔

دل کی دہلیز پر بہت اچھی تحریر تھی۔ شازیہ جمال آپ چھا گئی ہیں۔ فرزانہ اسماعیل کا ناولٹ گو پرانا تھا لیکن بہت اچھا تھا۔ اب کہاں ہیں انہیں ڈھونڈ کر کوئی نیا ناول لکھوائیں فریدہ اشفاق نے بھی بالکل ہی لکھنا چھوڑ دیا افشاں آفریدی کے انٹرویو کے بعد ہم سمجھے تھے کہ وہ کچھ لکھیں گی لیکن وہ بھی..... سمیرا حمید کی بہت یاد آرہی ہے پلیز ان کی خیریت بتادیں۔

ایک تھا مستقیم پڑھ کر مزہ آگیا، واہ بشریٰ احمد! آپ کمال کا ناٹک لائیں۔ رمشا روشن کا مختصر افسانہ اچھا لگا سائرہ خالہ فطرتاً اچھی خاتون تھیں سوکنزہ کے توجہ دلانے پر ان میں احساس جاگ گیا۔ عینا عمر کے افسانے میں بیوی کو اس طرح سب کے سامنے ڈانٹنا قابل تعریف بات نہیں۔ حمیرا شفیع نے خوب ہنسایا۔ رقیہ کی قسمت اچھی تھی جو شمو نے خود ہی راہ بدل لی ورنہ تدبیر الٹی بھی پڑ سکتی تھی۔ حمیرا نے بہت اچھا لکھا۔ خواب پرندے میں کہانی نہیں تھی مگر انداز تحریر بہتر اور اختتامی سطور اچھی لگیں۔

شازیہ جمال طارق سے ملاقات بے حد اچھی لگی۔ عمرانہ بٹ کی ڈائری پسند آئی۔ ارم کمال، حمدہ خان اور سعدیہ مصطفیٰ کے اشعار لاجواب تھے۔ نفسیاتی الجھنیں میں دونوں بہنوں کے حق میں آسانی کی دعا اللہ قبول فرمائے آمین۔ ثمینہ اکرم صاحبہ کو پرنسپل کی سیٹ مبارک، کوثر خالد صاحبہ کی بہو نے بھی تجھ سے ناتا میں شرکت کی تھی وہ یقیناً رسالہ پڑھتی ہوں گی وہ ہی ان کی خیریت بتادیں۔

ج: پیاری ناہید! تبصرہ جامع اور مکمل ہے ہمیشہ کی طرح۔ حمیرا شفیع کے بارے میں آپ نے درست لکھا ہے۔ اس طرح کی تدبیریں اکثر الٹی ہی پڑتی ہیں۔

www.pklibrary.com

ایسی کئی مثالیں ہماری نظر میں ہیں۔ فرزانہ اسماعیل کا ناول پرانا نہیں تھا۔ انہوں نے نیا ناول بھجوایا ہے۔

نوشی معل.....جلال پور بھٹیاں

سرورق پر بیٹھی ماڈل کا لپ کلر اور آئی لینز پسند آئے۔ ارے یہ کیا ثانیہ نے تو کایا ہی پلٹ دی۔ یقین کامل اللہ پر یقین۔ دل انمول ہاہاہا عاشی لے لیا سواد شادی کا۔ گوہر اور مقصود ماشاء اللہ بھائی ہو تو رضا جیسا۔ اِک راہ چنی ہے بھی اچھا ناول تھا۔ نفسیاتی الجھنیں پڑھ کر تو ہماری آدھی مشکلات کا حل نکل آتا ہے۔ ماشاء اللہ عدنان بھائی ایسے ہی لکھتے ہیں۔

ج: پیاری نوشی تاخیر سے موصول ہونے کے باعث آپ کا خط ستمبر کے شمارے میں شامل نہ کر سکے۔ آپ کا اگست کے شمارے پر تبصرہ اس ماہ شامل ہے۔

نصرت زاہد.....لاہور

کھوئی کھوئی سی آنکھوں والی خوب صورت حسینہ پہ گلابی رنگ خوب جچ رہا تھا۔ کرن کرن روشنی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ صدیوں پہلے جن کاموں کو کرنے سے منع فرمایا گیا تھا وہ سب آج کل جدید فیشن کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ شازیہ جمال طارق کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ پریوں جیسی حسین اور قابل رائٹر فرحانہ ناز آج بھی ہماری یادوں میں بستی ہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے، آمین۔ آگے بڑھے، وہاج علی موصوف آج کل کافی پسندیدہ شخصیت بنے ہوئے ہیں۔ میں ٹی وی نہیں دیکھتی۔ لیکن ان کا ذکر بہت سنا ہے، انٹرویو اچھا تھا۔ انگنا پھول کھلیں گے، پچھلے دو ماہ میں سادہ سی تحریر سے خاص ہو گئی ہے۔

بشریٰ احمد! کیا کمال اسٹوری لکھی ہے آپ نے۔'' دل سے پسند آئی اور بھولے بچن کو سدھارنے کا پروگرام اور ٹیوننگ کا پڑھ کے تو لطف آ گیا۔

''قصہ کچھ یوں تھا'' میں دادا، دادی نے محبت کی کڑیوں سے رشتوں کو جوڑ رکھا تھا خولہ کا کردار بہت اچھا تھا لیکن کچھ زیادہ ہی بے خبر دکھائی گئی۔

عینا عمر نے اچھا لکھا۔ اس بار احد کی قسط بہت اچھی تھی۔ چوہدری ہاؤس کی لڑکیوں کی باتیں اور حرکتیں سالوں پیچھے مجھے شادی سے پہلے اپنے ابو جی کے گھر کی یاد دلاتی ہیں۔ ہم پانچ بہنیں، دو بھابھیاں، اور ایک ماموں زاد بہن۔ گھر بھرا ہوتا تھا لڑکیوں سے'' گیراج میں بطور خاص لڑکیوں کے لیے پینگ لگوائی گئی تھی۔ بارش میں ایک پینگ جھولتی۔ دوسری کمرے دھکا لگا کر جھولا دیتی۔ باقی سب صحن میں چھت کو جاتی سیڑھیوں پر بیٹھی بارش میں نہاتیں اور اپنی باری کا انتظار کرتیں۔ امی جی کچن میں مزے مزے کے پکوان پکاتیں۔ اور لڑکیوں کے زیادہ شور کرنے پر ایک دو بار ڈانٹ بھی جاتیں۔ سچی بات کہوں۔ تو گھر میں رونق بیٹیوں سے ہی ہوتی ہے۔ شازیہ جمال طارق نے بہترین تحریر لکھی۔ اضافی خرچ پڑھ کے میں نے بھی ایک بار اپنے بجٹ کو چیک ضرور کیا۔ اچھی بات پر غور ضرور کرنا چاہیے۔ مالا ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ تدبیر میں رقیہ نے شمو کی مرمت کر ڈالی۔ صد شکر کہ اس تدبیر کہیں الٹی نہیں پڑ گئی۔ باقی کوئی بہن اس کی تدبیر کو آزمانے سے پہلے اس کے سائیڈ افیکٹ پر غور ضرور کر لے۔ خواب پرندے، سحرش مصطفیٰ نے ایک اچھوتے موضوع پر لکھا گڈ ورک۔

ج: پیاری نصرت بہت اچھا خط لکھا آپ نے اور بالکل صحیح تبصرہ کیا ہے۔ خاص طور پر افسانہ تدبیر کے بارے میں۔ بلکہ ہم تو یہی مشورہ دیں گے کہ کوئی بھی خاتون یہ غلطی نہ کریں۔ ہمارے علم میں اسی طرح کا ایک واقعہ ہے۔ محترمہ نے چوری چھپے شادی شدہ مرد سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جب بیوی کو پتا چلا تو وہ جا کر گرجی برسی محترمہ بہت چالاک اور مکار تھیں انہوں نے خوب رونا دھونا مچایا۔ اپنی رسوائی اور بدنامی کا رونا رویا بزدلی کا طعنہ دیا شوہر صاحب غیرت میں آئے اور پہلے جو کچھ چوری چھپے ہو رہا تھا۔ وہ کھلم کھلا سامنے آ گیا اور دوسری شادی کر لی۔ اور پھر وہ دن بھی آیا کہ شوہر نے اپنی پہلی بیوی کو گھر سے نکال کر گھر، کاروبار سب کچھ دوسری بیوی کے نام کر دیا۔ اگر ایسے حالات ہوں تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ بہتر یہی ہے کہ خاموشی اختیار کریں۔

☆☆

www.pklibrary.com

راحت جبیں

آنگنا پھول کھلیں گے

ارم کو ثانیہ کی دراز میں وہی لاکٹ نظر آتا ہے، جو اس کے بھائی عبید نے اسے اپنے لیے خریدنے کا مشورہ دیا تھا۔ واپسی پر اس کو وہ سیم ملتا ہے جس کی نگاہوں میں ارم کے لیے محبت تھی۔

ارم، ثانیہ سے اسی لاکٹ کے بابت دریافت کرتی ہے ثانیہ چڑ جاتی ہے اور عبید کو لاکٹ واپس کر دیتی ہے۔ ارم عبید کو فون پر کسی سے باتیں کرتا سن کر اسے چڑاتی ہے اور اس لڑکی کا نام جاننا چاہتی ہے، جسے عبید اس کی بھابھی بنانا چاہتا ہے۔

نادرہ کی کمیٹی نکلتی ہے وہ بہت خوش ہے کہ آصفہ آجاتی ہے اور اپنے خراب فریج کا رونا روتی ہے۔ شبیر نادرہ کو ڈانٹ ڈپٹ کر پیسے دینے پر راضی کر لیتا ہے۔ وہ پیسے آصفہ کو دیتا ہے کہ عین وقت پر ثانیہ وہ روپے اپنا حق جتاتے پکڑ لیتی ہے اس پر ایک جھگڑا کھڑا ہوتا ہے شبیر اس کو تھپڑ مارتا ہے۔ آصفہ ناراض ہو کر چلی جاتی ہے۔ گھر جا کر وہ خوب ڈرامہ کرتی ہے۔ سہیل ماں کی بے عزتی پر آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور اپنی ماں کے علاوہ رابعہ کا بھی مکان سے حصہ مانگنے کا عندیہ دیتا ہے۔

ثانیہ بہت دکھی ہے عبید اسے جلد ہی اپنا بنانے کا وعدہ کرتا ہے اور اسے آصفہ سے معافی مانگنے کا کہتا ہے۔ آسیہ نے عبید کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے۔

ثانیہ معافی مانگنے پھوپھو کے گھر پہنچ جاتی ہے۔ شبیر فریج لے کر بہن کے گھر آتا ہے۔ ثانیہ کے معافی مانگنے پر فرخ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ عبید اس سے منگنی کرنا چاہتا ہے۔

www.pklibrary.com

گیارہویں قسط

ثانیہ کے قدم دروازے کے پاس منجمد ہوئے......
آواز تھی، گولی کی آواز......
اس کا دل کانپا اور اتھاہ گہرائی میں ڈوب گیا۔
دروازے میں کھڑی خواتین میں بھگدڑ مچ گئی......سب کی سب اندر کی طرف لپکیں اور ثانیہ باہر کی طرف......
وہ جانتی تھی......کہ گولی کس نے چلائی ہوگی اور کس پر؟
وہ بھول گئی تھی، خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا بھی مانگی جاتی ہے......
جوڑ جائیں تو فخر و غرور نہیں شکرانہ ادا کرتے ہیں۔
نہ جانے کس نے باہر کی طرف بھاگتی دلہن کا بازو پکڑ کر کھینچا......
وہ بس اتنا ہی دیکھ سکی......مردوں نے زخمی کو گھیر لیا تھا......اور عورتوں کو اندر جانے کا کہہ رہے تھے......عورتیں بڑے بڑے کمروں میں گھس رہی تھیں کچھ عورتیں دلہن کو واپس کھینچ رہی تھیں، دلہن خود کو چھڑا رہی تھی۔
ابھی تو وصل باقی تھا......شام ہجر کہاں سے آ ٹپکی......
ابھی تو خوشیوں کا پہلا تارہ طلوع ہوا تھا۔
اماوس کہاں سے مقدر ہو گئی......
ساری دنیا سے لڑ کر بدنامی کا داغ ماتھے پر لگائے دلہن کی منہ دکھائی باقی تھی......تو کیا کچھ منہ دکھائی میں بیوگی ملنے والی تھی۔
سہاگن سے ابھاگن تک کا سفر اتنی اچانک اور اتنی جلدی......ثانیہ کی نظریں مردوں کے ہجوم پر تھیں اور

www.pklibrary.com

بازو عورتوں کی گرفت میں..... ہجوم جو اسے کچھ بھی دیکھنے نہ دیتا تھا۔
کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا.....
''گاڑی لے کر آؤ..... خون بہت بہہ رہا ہے.....''
وہ بہت ہمت والی تھی..... مگر اس وقت ہمت ہار کر سب کے ہاتھوں سے پھسلتی چلی گئی۔

☆☆☆

قبرستان کی گھنی خاموشی میں کبھی کبھار کوئی سسکی ٹوٹ کر بکھر جاتی۔
وہ کب سے سر جھکائے ایک قبر کے کنارے بیٹھا تھا..... قبر جو تازہ سرخ پھولوں سے ڈھکی تھی..... کتبے پر لکھا نام پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا..... نام جوان کے دل پر لکھا تھا۔
''یار! کوئی اس طرح اور اس عمر میں بھی چھوڑ کر جاتا ہے..... ابھی تو.....'' حلق میں جیسے کچھ اٹک سا گیا تھا۔
''ابھی تو تمہارے جینے کے دن تھے یار! ابھی سے منہ موڑ لیا.....'' اس نے بہت پیار سے قبر پر رکھے پھولوں کو چھوا۔
''لیکن اچھا ہوا، تم مر گئے..... کسی کی بے وفائی دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہے..... ہاں..... وہ جو کہتی تھی..... تمہارے لیے جیتی ہوں..... تمہارے ساتھ مروں گی..... وہ چار دن بھی تمہارے نام پر بیٹھی نہ رہ سکی..... نئی دنیا بسانے کسی اور کے ساتھ چلی گئی..... میں کہتا تھا کہ اتنی جان نہ دو اس پر، لڑکیاں بے وفا ہوتی ہیں۔ تم سنتے ہی نہیں تھے.....'' اس نے سر اٹھا کر کتبے کو دیکھا۔
''لیکن میں یہاں ہوں تمہارے پاس..... میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک زندہ ہوں۔ تمہارے پاس آؤں گا..... مر گیا تو یہیں تمہارے پاس ہی دفن ہو جاؤں گا۔ لیکن ایک وعدہ ہے تم سے.....''
اس کے چہرے کے تاثرات پتھریلے پن میں بدل گئے.....
''اسے چین لینے نہیں دوں گا جس نے تم سے بے وفائی کی.....'' قبرستان کی پرسکون خاموشی میں وحشت سی گھل گئی.....

☆☆☆

آصفہ سر پر پٹی باندھے انوانٹی کھٹوانٹی لیے پڑی تھیں..... سب کچھ تتر بتر ہو گیا۔ نہ فرخ کے ہاتھ ثانیہ آئی..... الٹا سہیل ہاتھوں سے نکل گیا..... بھائی، ماں، میکہ الگ چھوٹ گیا..... خدمت گزار بھیجی پلس بہو بھی یاد آ رہی تھی..... کچھ دن نہیں جاتے تھے پوتوں کی کلکاریوں سے آنگن جھوم اٹھتا.....
''تیرا بیڑا اتر جائے۔ مجھے کسی جوگا نہیں چھوڑا..... محلے میں بدنامی، رسوائی الگ ہوئی.....'' دل سے حزن وملال نہ جاتا تھا۔
دروازہ دھاڑ سے کھلا۔ آصفہ کا سارا وجود کانپ کانپ گیا.....
''اب کیا میری جان لے گا.....''
اڑی رنگت۔ جو اس باختہ چہرہ..... وحشت بھری آنکھیں۔ پسینہ پسینہ وجود.....
''کیا ہوا؟.....''
''میں..... میں ایسا نہیں چاہتا تھا.....'' فرخ نے وحشت زدہ نگاہوں سے اپنے چھپنے کے لیے جگہ تلاشی۔
''فرخ.....'' آصفہ تیزی سے اٹھیں.....
''میں نے نہیں کیا۔ اللہ کی قسم غلطی سے ہو گیا.....''

www.pklibrary.com

''کیا غلطی سے ہوگیا..... کیا کر کے آئے ہو.....؟'' آصفہ نے اس کا بازو دبوچا۔ فرخ نے بے بسی سے ماں کا چہرہ دیکھا.....

''گولی ماردی۔ میں نے.....''

''ہائے میں مر گئی.....'' آصفہ دہل گئیں..... ''کس کو ماردیا۔ ثانیہ یا عبید کو؟'' انہوں نے فرخ کا بازو جھنجھوڑا.....

''س..... سہیل بھائی کو.....''

آصفہ کو دھچکا لگا..... اتنا شدید کہ انہیں لگا، وہ منہ کے بل گر گئیں۔

''میں نے یہ نہیں سوچا تھا..... میں نے تو عبید کو.....'' وہ بے وقوفوں کی طرح بڑبڑا رہا تھا۔ آصفہ نے دو ہتڑ مار مار اسے پیٹ ڈالا..... چیختی چلاتی وہ باہر بھاگیں۔

اندازہ بھی نہ ہوا کہ ننگے پیر، ننگے سر ہیں۔

☆☆☆

اندھیرے میں ہلکی سی کرن جگمگائی..... جیسے کسی نے تاریک کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور روشنی کی ہلکی سی لکیر کمرے میں در آئی ہو۔

اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

پھر ایک دم آنکھیں کھلیں تو وہ لرز کر سیدھی ہوئی۔

''عبید.....''

''ثانیہ.....'' کسی نے اسے دونوں کندھوں سے سہارا دیا تھا.....

''عبید.....'' اسے اپنے سامنے، اتنا قریب دیکھ کر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔

وہ زندہ تھا۔ اس کے سامنے..... اس کے قریب۔

''تم..... تم ٹھیک ہو.....'' وہ اسے ٹٹول رہی تھی..... بازو..... چہرہ..... سینہ..... کہیں کوئی زخم کا نشان نہ تھا..... وہ کپڑے بدل چکا تھا۔

''ہاں، قسمت نے بچالیا.....'' عبید نے اس کے ٹھنڈے یخ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ عین وقت پر نجانے کیسے اور کیوں..... شاید توفیق صاحب سے ہاتھ ملانے کو سہیل سامنے آگیا تھا۔ اور گولی اس کے بازو میں لگ گئی..... کہ اسی اثناء میں عبید سہیل کی اوٹ میں آگیا تھا۔

''سہیل بھائی.....!''

''وہ ٹھیک ہیں.....''

''رابعہ..... دادی.....'' ثانیہ کو ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگے۔

عبید نے ایک گہری سانس بھری۔

رابعہ کی حالت بہت خراب تھی..... پری میچور ڈلیوری تھی..... اس لیے آپریشن ضروری تھا..... آسیہ اور نادرہ اس کے پاس تھیں.....

سہیل کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ وسیم اور شبیر صاحب پولیس کے معاملات دیکھ رہے تھے..... دادی کو نیند کا انجکشن دے کر سلایا گیا تھا..... عبید بھی اسپتال میں تھا..... مگر سب نے اصرار کر کے اسے واپس بھیج دیا کہ کہیں فرخ دوبارہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے..... وہ ثانیہ کو دیکھنے آگیا..... تو ارم چینج کرنے گھر چلی گئیں..... بچے کچھے مہمان دادی کے کمرے میں ذریا ذالے چہ میگوئیوں میں مصروف تھے..... آصفہ بھی وہیں موجود واویلا

www.pklibrary.com

کر رہی تھیں۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے....." ثانیہ کے اندر شرمندگی کا احساس گہرا ہونے لگا۔ فرخ کو اس مقام تک لانے والی وہی تو تھی..... اس نے جتنی بھی گھٹیا اور مجرمانہ حرکت کی ہو..... وہ خود کو اس پورے معاملے سے الگ نہیں کر پا رہی تھی.....

"سب ٹھیک ہو جائے گا....." عبید نے اس کا ہاتھ دبا کر تسلی دی۔ "تمہاری اس میں کیا غلطی؟"

تب ہی ارم چیخ کر کے آ گئی.....

"شکر ہے ثانیہ! تمہیں ہوش آ گیا....."

"میں چیخ کر لوں..... عبید! مجھے رابعہ کے پاس لے جاؤ....." اسے بہن کی فکر کھانے لگی.....

"تم کہیں نہیں جا رہیں....." ارم نے ٹوکا..... "امی، ابو نے سختی سے منع کیا ہے بلکہ نادرہ خالہ کہہ کر گئی ہیں۔ کہ ہم تمہیں گھر لے جائیں....."

"کیا مطلب؟" ثانیہ ہکا بکا رہ گئی۔

"یہاں تمہاری پھوپھو بھی موجود ہیں اور فرخ..... وہ دوبارہ بھی آ سکتا ہے....." ثانیہ نے عبید کو دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میری رخصتی اس طرح ہونا تھی....." وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ارم اور عبید نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

سورج کی پہلی کرن نے دھرتی کی پیشانی کو چوما تو نوخیز صبح نئی نویلی دلہن کی طرح انگڑائی لے کر جاگ گئی..... مگر اس صبح کی لطافت اور خوب صورتی کو وہی محسوس کر سکتے تھے..... جن کی رات عافیت میں گزری ہو..... یہاں تو جاگ جاگ کر آنکھوں کے پپوٹے سوج گئے تھے..... صبح کے قریب اطلاع آئی کہ رابعہ دو بیٹوں کی ماں بن گئی ہے..... بچے پری میچور تھے۔ اس لیے انہیں ابھی انڈر آبزرویشن رکھا جانا ہے.....

"اب سجدے میں گر کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ آصفہ....." دادی نے لرزتی، کانپتی، روتی ہوئی آواز میں بیٹی کو تاڑا.....

"اللہ نے بچا لیا ہے..... تمہارے بیٹوں کو بھی اور تمہارے پوتوں کو بھی....."

آصفہ کی ساری توانائیاں ایک رات نے ہی نچوڑ دی تھیں۔

"اماں! میں نے یہ کب چاہا تھا..... پتا ہوتا تو سہیل کو گھر میں روک لیتی۔ فرخ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتی....." وہ روتی چلی گئیں۔

غرور مٹی میں مل گیا تھا۔ ایسی منہ کی کھائی تھی کہ دل کرتا تھا، ایک ایک کے پیروں میں گر کر معافی مانگ لیں.....

"شکر کرو۔ پولیس کیس نہیں بن گیا....." دادی نے مزید دل دہلایا۔ "بھائی تھانا، پردہ رکھ گیا ہے۔ میرا بس چلتا تو خود تھانے دیتی..... کیسا لاڈلا اور پیارا تھا..... کیا پتا تھا ایسا مجرمانہ ذہن ہے۔"

انہوں نے تاسف سے اپنے کانپتے ہاتھ مسلے..... عبید تو رپورٹ کروانے کو تیار تھا..... ثبوت بھی موجود تھا کہ فیصل کا موبائل جو ڈھول والے کو ریکارڈ کر رہا تھا۔ اس میں عقب میں فرخ گولی چلاتا دکھائی دے رہا تھا..... اگرچہ اس وقت فیصل کی توجہ ڈھول والوں پر مرکوز تھی۔ مگر سہیل نے منت سماجت کر کے روک دیا..... یہی بیان دیا کہ شادی کی خوشی میں فائرنگ کرتے غلطی سے ہو گیا۔

www.pklibrary.com

''لیکن اس طرح تو وہ تمہیں دوبارہ نقصان پہنچا سکتا ہے.....''

توفیق صاحب کو تشویش لاحق ہوئی۔

وہ لوگ ابھی ابھی ہاسپٹل سے گھر آئے تھے۔ عبید ثانیہ کو گھر چھوڑ کر سب کے منع کرنے کے باوجود ہاسپٹل چلا گیا تھا..... اور اب آسیہ اور توفیق کو لے کر واپس آیا تھا.....

''جو غلطی اس سے ہوگئی ہے، اس کے بعد تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ نے اسے اچھا سبق دیا ہے.....''

آسیہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''امی!'' عبید نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا..... ''جب تک آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں، مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

''ان شاء اللہ!'' انہوں نے آنکھوں میں در آئی نمی کو صاف کیا۔

''عبید! جا کر اپنی دلہن کی بھی خبر لو.....'' توفیق صاحب نے یاد دہانی کروائی..... حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی..... اس کا دل کمرے کی طرف ہمک رہا تھا..... وہ جاتے جاتے کچن کے دروازے میں رکا..... جہاں ارم ناشتے کی تیاری کر رہی تھی.....

''کیا ہو رہا ہے؟''.....

''نئی نویلی دلہن کا پہلا ناشتہ ہے، اسی کی تیاری کر رہی ہوں.....'' ارم نے تیزی سے انڈے پھینٹے..... عبید کو بہن پر پیار آ گیا..... وہ بھی تو ساری رات کی جاگی تھی۔

''میں بازار سے لے آتا ہوں.....''

''نہیں..... اب تو ہو گیا..... تم فریش ہو جاؤ.....''

''میری دلہن کیسی ہے؟.....'' اس نے ابلے ہوئے انڈے کا ایک پیس اٹھا کر منہ میں رکھا۔

''بہت غصے والی ہے.....'' ارم نے شرارت سے کہا۔

''وہ تو ہے.....''

''تو جاؤ، جا کر اسے دیکھ لو..... ساری رات نہیں سوئی۔''

''نیند تو کسی کو بھی نہیں آئی.....''

وہ کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ ان کے کمرے کی کھڑکی پورچ میں کھلتی تھی۔ جہاں سفید، گلابی اور نارنجی پھولوں کی بہار تھی۔ عبید اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔

وہ اب بھی بے دھیان تھی.....

عبید نے دونوں ہاتھوں سے اس کے کھلے بال سمیٹے اور سرگوشی کی۔

''نہ گھونگھٹ نہ سنگھار۔ میری دلہن کہاں ہے؟''

''اب تم بھی مذاق اڑاؤ گے.....'' بھیگا بھیگا لہجہ..... عبید نے کندھوں سے تھام کر فوراً اپنی طرف گھمایا.....

''تم روتی رہی ہو.....'' اس کی سرخ متورم آنکھیں۔

''یا اللہ!.....'' عبید نے بے حد افسوس سے اسے دیکھا..... کبھی سوچا نہ تھا کہ اس کے گھر میں ثانیہ کی پہلی صبح ایسی ہوگی۔

''کیوں عبید؟ مجھے کوئی بھی خوشی مکمل کیوں نہیں ملتی؟''

عبید نے اس کے سوجے ہوئے پپوٹوں پر نرمی سے انگلیاں پھیریں.....

''اہم یہ نہیں کہ ہماری شادی کن حالات میں ہوئی..... اہم یہ ہے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ہم

www.pklibrary.com

ایک دوسرے کے ساتھ ہیں...... تم میری زندگی میں ہمیشہ کے لیے شامل ہو...... میری بیوی ہو...... اب کوئی ہمیں الگ نہیں کرسکتا۔"

دھیما...... مدھم لہجہ......
جیسے دسمبر کی راتوں میں اوس گرتی رہے......
جیسے ہولے سے بادِ صبا چلتی ہو......
ثانیہ کے چیخ...... تھکن زدہ اعصاب پرسکون ہونے لگے......

اس کا دل چاہا وہ بولتا رہے اور وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر سنتی چلی جائے، آغاز کیا تھا؟ انجام کیا ہوگا...... سب بے کار تھا...... سچائی بس دو لفظ تھے......

میں...... اور تم......
آسودگی روم روم میں اتر آئی تھی...... یہی تو چاہا تھا......
چاہا اور پالیا۔ اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوتی......

وہ تجدید عہد کررہا تھا...... اب اس کی خوب صورت آنکھوں میں کبھی کوئی آنسو نہیں آئے گا۔ وہ اس کی زندگی میں اہم رہے گی...... ہمیشہ اور سب سے زیادہ۔

☆☆☆

"یہ سب ثانیہ کی وجہ سے ہوا ہے...... میرے بیٹے کو پاگل ہی بنادیا ہے......" آصفہ کا رونا بند ہوتا تھا تو یہی بات منہ سے نکلتی تھی...... ہاسپٹل کے بیڈ پر نیم دراز سہیل بے زاری سے یہ سب سن رہا تھا۔ پھر اس سے رہا نہیں گیا۔

"اماں! بس کریں۔ کب تک دوسروں کو الزام دیں گی۔ یہ سارا ہمارا کیا سامنے آرہا ہے...... ہمارا اپنا انڈا گندا تھا...... تو کسی کو کیا کہیں......"

"ہاں۔ اب سارا الزام مجھ پر رکھ دو......" آصفہ کو تکلیف ہوئی۔

"ہمارا باپ تو تھا نہیں...... صحیح اور غلط کی تمیز تو آپ نے ہی سکھائی تھی...... اور آپ نے کیا کیا...... 'چھوٹا ہے چھوٹا ہے'، کہہ کر عادتیں ہی بگاڑ دیں۔ یہی سکھایا کہ تم جس چیز پر ہاتھ رکھو۔ وہ تمہاری ہے...... کوئی نہ دے تو چھین لو۔ خود بھی تو ساری زندگی ماموں کے گھر سے چھین چھین کر لاتی رہی ہیں۔"

وہ بولتا تو بولتا چلا گیا...... موت اسے چھو کر گزری تھی...... بازو میں لگی گولی کہیں اور بھی لگ سکتی تھی...... وہ اپنے بچوں کو دیکھے بنا ہی مر جاتا......

"ہاں...... ٹھیک کہتے ہو۔ سارا قصور تو میرا ہی تھا......"

وہ بری طرح رو پڑیں...... ماں کو روتا دیکھ کر سہیل بے چین ہوگیا۔ مگر یہی تو موقع تھا...... انہیں سمجھانے...... ان کا دل بدلنے کا۔

"الزام نہیں دے رہا...... سمجھا رہا ہوں اب بھی وقت ہے...... بدلیں خود کو...... خود بھی جئیں اور دوسروں کو بھی جینے دیں...... ورنہ آج یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ایک بیٹا جیل میں ہوتا اور دوسرے کے آج قل پڑھ رہی ہوتیں۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔ میرے پاس تم دونوں کے سوا ہے ہی کیا؟" وہ تڑپ گئیں۔

"یہی تو سمجھا رہا ہوں...... جو کچھ آپ کے پاس ہے۔ اس کی قدر کریں...... دوسروں کی چیزوں اور رشتوں پر نظر رکھنا بند کردیں...... اور اب تو......" وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے مسکرادیا...... "آپ کے پاس آپ کے پوتے بھی ہیں......"

www.pklibrary.com

رابعہ کی حالت اتنی خراب تھی کہ وسیم نے فوراً سہیل کی اس سے ویڈیو کال پر بات کروادی تھی..... تب اس کے دل کو کچھ سکون ہوا۔

"ہاں۔ دیکھ آئی ہوں..... چنے منے سے ہیں..... شیشے کے بکسوں میں رکھے ہیں۔ بس دور سے دیکھنے دیے۔"

"رابعہ نے بہت سڑیس لے لیا تھا۔ ماں اور بچوں دونوں کو خطرہ تھا..... اس لیے وقت سے پہلے آپریشن کرنا پڑا....."

پچویشن ایسی نہ تھی..... ورنہ وہ ڈاکٹروں کو تو آپریشن کا بہانا چاہیے جیسا بھاشن ضرور دیتیں۔

"فرخ کا کیا ہوگا؟"

"میں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ معاف نہیں کیا..... وہ گھر میں تب ہی آئے گا جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا....."

سہیل کا لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا۔

☆☆☆

بوریوں سے بھرا نیم تاریک سا گودام تھا۔ چھت تک بھری بوریاں۔ سیلن زدہ ماحول..... وہ بس تھوڑی دیر کے لیے باہر جاتا اور دوبارہ یہیں آ کر چھپ جاتا..... مارے ڈر کے کسی دوست کے گھر بھی نہ گیا..... بھائی کو گولی مارنے کا پچھتاوا اتنا شدید تھا کہ کسی کو منہ دکھانے کو دل ہی نہ کرتا تھا..... اوپر سے پولیس کا خوف..... سنا تھا کہ عبید نے رپورٹ کروادی ہے۔ سب جانتے تھے کہ نشانہ کون تھا؟

غصے میں آتا تو ثانیہ کو گالیاں بکنے لگتا۔

"اچھی بھلی مست زندگی گزر رہی تھی..... یہ منحوس پتا نہیں کہاں سے آ گئی..... عشق کرنے کے لیے یہی رہ گئی تھی..... گلی کی کتنی ہی لڑکیاں میری نگاہِ التفات کی منتظر تھیں۔ مت ماری گئی تھی جو اس کے پیچھے پڑ گیا۔ مجھے خوار کر کے مجرم بنا کر خود بنی مون منانے چلی گئی ہوگی۔"

آہٹ ہوئی تھی۔ وہ بدک کر سمٹا.....

"میں ہوں، فیصل....." آواز پر وہ گڑبڑا کر کھڑا ہوا..... اس کے عقب میں پولیس بھی ہو سکتی تھی.....

"گھبراؤ نہیں..... تنہا آیا ہوں....." وہ گودام کے کھلے دروازے میں کسی سائے کی طرح کھڑا تھا.....

"آپ کو یہاں کا کیسے پتا چلا" وہ اب بھی چوکنا تھا.....

"ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے....." فیصل آگے آیا.....

"بھائی کیسا ہے؟ انہوں نے آپ کو بھیجا ہے....." وہ سہیل کا کولیگ تھا مگر عبید کا دوست بھی تو تھا۔

"شکر کرو۔ بھائی بچ گیا ہے..... ورنہ تم نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی....." فیصل نے طنزیہ کہتے بیٹھنے کے لیے ادھر ادھر جگہ تلاشی..... مگر اناج سے بھری بوریوں کے سوا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

"اناج ہے تو چوہے بھی ہوں گے....." کھڑکھڑ کی آواز پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔ منہ سے بے اختیار پھسلا بھول ہی گیا تھا کہ وہ یہاں 007 بن کر ایک اہم مشن پر آیا ہے.....

بڑھی ہوئی شیو کھجاتے فرخ نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ بس میں پاگل ہوگیا..... ثانیہ نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ بے وفائی کی۔ یقین جانو اس نے ہر عمل سے ثابت کیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے..... عبید سے کہنا اس پر زیادہ اعتبار نہ کرے....."

www.pklibrary.com

''عبید کی فکر چھوڑ دو، تمہارا بھائی مرجاتا تو جیل میں بیٹھے دیواروں سے سر ٹکرا رہے ہوتے۔ اور تمہاری ماں پاگل ہو کر گلیوں میں پھرتی۔'' فیصل نے اسے تیز لہجے میں ٹوکا۔ ''اس کی بے وفائی پر تھوک آئے تھے تو مٹی ڈال دیتے۔ اپنی زندگی برباد کرلی اور اتنا ہی عشق تھا تو بارات لے کر واپس کیوں بھاگے تھے۔''

''مت ماری گئی تھی۔'' وہ بے چینی سے بڑبڑایا۔

''میں نے ابھی تک عبید کی منت کر کے صرف اور صرف سہیل بھائی کی وجہ سے رپورٹ درج نہیں ہونے دی۔ ان کی بہت عزت کرتا ہے وہ لیکن اب سوچ لو سہیل بھائی معاف کر سکتے ہیں۔ عبید نہیں کرے گا۔ فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ انتقام لے کر اپنی زندگی برباد کرنی ہے۔ یا اس شہر سے دور آزاد زندگی گزارنی ہے۔''

دس منٹ کی تقریر میں فرخ کو دہلا دینے کے بعد اس نے آپشن دیا تو فرخ چونکا۔

''کیا مطلب۔''

''سہیل بھائی نے کہا ہے میں تمہیں شہر سے باہر بھجوا دوں۔ کچھ دنوں میں معاملہ ٹھنڈا ہو گیا تو واپس آ جانا۔ ورنہ جیل جانے کو تیار ہو جاؤ۔''

فیصل نے کندھے اچکائے۔ فرخ کے پاس اور راستہ ہی کیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''گڈ۔'' فیصل نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ ''بس آدھا گھنٹہ دو۔ سارا بندوبست کر دیتا ہوں۔''

وہ دانستہ بچوشن کو گھسیر بنا رہا تھا۔ ورنہ کچھ رقم دے کر ٹرین میں ہی تو بٹھانا تھا۔

''مبارک ہو، تمہارا کام ہو گیا..... وہ مان گیا ہے۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے سہیل بھائی کا نام کیوں استعمال کیا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھا عبید سے پوچھ رہا تھا۔

''میرے نام پر مان جاتا؟'' عبید ہنسا۔ ''اس وقت وہ اموشنل ہو رہا ہے اور میں یہی چاہتا ہوں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

''تم نے مجھے سانپ کہا ہے یا لاٹھی۔'' وہ مشکوک ہوا۔

''تمہیں کچھ نہیں کہا سہیل بھائی کو بھی سمجھا دینا..... اور ایسا بندوبست کرنا کہ سال چھ ماہ سے پہلے واپس نہ آئے۔''

''نہیں آئے گا اور کوئی حکم؟'' فیصل نے طنزیہ کہا۔

''حکم کیسا تیرا احسان ہے۔'' عبید شرمندہ ہوا۔ جب بھی ضرورت پڑتی اسی کی پڑتی تھی۔

''پھر ٹھیک ہے احسان یاد رکھنا۔'' وہ بھی ڈھیٹ ہی تھا۔

''او کے پھر ولیمے پر ملاقات ہوگی۔''

☆☆☆

ولیمہ دس دن لیٹ کر دیا گیا تھا رابعہ اور سہیل کی حالت کی وجہ سے..... آسیہ بری کے سامان کی فہرست بنانے لگیں۔

''کپڑوں کی خریداری تو آج ہی ختم کر لیتے ہیں۔ تاکہ کوئی سلائی وغیرہ کا کام ہو تو ساتھ ساتھ نمٹ جائے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ بہت سے کام نکل آتے ہیں۔ کسی کی سلیوز لگنی ہوتی ہیں تو کسی کی نہ ہو تو فٹنگ کے مسائل۔'' ارما ایکسائیٹڈ ہونے لگی۔

''کیا ہو رہا ہے۔'' سرخ کڑھائی والے سوٹ میں ملبوس فریش فریش سی ثانیہ چلی آئی۔ سفید شلوار قمیض

www.pklibrary.com

میں ملبوس عبید ساتھ ہی تھا۔ دونوں ایک ساتھ کتنے مکمل اور خوب صورت لگ رہے تھے۔ ماں بیٹی دونوں کے دل سے بے اختیار ماشاءاللہ نکلا۔

''تمہاری بری کی تیاری۔ شاپنگ کی لسٹ بن رہی ہے۔'' ارم نے جوش میں بتایا۔

''بری میری ہے تو شاپنگ بھی مجھے ہی کرنی چاہیے۔'' ثانیہ نے دونوں ہاتھ ارم کے کندھوں پر رکھے۔

''ہاں تو تمہارے ساتھ ہی کریں گے۔'' ارم نے پیار سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ ''ہر چیز تمہاری پسند کی ہی ہوگی۔''

عبید نے مسکرا کر ثانیہ کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

''تم لوگ کہیں جا رہے ہو۔'' آسیہ نے پوچھا۔

''جی آنٹی۔ رابعہ گھر آئی ہے تو اسی سے ملنے جا رہی ہوں۔''

''ماشاءاللہ..... شام کو میں بھی آؤں گی۔ ابھی تم ہو آؤ۔'' انہوں نے خوش دلی سے اجازت دی۔

''اور ہاں جلدی آجانا پھر شاپنگ کے لیے جانا ہے۔'' ارم نے دوبارہ یاد دہانی کروائی۔

☆☆☆

ثانیہ کا بس نہ چلتا تھا کہ پوری زندگی کے کپڑے بری کے نام پر ایک ہی بار میں خرید لے۔ وہ جس چیز پر ہاتھ رکھتی۔ عبید اسے لے کر دے رہا تھا۔ آسیہ کو تشویش لاحق ہونے لگی۔ یہ اسراف تھا۔ اتنے فینسی ڈریس کہاں پہنے جانے تھے موسم بدلنے والا تھا۔

ارم اور ثانیہ جیولری دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے دبے لفظوں میں عبید سے کہا۔

''کوئی بات نہیں امی، جن حالات میں ہماری شادی ہوئی ہے میں کچھ کہوں گا تو اسے اچھا نہیں لگے گا۔'' وہ آج تارے بھی توڑ لانے کو کہتی تو عبید لا دیتا۔ شاید مجھے ساتھ آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔

انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان کے چہرے پر گھٹن کے آثار دیکھ کر ارم نے باقی شاپنگ ملتوی کر دی۔

''لیکن مجھے تو ابھی بہت کچھ خریدنا ہے۔'' ثانیہ نے احتجاج کیا۔

''تم عبید کے ساتھ اپنی شاپنگ مکمل کر لو۔ میں اور ارم اب گھر چلتے ہیں۔'' آسیہ نے نرمی سے کہا۔ عبید نے ان کے اصرار پر ٹیکسی کروا دی تھی۔

''شکر ہے یار! میں تو جھجک کے مارے ڈھنگ سے کچھ پسند ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ اب کھل کر شاپنگ تو ہو سکے گی۔''

''یعنی ابھی کھل کر شاپنگ ہونا باقی ہے۔'' عبید نے بے چارگی سے پوچھا۔ ''ابھی ٹیکسی بھر کے سامان گھر گیا تھا۔''

''میں نے ابھی خریدا کیا ہے؟''

''اللہ رے معصومیت۔'' وہ اش اش کر اٹھا۔

''دیکھو عبید اب میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر پانی نہ پھیرو۔'' ثانیہ نے ناک چڑھائی۔ جس میں نازک سی نوز پن جگمگا رہی تھی۔

''میری مجال۔''

''چلو، پھر مجھے منہ دکھائی کا گفٹ لے کر دو۔'' اس نے مزے سے عبید کا بازو پکڑا۔

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

www.pklibrary.com

''اللہ رے معصومیت۔'' ثانیہ نے نقل اتاری پھر دونوں ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ ثانیہ نے اپنے لیے بہت پیارا نیکلس پسند کیا تھا۔

☆☆☆

''دادی..... دادی میں بہت خوش ہوں۔'' اس نے دادی کو بانہوں میں کس کر بھینچ ڈالا۔ دادی کو بے اختیار فرخ یاد آ گیا۔ جب ثانیہ کے ساتھ رشتے کی بات چلی تھی۔ وہ اسی طرح لاڈیاں کرتا تھا۔

''اللہ! تجھے اسی طرح ہنستا مسکراتا رکھے۔'' انہوں نے دل سے اٹھتی ہوک کو دبا کر دعا دی۔

نادرہ شاپنگ بیگز کی تعداد دیکھ کر ہی نہال ہو گئی تھیں۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے اماں! باقی تو گھر چلے گئے ہیں۔'' ثانیہ نے فخر سے بتایا۔

''اف میں نے کتنے دنوں کے بعد..... بلکہ زندگی میں پہلی بار اس طرح کھل کر شاپنگ کی ہے۔''

''کیوں بعد میں سارے بازار بند ہو جانے تھے۔'' دادی نے ٹوکا۔

''چھوڑیں بھی دادی! موج کرنے دیں چنو منو کہاں ہیں۔ میں نے ان کے لیے بھی شاپنگ کی ہے۔'' بچے بہت کمزور تھے۔ اس لیے ڈاکٹر کے مشورے سے ان کے لیے علیحدہ کمرہ سیٹ کیا تھا تاکہ زیادہ لوگ قریب نہ جائیں۔

''عادل اور عدیل نام ہیں۔'' نادرہ نے بتایا۔

''اچھا نام بھی رکھ لیے میں مل آؤں۔'' وہ تیزی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''یہی تو میں چاہتی تھی۔ میری بیٹیاں قدر کرنے والوں کے گھر جائیں۔ کیسے مالا مال ہوئی ہے۔'' نادرہ نے خوشی و طمانیت کے احساس کے ساتھ ثانیہ کو جاتے دیکھا۔

''اللہ پہننا اوڑھنا نصیب کرے۔ سہاگ سلامت رہے۔'' دادی نے دعا دی۔

خود رابعہ بھی بہت ویک ہو رہی تھی۔ کمزور سا جسم، زرد چہرہ۔

''سوری یار..... ولیمہ زیادہ لیٹ نہیں ہو سکتا تھا تم اس حالت میں کیسے شرکت کرو گی۔'' ثانیہ کو واقعی میں افسوس ہوا۔ بچوں کو بس دور سے ہی دیکھا۔ بچوں کو گود میں لینے کی عادت تھی نہ اجازت۔

''میری فکر نہ کرو۔ اتنی مشکلوں سے تو تمہارے معاملات ٹھیک ہوئے۔ اب اپنی زندگی کو انجوائے کرو۔'' رابعہ نے اطمینان سے کہا۔

''ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ رب کا وعدہ سچا ہے۔ پھوپھو ہر روز پوتوں کو دیکھنے چلی آتیں۔ سنا تھا فرخ شہر سے چلا گیا ہے۔ اچھا ہے کچھ دن گھر سے دور دھکے کھائے گا تو عقل بھی ٹھکانے آ جائے گی۔''

''اور سناؤ سنا ہے گولی کھا کر سہیل بھائی خاصے سیدھے ہو گئے ہیں۔'' ثانیہ رابعہ کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''شکر کرو اور احسان مانو..... تمہارے میاں کے جھے کی گولی کھائی ہے۔'' رابعہ نے ترنت جواب دیا۔

''اوہو..... ماں بن کر تو تمہاری زبان بھی چلنے لگی ہے۔ پھوپھو کے سامنے چلے تو مانوں۔'' ثانیہ نے چھیڑا۔

''ضرورت ہی نہیں پڑے گی ان شاء اللہ! غرور ٹوٹ جائے تو انسان ویسے ہی زمین پر آ جاتا ہے۔ فرخ چلا گیا ہے اور پھوپھو جانتی ہیں۔ اب سہیل کی زندگی میں میری اہمیت اور حیثیت کیا ہے۔'' رابعہ نے طمانیت سے بچوں کے کاٹ کو دیکھا۔

''خوب بدلے لیتا۔'' ثانیہ نے اکسایا۔

''کس سے؟ ایک ٹوٹے ہوئے انسان سے؟''

www.pklibrary.com

MARHABA

SINCE 1975

it's All Natural

اصلی فارمولا سے بنا
مَرحَبا جوشاندہ پئیں
کھل کر جئیں

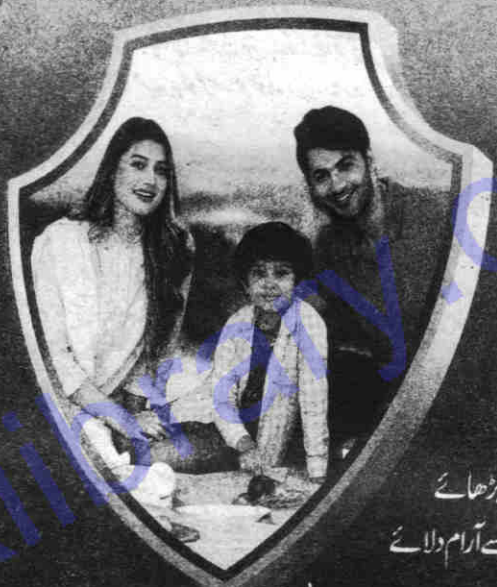

100%

قوت مدافعت بڑھائے
نزلہ، زکام اور کھانسی سے آرام دلائے

Experience the New Soothing Flavors of
Marhaba Joshanda

Follow us: www.marhaba.com.pk | UAN: 111-152-152 | Toll Free 080001975

pklibrary.com

www.pklibrary.com

''اف..... تم سے تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔'' وہ بدمزہ ہوئی۔

''چھوڑو اب اپنی سسرال پر توجہ دو۔'' رابعہ نے بات بدلی۔

''کون سی سسرال؟ میری توجہ کا سارا مرکز تو بس عبید ہوگا۔ باقی میری ذمہ داری نہیں ہے۔'' ثانیہ نے لاپرواہی سے بال جھٹکے..... اس سے پہلے کہ رابعہ کوئی لیکچر دیتی۔ ثانیہ نے فوراً اسے اپنا نیکلس دکھانا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

''اتنی چپ چپ کیوں ہیں؟'' ارم نے عقب سے ماں کے گلے میں بازو ڈال دیے۔ سامنے کپڑے کھلے تھے۔ وہ ان کو الگ کر رہی تھیں تاکہ جن پر کچھ کام کروانا تھا اسے درزن کے حوالے کیا جا سکے۔

''کام کا بوجھ ہے۔'' انہوں نے ٹالا۔

''امی! آپ کو پتا تو ہے وہ بچپن سے چھوٹی چھوٹی چیز کے لیے ترسی ہے اس کی خواہشیں اس طرح پوری نہیں ہوئیں۔ جس طرح میری ہوئی ہیں اب کچھ عرصہ تو اوور ری ایکٹ ہی کرے گی۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔ ابھی آپ نے کچھ بھی کہا تو.....''

''میں کیا بے وقوف ہوں جو کچھ کہوں گی۔ اللہ کا شکر ہے میرا بیٹا اتنا کماتا ہے کہ اس کی تشنہ خواہشوں کی تکمیل کر سکے۔ میں تو بس یہ سوچ رہی تھی انسان کے ظرف کا اندازہ تنگی میں ہوتا ہے یا فراخی میں۔ اور خواہش کا پودا تو ایسا ہے کہ جسے جتنا پانی دو۔ وہ دگنا تگنا بڑھتا ہے۔ جھاڑ جھنکاڑ بن جاتا ہے۔ مرد کماتا ہے عورت گھر بناتی ہے۔''

''وہ بھی بنائے گی۔ بس اسے تھوڑا وقت دیں۔ اس خمار سے باہر آنے دیں۔'' ارم نے نرمی سے کہا۔

آسیہ نے فخر سے اپنی معصوم بیٹی کو دیکھا۔ تنگی ہو یا فراخی۔ ان کے بچوں کے ظرف بہت بڑے تھے۔

''ارم! تم نے پارلر سے اپائنمنٹ لے لی.....'' تب ہی ثانیہ چلی آئی۔

''وہ تو میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔''

''اتنی امپورٹنٹ بات ذہن سے نکل گئی۔ جلدی کرو۔ کسی اچھے پارلر میں اپائنمنٹ بھی کئی دن پہلے لینا پڑتی ہے..... اور ہاں اپنی بھی ساتھ ہی کروانا، میری نند کو بہت خوب صورت لگنا چاہیے۔''

''ہاں کروالیتی ہوں اور کچھ۔'' ارم مسکرا کر اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ تبھی ثانیہ کی نظر بیچ کر کے لانگ ڈریس پر گئی۔

''کتنا خوب صورت ہے یار..... یہ کب لیا؟''

ارم نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔ مگر ثانیہ کو جواب درکار نہیں تھا۔

''یہ تو میں جب کسی کے گھر پہلی دعوت پر جانا ہوا تب پہنوں گی۔''

اس نے تیزی سے فراک اپنے ساتھ لگا کر دیکھا۔ اس کے لمبے قد پر ایسے ڈریسز خوب صورت بھی بہت لگتے تھے۔ وہ سمجھی کہ شاید بری کا جوڑا ہے اس سے پہلے کہ آسیہ بول پڑتیں۔ ارم نے کہہ دیا۔

''ہاں ہم نے بھی یہی سوچ کر لیا تھا۔''

''چلو ڈن ہوا۔ پارلر سے اپائنمنٹ لے لینا..... اور وہیں سے لینا جہاں سے میں نے کہا ہے۔'' وہ جاتے جاتے کہہ گئی۔

''اگر وہاں سے نہ ملی تو.....؟'' ارم نے پکار کر پوچھا۔

''تو عبید ولیمے میں اکیلا ہی جائے گا۔'' وہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

''اف نیا مرحلہ.....'' ارم گہری سانس لے کر ماں کی طرف متوجہ ہوئی، وہ غصے سے گھور رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' ارم نے معصوم بن کے پوچھا۔

www.pklibrary.com

''انسان اتنا میٹھا بھی نہ بنے کہ لوگ اسے گڑ کی ڈلی سمجھ کر چوس لیں۔''
''امی، ایک ڈریس ہی تو ہے۔''
''تم نے اپنے بھائی کے ولیمے کے لیے لیا تھا۔'' وہ چڑ گئیں۔
''یہ اتنے سارے پڑے ہیں نا۔ کوئی بھی اٹھالوں گی۔'' ارم نے تسلی دی۔
''اس طرح ہم دوسروں کی عادتیں خراب کرتے ہیں بیٹا۔''
''امی! میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ وہ خوش رہے۔ وہ خوش رہے گی تو میرا بھائی خوش رہے گا۔'' ارم نے تھوڑا رک کر کہا تو آسیہ کو چپ لگ گئی۔
''کس سوچ میں پڑ گئی ہیں امی ...... بہت تھوڑے دن ہیں اور کام بہت زیادہ ہے۔ چل کریں، اچھا بتائیں۔ میں ان میں سے کون سا سوٹ لوں۔''
ارم نے جلدی جلدی بات بدل دی۔

☆☆☆

ارم ابھی تک ملازمہ کے ساتھ کچن میں تھی۔ دور پرے کے مہمان رات ہی کو آ گئے تھے۔ اگرچہ توفیق صاحب نے ناشتے کا انتظام باہر سے ہی کروایا تھا۔ پھر بھی کسی کو کچھ چاہیے تھا تو کسی کو کچھ...... دو تین ملازماؤں کے ہوتے ہوئے بھی بار بار ارم اور آسیہ کو کچن میں گھسنا ہی پڑتا۔
''تم ابھی تک یہاں کیا کر رہی ہو؟'' عبید اسی کو ڈھونڈتا کچن میں آیا تھا۔
''مہمانوں کو چائے بجھوا رہی ہوں۔'' وہ جھنجھلائی۔
''یہ سب کچھ چلتا رہے گا۔ تم نکلو یہاں سے، تم نے ثانیہ کے ساتھ پارلر جانا ہے۔''
''وہ تو جانا ہے۔ ٹائم بھی کافی ہو گیا ہے۔''
''بالکل جا کر چینج کرو۔ تیار تو وہیں ہونا ہے نا۔'' عبید نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا۔
''خود بھی تیار ہو جاؤ۔ ورنہ لوگ سمجھیں گے، دیگیں اٹھانے والا آ گیا ہے۔'' آسیہ نے جاتے جاتے لقمہ دیا۔
''اف ولیمے کے دن اتنی بے عزتی۔''
''کوئی بات نہیں، زیادہ دل پر نہ لو۔'' ارم ہنستے ہوئے تسلی دے کر چلی گئی۔
مگر کمرے میں ایک سرپرائز منتظر تھا۔
وہی ڈریس جو ثانیہ لے کر گئی تھی۔ اس کے بیڈ پر پڑا تھا۔
''یہ کہاں سے آیا؟'' وہ حیران ہوئی۔
''اپنے حصے کی چیز ...... اپنے حصے کی خوشی دوسروں کو نہیں دیتے یار۔'' وہ عبید کی آواز پر پلٹی۔
''ثانیہ کو برا لگے گا۔''
''کیوں لگے گا، اسے جیسے ہی پتا چلا، اس نے فوراً واپس بھجوا دیا۔''
مگر ثانیہ کو برا لگا تھا۔ تب ہی اس نے فوراً شکوہ کر دیا۔
''تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔ اب مجھے الہام تو ہونے سے رہا کہ بری کے ساتھ ساتھ تم اپنی شاپنگ بھی کر رہی ہو۔''
ارم کہہ نہ سکی کہ میرے اکلوتے بھائی کا ولیمہ ہے تو میں اپنی شاپنگ کیوں نہ کرتی۔
''ایسی بات نہیں ہے۔ تمہیں اچھا لگا تو میں نے تمہیں دے دیا۔''
''عبید کو یہی لگا کہ میں نے تمہارا ڈریس ہتھیا لیا...... میرے اور عبید کے درمیان تو غلط فہمی پیدا ہو گئی نا......''
''اچھا ٹھیک ہے۔ میں عبید کو وضاحت دے دوں گی۔ تم اپنا موڈ تو خراب نہ کرو۔'' ارم نے مہمانوں کی وجہ

www.pklibrary.com

☆☆☆

کیا ہی خوب صورت آرائش تھی دھیما میوزک، لائٹس، سرخ اور سفید پھولوں کی آرائش۔ بہت سے مہمان اور سب کے مرکز نگاہ ثانیہ اور عبید۔

سرخ کارپٹ پر عبید کا ہاتھ تھامے فخر وانبساط کا احساس اس کے قدموں سے لپٹا جا رہا تھا ہر قدم یوں اٹھتا جیسے ہواؤں میں اڑ رہی ہو۔ شاید من پسند شخص کی رفاقت کا احساس اتنا ہی خوش کن ہوتا ہے۔

وسیم کی بے چین نگاہوں نے اس سارے منظر سے ہٹ کر اسے تلاشا..... جسے ایک نظر دیکھنے کی چاہ ہر جذبے پر غالب تھی۔ وہ کہیں عقب میں سارے کیمروں کی فلیش لائٹ سے دور کچھ تھیلے پکڑے مدد کے لیے کسی کو ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

تب ہی نگاہ اپنے کزن تابش پر گئی، اسی کو پکارنے وہ تیزی سے آگے ہوئی کہ باہر جاتے کسی شخص سے بری طرح ٹکرائی۔

''اف!'' سارے تھیلے ہاتھ سے نکلے اور سامان بکھر گیا۔ گھر پہننے والی چپل سیدھی اس کے چمکتے سیاہ جوتوں سے ٹکرائے۔ مارے شرمندگی کے ارم کا برا حال ہو گیا۔

کچھ بھی بولے بغیر وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

ارم کو لگا وہ اس کی مدد کرے گا مگر وہ کچھ کہے بغیر راستہ بدل کر چلا گیا تھا۔

''بدتمیز۔ ال میز ذ.....'' وہ غصے میں بیٹھ کر سامان سمیٹنے لگی۔ تب ہی وسیم اس کی مدد کو آ گیا۔

''یہ کیا اٹھا رکھا ہے۔''

''پارلر سے لے کر آ رہی ہوں۔ گاڑی کسی اور کی تھی تو سامان نکال لیا۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''ہٹ جاؤ۔ میں کرتا ہوں۔'' اس نے ایک بچے کو سامان اور گاڑی کی چابی دے کر بھیجا..... تاکہ سامان گاڑی میں رکھ سکے۔

ارم نے سیدھا ہو کر سکون کا سانس لیا۔

''شکر یہ وسیم بھائی! ورنہ وہ تو کوئی اتنا بدتمیز انسان تھا۔ ٹکرانے کے بعد ایک لفظ معذرت کا بھی نہیں کہا۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں ہوں نا.....'' اس نے اتنے جذب سے کہا کہ ارم ٹھٹک گئی۔ پھر ہنس دی۔

''ٹھیک کہا، اب تو آپ کے ساتھ دو دو رشتے ہیں۔ بھابھی کے بھائی بھی ہیں اور.....'' ارم کے ذرا سے توقف پر دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔

''اور پڑوسی بھی.....'' وہ سر جھٹک کر ہنسی تو کان کے جھمکے ہلکورے کھانے لگے۔

''تم لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہو؟'' وہ برہم ہوا۔

''آپ مجھے بے وقوف کہہ رہے ہیں۔'' ارم نے صدمے سے اسے دیکھا۔

بندہ دل رکھنے کو معصوم ہی کہہ دے۔

''اشارے تو سمجھ میں ہی نہیں آتے..... اس لیے صاف بتا رہا ہوں۔ تمہیں پسند کرنے لگا ہوں، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

ارم کے ہاتھوں کے توتے، چڑیاں سب اڑ کر سر کے اوپر چکر کھانے لگے۔

''کیا ہوا کچھ سنائی نہیں دیا۔'' اس کی حالت دیکھ کر وسیم نے مسکراہٹ دبائی۔ ارم نے جواب نہیں دیا تھا۔ بس دوڑ لگا دی تھی۔

www.pklibrary.com

''قدرت ہمیں ملانے کے سارے رستے کھول چکی ہے۔اب کہاں تک بھاگو گی۔'' وسیم آسودگی سے مسکرایا۔
''جس گھر سے ایک رشتہ جڑ گیا تھا۔وہاں دوسرا ہونے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی تھی۔''
وہ سیدھی اسٹیج پر ثانیہ کے پاس جا کر بیٹھی تھی۔
''کیا ہوا، اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہو؟''
''نہیں تو لائٹنگ کا اثر ہے۔'' ارم نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے۔چہرہ تمتما رہا تھا۔
''اچھا۔میں تو کسی کی نظروں کا کہی.....'' ثانیہ کی نگاہ بلا کی تیز تھی۔
''کیا کہہ رہی ہو؟'' ارم نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔
''وسیم بھائی کیا کہہ رہے تھے؟''
''ک.....کچھ بھی نہیں۔'' ارم سٹپٹا گئی۔
''پانچ منٹ کی بات میں انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔'' معنی خیز مسکراہٹ نے ثانیہ کے لبوں کا احاطہ کیا۔شکر تھا کہ عبید کسی مہمان کے ساتھ بات کر رہا تھا۔تب ہی اسٹیج پر نتاشا کی انٹری ہو گئی۔تو ثانیہ کی توجہ اس کی طرف ہو گئی۔
''دیکھ لو۔تم نے تو بھائی کے ولیمے پر انوائٹ نہیں کیا۔مگر ثانیہ نہیں بھولی۔'' نتاشا نے ارم سے ملتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔
''کالج چھوٹا ہے، دوستی تو ختم نہیں ہوئی۔'' ثانیہ نے لقمہ دیا۔
''بھئی۔دوستی تو ارم نے نبھائی ہے ورنہ کالج میں تمہارے سسرالیوں کے بارے میں جو خیالات تھے۔بڑی بات ہے جو ارم نے پھر بھی تمہیں بھابھی بنا لیا۔'' نتاشا نے ہنستے ہوئے کہا تو ثانیہ کو برا لگا۔
''ارم کی کیا مجال۔عبید مجھ سے محبت کرتا ہے۔''
''اوہ تب ہی۔'' نتاشا نے ہونٹ سکوڑے۔
''اور سسرال والوں کے بارے میں میرے اب بھی وہی خیالات ہیں۔اب یہ تو ان پر ڈیپنڈ کرتا ہے کہ یہ لوگ میرے خیالات کو کس طرح بدلتے ہیں۔''
''بہت چالاک ہو یار.....'' نتاشا ہنسی۔ان کی گفتگو کس رخ پر جا رہی تھی، ارم کو خبر نہ ہوئی۔اس کا دھیان بھٹک گیا تھا۔تب ہی آسیہ کے بلانے پر وہ معذرت کرتی اسٹیج سے اتر گئی۔
''ماشاء اللہ! کتنا پیسہ لگا ہو گا۔'' دادی ناک پر انگلی جمائے ہال کا جائزہ لے رہی تھیں۔
''دادی! جلدی سے سیدھی ہوں۔آپ کے ساتھ تصویر بنوانی ہے۔'' ارم نے دادی کے ساتھ والی کرسی سنبھالتے فوٹو گرافر کو اشارہ کیا۔
''میں نہیں کھنچواتی اب تو کون سا تصویر اچھی آنی ہے۔'' انہوں نے رخ پھیرا۔
''بہت اچھی آئے گی۔آپ سیدھی تو ہوں۔'' ارم نے ان کا دوپٹہ ٹھیک کیا۔
''اچھا میری بات سن۔ڈھنگ سے کھینچنا۔چہرے کی جھریاں زیادہ نہ آئیں۔'' فوٹو گرافر ہکا بکا رہ گیا۔ارم نے مسکراہٹ دبائی۔
''دادی! فکر نہ کریں۔فلٹر لگا کر ساری جھریاں غائب کر دیں گے۔ایک دم جوان نظر آئیں گی۔'' ارم نے تسلی دی۔وسیم کا دل چاہا وہ دادی کے دوسری طرف جا کر بیٹھ جائے۔پھر اسے لگا یہ چھچھورپن ہو گا۔اس لیے خاموشی سے رخ بدل گیا۔
''ہائے، میں نتاشا ہوں۔''
وسیم کچھ پزل سا ہوا۔ان کے خاندان کی لڑکیاں اتنے بولڈ انداز میں تعارف نہیں کرواتی تھیں۔

www.pklibrary.com

''ثانیہ کی فرینڈ۔''

''اچھا۔ کیسی ہیں۔'' وہ فوراً سنبھلا۔

''میں تو بہت اچھی ہوں۔'' نتاشا نے گردن گھما کر ثانیہ کو دیکھا۔ وہ دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ارم کے جانے کے بعد نتاشا نے ثانیہ کو چھیڑا تھا۔

''آخر تم نے اس کے بھائی کو پٹا ہی لیا۔''

''اس کا بھائی خود ہی مجھ پر مرمٹا تھا۔''

''آہ، ہم پر تو کوئی نہ مرا۔''

''میرا بھائی ابھی سنگل ہی ہے۔ شریف اتنا ہے کہ کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔''

''مجھ جیسی لڑکی سامنے ہو، تب بھی نہیں۔''

''آزما لو..... مل لو۔ وعدہ کرتی ہوں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا تو شادی کروا دوں گی۔''

''دلہن ہو، زبان تو قابو کرو۔'' عقب سے نادرہ نے ٹہوکا دے کر ثانیہ کو ٹوکا۔ دادی نے کہلوایا تھا..... اس کو کہو منہ بند کر کے بیٹھے، کیسی بے شرم لگ رہی ہے۔ لوگ تو پہلے ہی باتیں کر رہے ہیں۔''

ثانیہ کو خاموش ہونا پڑا۔

ارم نے کچھ حیران ہو کر وسیم اور نتاشا کو باتیں کرتے دیکھا..... تو عجیب سا احساس ہوا۔

دو منٹ پہلے جو لڑکا اسے پرپوز کر رہا تھا۔ اب وہ کھڑا اس کی سہیلی سے باتیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

آئینے کے سامنے تیار ہوتا عبید خوش، مطمئن اور آسودہ لگ رہا تھا۔ نیا رشتہ اسے راس آ گیا تھا۔ وہ آئینے میں ثانیہ کا عکس دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ ایک ہاتھ گال کے نیچے رکھ کر کروٹ کے بل سو رہی تھی۔ شگفتہ کھلا کھلا چہرہ طمانیت کا احساس، وہ مڑ کر اس کے پاس آیا۔

یہی تاثرات تو وہ اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا۔ سرخ لبوں کے گوشوں میں اب بھی کوئی شریر لمحہ مسکا رہا تھا۔ عبید نے وہ لمحہ چرانا چاہا تو وہ کسمسا کر جاگی۔ ''گڈ مارننگ..... صبح بخیر۔''

''تم اتنی جلدی کیوں جاگ گئے۔'' ثانیہ نے بمشکل آنکھیں کھول کر عبید کی تیاری کو دیکھا۔

''کیونکہ آج مجھے آفس جانا ہے۔''

''اتنی جلدی؟'' اس نے پوری آنکھیں کھولیں۔

''تو کیا ساری عمر کے لیے گھر بٹھاؤ گی۔''

''ہاں۔ میں کہوں گی تو تم بیٹھ جاؤ گے۔'' اس نے کروٹ بدلنا چاہی۔ عبید نے روک دیا۔

''کہہ کر تو دیکھو۔''

''تو پھر آج آفس مت جاؤ۔'' ثانیہ نے اطمینان سے کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

پھر ہنس دی۔ اچھی طرح جانتی تھی۔ اب وہ اسے گھور رہا ہوگا۔

''اب شرافت سے اٹھ جاؤ۔ آفس کا پہلا دن ہے۔''

''تو جاؤ، اللہ حافظ۔'' وہ دوبارہ سے سونا چاہتی تھی۔

''ایسے ہی چلا جاؤں۔'' عبید نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا مطلب؟''

''وہ تمہاری ننھی منی سی خواہشیں کیا ہوئیں؟ عبید جب تم آفس جاؤ گے تو میں تمہیں ناشتہ بنا کر دوں گی۔

www.pklibrary.com

پرفیوم لگاؤں اور ہاں وہ ٹائی کی ناٹ بھی اسی لیے باندھنا سیکھی تھی۔"

میسنا انسان..... کسی جذباتی لمحے کی گئی باتوں کا ایک ایک لفظ یاد رکھے ہوئے تھا۔

"سب کچھ کیا کروں گی؟ کچھ دن تو سکون سے رہنے دو یار....." اس نے کروٹ بدل لی۔

"ٹھیک ہے رہو سکون سے ہمیں تو ڈیوٹی پر جانا ہے۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کے اٹھ گیا۔

"ناشتہ بھی ارم بنا دے گی۔"

"تو کیا ہوا؟ ساری عمر سے وہی ناشتے بنا رہی ہیں۔ یہ کیا کہ بیوی کے آتے ہی ساری ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی جائے۔ بیوی ہوں، ملازمہ تو نہیں۔" وہ نیند میں نجانے کیا کیا بڑبڑا رہی تھی۔

"محترمہ! آپ کو اس لیے جگا رہا تھا کہ اپنی خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ دروازے تک خدا حافظ کہہ آئیں تاکہ سارا دن خوب صورت گزرے۔ یہ ماں بھی عجیب ہوتی ہے، ساری زندگی خود دروازے تک رخصت کرتی رہیں۔ مگر بیوی کے آتے ہی یہ ذمہ داری بھی اس کے نازک کندھوں پر ڈال دیتی۔"

یہ یقیناً طنز تھا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

"اوکے۔ سوچا تھا ناشتہ تمہارے ساتھ کروں گا مگر خیر..... نیند پوری کرو۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کے چلا گیا۔

ثانیہ نے تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھ لیا تھا۔

☆☆☆

گھر کی صفائی ہو چکی تھی۔ دوپہر کے کھانے کی تیاری تھی۔ مہمان جا چکے تھے۔ بہت دنوں کے بعد گھر اپنی روٹین میں واپس آ گیا تھا۔ پرسکون اور خاموش۔

"سوچ رہی ہوں۔ دوپہر میں کچھ ہلکا پھلکا بنا لوں۔" آسیہ نے بیٹی سے مشورہ کیا۔

"دوپہر میں نہ بھائی گھر پر ہے نہ ابو..... فریج بھی بھرا ہوا ہے۔ میں تو کہتی ہوں، کچھ بھی نہ بنائیں۔ کباب بھی پڑے ہیں۔ بریانی بھی بچی ہوئی ہے۔ شام کو کچھ بنا لیں گے۔"

ارم آ کر تسلی سے پاس بیٹھ گئی۔ تب ہی ثانیہ چلی آئی۔ اسے بننے سنورنے کا شوق تھا۔ کمرے سے باہر آتی تو نک سک درست، تیار شمار، ہلکا پھلکا زیور پہنے آسیہ کو اس کی یہ عادت اچھی لگتی تھی۔ کوئی اچانک بھی گھر میں آ جائے تو پتا چلتا تھا کہ یہ اس گھر کی بہو اور نئی نویلی دلہن ہے۔

"السلام علیکم۔"

"ماشاء اللہ یہ رنگ تو تم پر بہت ہی کھل رہا ہے۔" انہوں نے جواب دے کر تعریف بھی کر دی۔ سی گرین کرتا پائجامے، میں کام والا دوپٹہ کندھے پر ڈالے وہ کھل رہی تھی۔

"تھینک یو آنٹی.....!" وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میری سہیلی ہے ہی اتنی خوب صورت جو بھی پہنتی ہے، سج جاتا ہے۔" ارم نے خلوص دل سے تعریف کی ثانیہ تفاخر سے مسکراتی کھلے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہی۔

"ارم بیٹا! بہن کے لیے ناشتہ لاؤ....."

"آ جاؤ، ناشتہ کچن میں کرتے ہیں۔ میں نے کچھ خاص نہیں کھایا۔"

"یہیں لے آؤ یار! سستی ہو رہی ہے اور ہاں مجھے آملیٹ بنا دینا اور کباب تل لینا۔ تمہیں پتا تو ہے، مجھے فرائی انڈے نہیں پسند، کل بھی وہی بنا دیے تھے۔"

ثانیہ نے سستی سے کہتے کہتے فرمائش بھی کر دی۔

"کل تو ساتھ حلوہ پوری تھی، اس لیے بنا دیے تھے۔" ارم کھڑی ہوئی۔

www.pklibrary.com

''کوئی بات نہیں۔ کچھ دنوں میں کھیر پکوائی کی رسم ہو جائے گی تو جو دل چاہے بنا لیا کرنا۔''
انہوں نے بر سبیل تذکرہ بات کی تھی۔ مگر ثانیہ کو برا لگا۔
''ایسی کیا بات ہے۔ ارم کو پرابلم ہوتی ہے تو میں بنا لیتی ہوں۔'' وہ سرعت سے کھڑی ہوئی۔
''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ میں لا رہی ہوں۔'' ارم نے پیار سے ڈانٹا۔
''دیکھ رہی ہوں۔ بھابھی بن کر تمہارے نخرے زیادہ ہو گئے ہیں۔''
''اللہ نخرے اٹھانے والوں کو سلامت رکھے۔ چلو کچن میں ہی چلتے ہیں۔'' دونوں ہنستے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔
''پتا نہیں میری ہر بات کو اتنا نگیٹو کیوں لیتی ہے۔ میں نے تو عام سی بات کی تھی۔''
آسیہ نے کچھ حیران ہو کر سوچا۔

☆☆☆

''کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے کوئی تیسری بار عبید کو کال کی تھی، وہ ہر لمحہ عبید کو اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتی تھی۔
''آفس میں تو کام ہی ہوتا ہے۔''
''میں تو سمجھی، مجھے یاد کر رہے ہو۔''
''یہاں سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے۔'' وہ لوگوں کی وجہ سے احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ وہ بدمزہ سی ہو گئی۔
''واپسی کب ہے۔''
''کوئی پانچ بجے۔''
''اچھا۔ ڈنر آج باہر ہی کریں گے۔ دوپہر میں تو آج کچھ بھی نہیں کھایا گیا۔ آنٹی نے تو بچے کھچے پرانے سالن سامنے رکھ دیے تھے۔''
''چلو، دیکھتے ہیں۔'' عبید نے ٹالا۔
''ابھی میں امی کی طرف جا رہی ہوں۔ وہیں سے پک کر لینا۔'' ثانیہ نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ آسیہ کو بتا کر گھر آ گئی۔
''تمہارا گھر میں دل نہیں لگتا، سارا سارا دن تو یہیں ہوتی ہو۔'' دادی نے دیکھتے ہی ٹوکا۔
''آپ کو میرا آنا برا لگتا ہے۔'' وہ پاس ہی بیٹھ گئی۔
''ہاں تو اپنے گھر پر توجہ دو۔''
''جن کا گھر ہے دیں توجہ..... ہم تو جا رہے ہیں منی مون پر.....''
''ہیں سچ؟ میں کہاں جا رہی ہو؟'' نادرہ لپک کر پاس آئیں۔
''بھور بن۔''
''ماشاء اللہ میری رابعہ کو تو دوسرے دن ہی باورچی خانے میں کھڑا کر دیا تھا۔'' دادی نے منہ پھیر لیا۔
''اس کی اپنی غلطی تھی..... نہ ہوتی۔'' ثانیہ نے کندھے اچکائے۔
''میری غلطیاں گننا چھوڑ دو۔ اپنے سسرال کی فکر کرو۔'' رابعہ بھی باہر آ گئی۔ ''اب قدر کرنا ان لوگوں کی۔''
''قدر تو وہ لوگ میری کرتے ہیں۔ آخر عبید کی محبت ہوں۔''
رابعہ کو پتا تھا اس نے ایسی ہی باتیں کرنی ہیں۔ اس لیے نادرہ کو چائے کا کہہ کر کمرے میں ہی لے آئی۔
''محبت کے سہارے ساری زندگی نہیں گزرتی۔ واپس آؤ تو گھر داری پر توجہ دینا۔ ارم کی شادی ہو جائے گی۔ گھر تو تم نے ہی سنبھالنا ہے۔'' اس نے بڑی بہن کی حیثیت سے سمجھانا چاہا۔ وہ جو عدیل اور عادل کے کاٹ پر جھکی انہیں گدگدا رہی تھی۔ سر اٹھا کر مسکرائی۔

www.pklibrary.com

''مجھے بیوی نہیں محبوبہ بن کے رہنا ہے۔''

''مرد کو صرف محبوبہ چاہیے ہو تو بھی شادی ہی نہ کرے۔ اسے تو گھر والی چاہیے ہوتی ہے جو پیار اور توجہ سے اس کے گھر کو سنبھالے۔ اس کی نسل کو پروان چڑھائے۔''

''یعنی عورت کا کام بس یہی ہے، بچے پیدا کرے گھر سنبھالے۔'' ثانیہ نے ناک چڑھائی۔

''جس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے قدرت نے عورت کو چنا تمہارے نزدیک معمولی ہے۔ ایک پوری نسل کو پروان چڑھانا کوئی گھٹیا کام ہے۔'' رابعہ کو برا لگا۔

''بات سنو اگر تمہیں محبوبہ بننا نہیں آیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' رابعہ نے کچھ کہنا چاہا مگر نادرہ اندر آ گئیں۔

''دونوں کس بات کی بحث کرتی ہو۔ اپنا اپنا گھر دیکھو۔ اللہ کا شکر ہے رابعہ کے بھی دن بدلے۔ باقی رہی یہ۔'' نادرہ نے پیار سے ثانیہ کی تھوڑی چھوئی۔ ''یہ تو اپنے گھر کی رانی ہے۔ تو کرنے دو عیش، بس عبید کو مٹھی میں رکھنا۔ وہ تمہاری ہر بات پر اعتبار کرتا رہا تو سب ٹھیک ہے۔''

ثانیہ نے بھنویں اچکا کر رابعہ کو شرارت سے دیکھا۔

''اماں! اس کو الٹی پٹیاں مت پڑھائیں۔'' رابعہ نے چڑ کر کہا۔ ''غیر مرد اداؤں سے قابو میں آتے ہیں۔ شوہر کو تو خدمت اور وفاداری چاہیے۔''

''میرے پاس وہ سب کچھ ہے جو ایک شوہر کو چاہیے۔ اس لیے تم میری فکر چھوڑ دو۔'' اس نے مزے سے ماں کے کندھے پر بازو پھیلا دیا۔

رابعہ چڑ کر کسمساتے ہوئے بچوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

''عبید! تم نے بلایا تھا۔'' ارم دستک دے کر اندر آئی۔

نیل پالش لگاتی ثانیہ نے حیرت سے دیکھا۔ اسے نہیں پتا تھا، عبید نے ارم کو بلایا تھا۔

''ہاں۔ اب تو بلانا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ بھائی کے لیے تو تمہارے پاس وقت ہی نہیں۔'' وہ بیڈ پر نیم دراز تھا۔ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''یہ تو نہ کہو۔ تم ہی مصروف ہو گئے ہو۔''

ارم نے ثانیہ کو دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

''تمہاری امانت میرے پاس تھی۔''

عبید نے اپنا آفس بیگ قریب کر کے کھولا۔ ثانیہ تجسس میں اٹھ کر قریب آئی۔ عبید نے اندر سے ایک سرخ جیولری باکس نکال کر ارم کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' ارم نے بس پوچھا تھا جبکہ ثانیہ نے ڈبا اچک ہی لیا اور تیزی سے کھولا..... پھر تحیر سے عبید کو دیکھا۔ اس میں بہت خوب صورت نیکلس تھا۔

''یہ کس کا ہے؟'' ثانیہ نے بے ساختہ پوچھا۔

''ارم کا.....'' عبید نے مسکرا کر ثانیہ کو دیکھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

قرۃ العین خرم ہاشمی

گھروالے کے پردے

"ابھی تک چائے نہیں بنی؟ کام سے دیر ہو رہی ہے۔"

عبداللہ کی بے زار آواز، صحن سے منسلک چھوٹے باورچی خانے میں تیزی سے ہاتھ چلاتی ہاجرہ کے کانوں میں پڑی تو وہ بوکھلا گئی۔ جلدی سے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے، آدھی سلیب پر گر گئی۔ نازنین بھی سنوری، ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے، ناشتے کی خالی ٹرے پکڑے اندر داخل ہوتے ہوئے چونک گئی۔ ساس کو نظر انداز کرتے ہوئے ٹرے رکھی اور واپسی کے لیے مڑی۔

"یہ چائے اپنے ابا جی کو دے آؤ۔ میں گری ہوئی چائے صاف کرلوں۔ ورنہ داغ رہ جائے گا۔"

ہاجرہ نے جلدی سے کہا۔

"اف! سہیل کو کام سے دیر ہو رہی ہے۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

ہمیشہ کی طرح بہانے کرتی وہ فوراً باہر نکل گئی۔

ہاجرہ نے چائے کا کپ اٹھایا اور صحن میں آئی تو عبداللہ کو نہ پا کر ٹھٹک گئی اور گردن گھما کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"ہائے اللہ! ناراض ہو کر چلے گئے۔" ہاجرہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عبداللہ کی ناراضی کا مطلب تھا کہ آنے والے کئی دن خراب گزرتے۔

"اتنی دیر کیوں کردی؟" اچانک کمرے سے باہر نکلتے عبداللہ نے ناگواری سے سوال کیا۔ ہاجرہ نے سکھ کی سانس لی اور جلدی سے چائے پیش کی۔

"سنو! لڑکے کے ہاتھ سبزی بھیج دوں گا۔ لسٹ دے دو۔"

عبداللہ نے چائے پیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو ہاجرہ نے سر ہلاتے ہوئے، دوپٹے کے کونے میں بندھے کاغذ کو کھول کر اس کی طرف بڑھایا جسے تھام کر بغیر دیکھے عبداللہ نے جیب میں رکھ لیا۔

"سب سے زیادہ سبزی ثمین باجی بنواتی ہے۔ اس کے گھر مہمان جو بہت آتے ہیں۔ باقی محلے کی خواتین تو کبھی کبھار ہی سبزی بنانے کا کہتی ہیں۔"

ہاجرہ نے جلدی سے کہا۔

"چلو تمہارا کام تو چل رہا ہے نا! گھر بیٹھے پیسے کما رہی ہو اور کیا چاہیے۔"

عبداللہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ سہیل اور نازنین ایک ساتھ کمرے سے باہر نکلے۔ نازنین نے بہت غور سے سسر کی بات سنی تھی۔

"ہاں بہت فائدہ ہو جاتا ہے۔ اپنے سب خرچے بھی پورے کر لیتی ہوں اور گھر کے خرچ میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔"

ہاجرہ نے مطمئن انداز میں کہا۔ عبداللہ سر ہلاتا گھر سے باہر چلا گیا۔ سہیل بھی اپنی پرانی بائیک پر فیکٹری چلا گیا جہاں وہ معمولی ملازم تھا۔

"آپ سبزی بنانے کا کام کب سے کر رہی ہیں؟" نازنین نے صحن میں بیٹھ کر سبزی بناتی ہاجرہ سے پوچھا۔

"دو سال ہو گئے ہیں۔ بس اللہ نے ہی راستہ بتا دیا۔ مہنگائی کا عالم دیکھو۔ سہیل کے ابا کی چھوٹی سی دکان ہے جس سے بمشکل گھر کا چولہا جلتا۔ اسی لیے میں نے محلے کی عورتوں کے اضافی کام کرنے شروع کر دیے جیسے مرغی کا گوشت دھو کر دینا، فروزن آئٹم

pklibrary.com

www.pklibrary.com

بنانے میں مدد کرنا، مگر میرا سب سے اہم کام سبزیاں بنانا ہے۔ زیادہ تر عورتیں بچوں کی وجہ سے مختلف سبزیاں وغیرہ مجھ سے بنوا لیتی ہیں۔ جیسے ساگ، پالک، کئی کلو مٹر چھیل کر فریز کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سچ کہوں تو بہت فائدہ ہے۔"

ہاجرہ نے تیزی سے لہسن چھیلتے ہوئے تفصیل سے بتایا۔ نازنین نے کندھے اچکائے۔

"ایسا کرو تم بھی میرے ساتھ کام کروا دیا کرو۔ آدھے پیسے تمہیں مل جائیں گے۔" اچانک ہاجرہ کو خیال آیا۔ نازنین چونک گئی۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اپنے ہاتھ خراب کرنے کی۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ اس کی شادی کو تین ماہ ہوئے تھے۔ اپنی مرضی کی مالک تھی وہ ساس سے خاص فاصلہ رکھنا ضروری سمجھتی۔ اس لیے ان کی کسی بات سے متفق نہیں ہوتی تھی۔ ہاجرہ نے گہری سانس لی۔

"غربت کی چکی میں پستے ہوئے کب رنگ روپ کی چاندی چمکتی ہے؟ یہاں صرف بھوک کی اندھی چمک ہے، جو خوشی کے ہر احساس کو دھندلا دیتی ہے۔" اس نے اداسی سے سوچا اور سر جھٹک کر اپنا کام ختم کرنے لگی۔

☆☆☆

"میری امی اور بہن کچھ دن رہنے آ رہی ہیں۔ اس لیے ابھی اور بھی کام ہیں۔"

شام کو ہاجرہ ایک کلو لہسن چھیل کر سبین کے گھر لے گئی جو کچن میں مصروف تھی۔ ہاجرہ نے ایک نظر میں دیکھ لیا کہ وہ مختلف فروزن آئٹم کی تیاری کر رہی ہے۔ سبین لہسن کو دھو کر پیسنے لگی تاکہ فریز کر سکے۔

"اللہ کی شان ہے۔"

ہاجرہ نے دل میں سوچا اور آگے بڑھ کر اس کی مدد کروانے لگی۔ سبین کو بے تکان بولنے کی عادت تھی مگر ہاجرہ خاموشی سے کام کرتی۔ سب کاموں سے فارغ ہوتے ہوتے مغرب ہو گئی۔ سبین نے ہمیشہ کی طرح اسے اضافی پیسے دیے تو ہاجرہ اپنی تھکن بھول گئی۔ وہ گھر آئی تو بہت خوش تھی۔ رات کو عبداللہ کو بتاتے ہوئے پیسے گنے تو پاس سے گزرتی نازنین حیران رہ گئی۔

"اس کام میں تو بہت فائدہ ہے۔"

پیسوں کی چمک نے، اس کی آنکھوں کو بھی چندھیا دیا تھا مگر وہ محنت کرنے سے گھبرا رہی تھی۔ کئی دن سوچنے کے بعد بالآخر اس نے بھی ساس کے مقابلے میں یہ کام شروع کرنے کا سوچ لیا۔ سہیل کی تنخواہ بہت کم تھی۔ جس سے ضروریات ہی مشکل سے پوری ہوتی تھیں۔ اسے اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے یہ راستہ ہی بہتر لگا۔

جب اگلے دن سے اس نے، کام شروع کیا تو ہاجرہ حیران رہ گئی مگر اسے افسوس بھی ہوا کہ مل کر کام

www.pklibrary.com

کرنے کے بجائے، اس نے الگ کام کرنے کا سوچا تھا۔

''آج کل اپنی اولاد پر زور نہیں چلتا، یہ تو پھر غیر ہے۔''

ہاجرہ نے خود کو تسلی دی اور آگے بڑھ کر نازنین کی مدد کرتے ہوئے، محلے کے مختلف گھروں میں متعارف کروادیا تاکہ قابل اعتبار سمجھ کر، سب اسے کام دیں۔ جلد ہی نازنین کے پاس ہاجرہ سے زیادہ کام آنے لگا کیوں کہ وہ تیز رفتار تھی۔ ہر کام جلد کر لیتی جبکہ ہاجرہ اپنی بیماری اور بڑی عمر کی وجہ سے آرام سے کام کرتی مگر بہت نفاست سے۔

☆☆☆

''رضوانہ باجی! یہ آپ کی تین کلو پالک اور دو کلو میتھی بنادی ہے۔''

ایک دن درمیانے قد و جسامت کی تیز عورت ان کے گھر آئی تو ہاجرہ چونک گئی۔ وہ اسے پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ نازنین کے پاس اُس کا آنا ہاجرہ کو پسند نہیں آیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اندر چلی گئی جبکہ وہ دونوں صحن میں بیٹھی باتیں کررہی تھیں۔

''یہ لو تمہارے پیسے۔ ویسے تم سبزی بنانے کے زیادہ پیسے لیتی ہو۔''

رضوانہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ نازنین نے اسے گھورا مگر کہا کچھ نہیں۔

''نیلے گیٹ والی سبین کا پتا ہے؟ وہی لمبی اور گوری سی؟'' اچانک رضوانہ نے مدھم لہجے میں سوال کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ تو اماں کی پسندیدہ باجی ہیں۔ بہت کام دیتی ہیں شاید اس لیے۔'' وہ مسکرا کر بتانے لگی۔

''اچھا! کون سے کام؟'' رضوانہ کے تجسس کو پر لگ گئے تھے۔

'پچھلے دنوں ان کے میکے والے رہنے آئے تھے تو انھوں نے.....!''

نازنین نے وہ ساری تفصیل بتادی جو اسے ہاجرہ سے پتا چلی تھیں۔ رضوانہ سنتی رہی اور پھر سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔ نازنین پیسے گنتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''تم اچانک؟''

سبین نے دروازے پر، اپنی چھوٹی نند کو چار عدد تیز اور شور مچاتے بچوں کے ساتھ دیکھا تو گھبرا گئی۔ سامنے والی منہ بنائی گھر میں داخل ہوئی اور کرسی پر بیٹھ کر واویلا شروع کردیا۔

''کسی کو احساس نہیں کہ چھوٹی بہن کس مشکل سے اپنا وقت کاٹ رہی ہے۔ میں نے تو بھائی کے محلے میں، یہ سوچ کر کرائے پر گھر لیا کہ ساتھ رہیں گے تو خبر گیری ہوتی رہے گی مگر کہاں جی! فرصت ملے تو بہن کا خیال آئے ناں!''

وہ شکوے کرتی رہی۔ سبین جلدی سے چائے کا انتظام کرنے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے چاروں بچوں نے چند لمحوں میں وہ اودھم مچایا کہ گہری نیند سویا فرخ، گھبرا کر اٹھا اور جلدی سے باہر آیا۔

بہن کو دیکھتے ہی ٹھٹک گیا جبکہ بچے ماموں کو دیکھتے ہی سرپٹ دوڑے، جیسے اولمپک کی ریس میں شامل ہوں اور اس سے لپٹ گئے۔

فرخ نے بمشکل خود کو محبت کے اس عملی مظاہرے سے چھڑایا اور بہن کے پاس بیٹھ گیا۔ جو مسلسل بھائی سے خیال نہ رکھنے کا شکوہ کررہی تھی۔

فرخ نرمی سے سمجھاتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ چھوٹی بہن کی عادتیں کیسی ہیں، سبین چائے کی ٹرالی سیٹ کرکے لائی تو لوازمات سے سجی ٹرالی پر نگاہ ڈالتے ہی اس کا منہ مزید بن گیا۔

''اتنے دنوں کے بعد یہاں آنا ہوا اور پھیکی چائے ملی جبکہ بھابھی صاحبہ تو کھلے ہاتھوں سے پیسہ لٹاتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں فروزن آئٹم سے فریزر بھرا ہے مگر نند کے لیے بسکٹ اور کیک ہی رہ گئے تھے۔''

اس کے کہنے پر فرخ چونکا۔ اسے یاد آیا کہ سبین نے اپنے میکے والوں کی بہت اچھی خاطر مدارت کی

www.pklibrary.com

تھی۔ اسے بہن کی بات درست لگی تو ایک دم غصے میں آ گیا۔

"کیا سب کچھ اپنے گھر والوں کو کھلا دیا ہے؟ میری بہن کے لیے کچھ نہیں بچا؟"

وہ ایک دم دھاڑا۔ سبین گھبرا گئی۔ فرخ غصے میں بولتا وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے پیچھے سبین بھی تھی۔ اندر کمرے سے لڑائی کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ لاؤنج میں خاموشی چھائی ہوئی تھی کیونکہ آنے والے مہمان لوازمات سے انصاف کرتے ہوئے ارد گرد کا ہوش بھول گئے تھے۔

کچھ دیر کے بعد فرخ کمرے سے باہر نکلا جبکہ سبین کمرے میں بند رو رہی تھی۔

"آؤ رضوانہ! تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ راستے سے بچوں کا من پسند کھانا بھی لے دوں گا۔"

بہن کا دکھی دل بہلاتے ہوئے، وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر گھر سے باہر نکل گیا۔ رضوانہ نے مطمئن نگاہ پہلے کمرے کے بند دروازے اور پھر خالی ٹرالی پر ڈالی اور پرس لہراتی باہر کی طرف چل پڑی۔ اس دن نازنین سے لی گئی معلومات نے آج اسے بہت فائدہ پہنچایا تھا۔

☆☆☆

"اب دوبارہ میرے گھر مت آنا۔"

کچھ دن بعد ہاجرہ، سبین سے ملنے آئی، کیوں کہ کافی دنوں سے اس نے کسی کام کے لیے نہیں بلایا تھا۔

"مگر کیوں؟" ہاجرہ حیران رہ گئی۔ سبین کا موڈ سخت بگڑا ہوا تھا۔ ورنہ وہ کبھی اس لہجے میں بات نہیں کرتی تھی۔ سبین نے غصے میں ساری بات بتائی۔

"صرف آپ ہی باہر کی بندی تھیں جسے پتا تھا کہ میرے گھر میں کیا آتا ہے، کس مقدار میں بنتا ہے۔ رضوانہ کو آپ نے ہی بتایا اور اس نے ہمیشہ کی طرح فساد ڈالنے میں لمحہ نہیں لگایا۔" سبین کہتے ہوئے رو پڑی۔ ہاجرہ کو سخت افسوس ہوا۔

"میں رضوانہ کو آپ کے گھر دیکھ چکی تھی۔ اس لیے ان کے مزاج کو جانتی تھی۔ رضوانہ سے میں نے کوئی بات نہیں کی مگر میری بہو۔۔۔!"

ہاجرہ نے مدھم لہجے میں کہا۔ سبین کا سنتے ہی پارہ چڑھ گیا۔

"آپ کی بہو نے اگر کام کرنا ہے تو پہلے یہ اصول سیکھے کہ ایمان داری کے ساتھ ساتھ، رازداری پہلی شرط ہوتی ہے۔ گھروں کے کام کرتے ہوئے، گھروں کے پردے بھی رکھنے پڑتے ہیں۔"

اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ہاجرہ نے سر ہلایا اور گھر کی راہ لی۔ آج پہلی بار، اسے اپنی نخریلی بہو پہ شدید غصہ آیا تھا جس کی لاپروائی نے یہ دن دکھایا۔

☆☆☆

"تم بولتے ہوئے بالکل نہیں سوچتیں کہ کون سی بات کرنی ہے اور کون سی نہیں؟ کتنی بار سمجھایا تھا کہ کسی کی بات یہاں سے وہاں مت کرو مگر تم کسی کی سنتی نہیں ہو۔"

رات کو لگی عدالت میں ہاجرہ پھٹ پڑی۔ نازنین کا منہ بھی سوجا ہوا تھا۔ ساس سے دوپہر میں بھی بحث ہو چکی تھی۔ سہیل اور عبداللہ پریشان بیٹھے تھے۔

"آپ کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس اب زیادہ کام ہے۔ آپ کے پرانے جاننے والے بھی مجھ سے کام کرواتے ہیں کیونکہ میں بہت جلدی کام کر لیتی ہوں۔ آپ سے یہ بات ہی برداشت نہیں ہو رہی۔" بدتمیزی سے کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔

"اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں تو سب کا اعتماد کھو دو گی۔ میرا ایمان ہے کہ ہمارے نصیب کا ہمیں ہی ملتا ہے۔ مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں۔"

ہاجرہ نے سنجیدگی سے کہا مگر وہ ہونہہ کہہ کر چلی گئی۔ سہیل بھی بیوی کے پیچھے اٹھ کر چلا گیا۔ عبداللہ نے پرسوچ نگاہ بیوی پر ڈالی۔

"بچی ہے۔ سمجھ جائے گی۔ پریشان مت ہو۔" عبداللہ نے نرمی سے کہا۔ ہاجرہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

کچھ مہینے ایسے ہی گزر گئے۔ سبین اب ان سے کام نہیں کروائی تھی۔ اس لیے رضوانہ کو اس کے گھر کی کوئی خبر نہیں ملتی تھی مگر وہ نازنین سے محلے کے دوسروں گھروں کے بارے میں پوچھتی رہتی۔ نازنین اپنی بے وقوفی میں سب بتا دیتی۔ رضوانہ کو لگائی بجھائی کی عادت تھی۔ دوسرا اس میں ٹوہ لینے کی بری عادت تھی۔ جلد ہی اس عادت کی وجہ سے رضوانہ کی کئی گھرانوں سے ان بن ہوگئی۔ وجہ وہی بنی کہ ان کے گھر کی باتیں، رضوانہ کو کیسے پتا چلیں جس پر وہ شدید غصہ میں تھے۔

سبین نے اپنے گھر قرآن خوانی کروائی جہاں ہاجرہ اور نازنین بھی شامل تھیں۔ رضوانہ اپنے سسرال گئی ہوئی تھی اس لیے شامل نہیں ہوسکی۔ محلے کی خواتین فارغ ہوتے ہی باتیں کرتے ہوئے رضوانہ کا ذکر کرنے لگیں۔ سب کو ہی اس سے شکوے تھے۔ سبین جانتی تھی کہ رضوانہ کو سب خبریں نازنین ضرور دے گی۔ جو بہت غور سے سن رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں وہاں سے چلی گئیں تو خواتین کا موضوع گفتگو وہ دونوں بن گئیں۔ سب خواتین نازنین کے کام کی تعریف کر رہی تھیں مگر سبین اس سے متفق نہیں تھی۔

"رضوانہ سے زیادہ غلطی اس لڑکی نازنین کی ہے۔ جس پر اعتبار کر کے ہم اپنے گھر کے اندر بلاتے ہیں۔ کام دیتے ہیں۔ گھر کے اندر آنے والا شخص، گھر کی بہت سی خوبیوں اور خامیوں کو جان جاتا ہے۔ میں نے تو اسی وجہ سے پہلے ان سے کام لینا بند کر دیا تھا مگر پھر مجھے یاد آیا کہ اتنے سال ہاجرہ بی بی نے اکیلے کام کیا۔ کبھی کوئی بات یہاں سے وہاں نہیں ہوئی۔ جب سے نازنین نے اپنا کام شروع کیا۔ محلے میں لڑائیاں ہونے لگیں۔ کیونکہ اسے لگائی بجھائی کی عادت ہے۔ بھئی کام بھلے دیر سے ہو مگر میں تو ہاجرہ سے ہی کرواتی ہوں۔ کم از کم گھروں کے پردے رکھنا تو جانتی ہے نا!"

سبین کے دوٹوک انداز نے سب کو چونکا دیا۔ اگلے دن نازنین حیران رہ گئی، جب محلے کے زیادہ تر گھرانوں نے اس کے بجائے ہاجرہ بی بی کو کام دیا۔

مزید کچھ دن گزرے جب نازنین کے پاس بالکل کام نہیں رہا تھا۔ اس دوران رضوانہ نے یہاں سے دور ایک سوسائٹی میں گھر لے لیا۔ سبین نے سکھ کا سانس لیا اور اس کی طرح کئی لوگوں نے بھی جو اس کے شر سے تنگ تھے۔

☆☆☆

حالات کی تنگی نے نازنین کے ہوش اڑا دیے۔ آگے پیچھے ہوئے دو بچوں کی وجہ سے ضروریات کا پہاڑ، سامنے کھڑا تھا جسے سہیل کے لیے اکیلے سر کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی تو تھی نہیں کہ کوئی نوکری کر لیتی۔ اسے اکثر افسوس ہوتا کہ اچھا بھلا چلتا ہوا کام، اس کی حماقت کی وجہ سے بند ہوگیا جبکہ ہاجرہ بی آج بھی کام کر رہی تھی بلکہ اب تو اسے فرصت ہی کم ملتی۔ ہاجرہ جانتی تھی کہ نازنین پریشان رہتی ہے۔ ایک دن اس نے نازنین سے بات کرنے کی ٹھانی۔

"میرے پاس کام بہت ہے مگر ہمت اب کم ہو رہی ہے، اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم دونوں مل کر کام کر سکتے ہیں۔ پیسے آدھے آدھے۔"

ہاجرہ کے منہ سے نکلے لفظوں نے نازنین کو ساکت کر دیا۔ کتنی ہی دیر وہ سوچتی رہی کہ اس کے برے رویے کے باوجود بھی، ہاجرہ کا دل کتنا بڑا ہے شاید اپنے بیٹے یا پوتے پوتی کی فکر میں وہ اسے ایک اور موقع دینا چاہتی تھی۔ جو بھی تھا، اب کی بار اس نے منع نہیں کیا۔

"ٹھیک ہے۔ آج سے ہی کام شروع کرتی ہوں۔"

نازنین نے جلدی سے کہا جیسے اگر وہ تھوڑی دیر بھی کرتی تو ہاجرہ یہ آفر واپس لے لیتی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر سبزی بنانے لگی۔ ہاجرہ مسکرائی اور مطمئن ہو کر سامنے رکھی سبزی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ آج پہلی بار دونوں ساس بہو دوستانہ انداز میں باتیں کرتے ہوئے کام کر رہی تھیں۔ ہاجرہ کو یقین تھا کہ اب کی بار نازنین دوسروں کے گھروں کے پردے، کسی اجنبی کے سامنے نہیں اٹھائے گی۔

☆☆

www.pklibrary.com

حمیرا شفیع

ہاؤس وائف

برسات کا موسم ہو اور گھر میں شام کی چائے کے ساتھ پکوڑے نہ بنیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ سارا گھرانہ چنورے افراد سے بھرا پڑا تھا، جن میں مزید ایک فرد یعنی ماموں میاں کا بھی اضافہ ہو چکا تھا جو چند روز قبل ہی، بیرون ملک سے تشریف لائے تھے۔

اس وقت وہ ان ہی کی فرمائش پر کچن میں کھڑی نمکین کے ساتھ ساتھ، میٹھے پکوڑے بھی تل رہی تھی جبکہ ماموں جی، ٹی وی لاؤنج میں اماں جی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اس نے سلیقے سے ٹرے سجائی اور وہاں چلی آئی۔

"جیتی رہو بہو، چائے کے ساتھ گرما گرم پکوڑے، واہ بھئی واہ! یہ مزے پردیس میں کہاں" وہ چٹخارہ لیتے ہوئے بولے۔

"کیوں بھئی! وہاں تمہارے ہاں پکوڑے کیوں نہیں بنتے.....؟ پابندی ہے کیا.....!" اماں جی نے اچنبھے سے پوچھا۔

"پابندی تو کوئی نہیں۔ بس کسی کے پاس اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا ڈبے میں بند ملتے ہیں پکوڑے اوون میں گھما کر کھالو، تازہ خستہ پکوڑوں کا مزا کہاں....." وہ چٹنی میں ڈبو کر پکوڑا کھاتے ہوئے مزے سے بولے۔

"اچھا! اب احتیاط سے کھانا، کہیں بی پی نہ بڑھا لینا اپنا۔"

"ارے! بہو رانی کے ہاتھ میں ذائقہ ہی اتنا ہے کہ خود پر کنٹرول نہیں رہتا۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ دوائیاں لایا ہوں میں اپنی۔ اچھا نفیسہ! یہ تو بتاؤ کہ تمہاری باقی دو بہوؤں سے ملاقات کب ہوگی....."

"بھیا! وہ دونوں بہت مصروف ہوتی ہیں۔ نوکری کرتی ہیں ماشاء اللہ سے، ایک کالج میں اکنامکس کی لیکچرر ہے اور دوسری والی فزیوتھراپسٹ ہے۔" ان کا لہجہ ایک دم فخریہ سا ہوا۔ وہ ویک اینڈ پر باری باری دونوں تمہارے اعزاز میں دعوت کریں گی پھر مل لینا ان سے بھی۔ یہ اپنی فاریہ تو ہاؤس وائف ہے نا۔ اسی لیے ہمہ وقت گھر پر ہی ہوتی ہے۔"

انہوں نے ہاؤس وائف کا لفظ یوں ادا کیا جیسے ہاؤس وائف ہونا خدانخواستہ کوئی گھٹیا بات ہو۔ ایک لمحے کے لیے اس کا کپ میں چائے ڈالتا ہاتھ کانپا۔ پھر جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

بات تو معمولی سی تھی مگر نجانے ہر بار کیوں دل کو

www.pklibrary.com

☆☆☆

ٹھاہ کر کے لگ جاتی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیتی تھیں۔ اکثر سراہتی بھی تھیں مگر کسی سے تعارف کرواتے ہوئے، ان کا لہجہ نجانے کیوں اس کے لیے پست ہو جاتا تھا کہ اسے خود ہی اپنی ذات ہلکی لگنے لگتی تھی۔

اس نے فقط انٹر ہی کیا تھا، جب ایک تقریب میں وہ اماں بی کو اپنے بیٹے کے لیے بھا گئی۔ انہوں نے جھٹ رشتہ ڈال دیا۔ اس کی بیوہ ماں کے اپنے خدشات تھے انہوں نے جھٹ رشتہ قبول بھی کر لیا۔

"اماں! میرا بی ایس....." اس نے بہتیرا احتجاج کیا۔

"شادی کے بعد پڑھتی رہنا۔" وہ خاطر میں نہ لائیں۔

یوں جہیز کے ٹرنک میں وہ بی ایس کی کتابیں بھی لے کر گئی تھی مگر سال بھر بعد، جڑواں بچوں کی ماں بن گئی۔ شوہر بھی فارسٹ آفیسر تھے۔ دور افتادہ علاقے میں پوسٹنگ ہوتی تھی۔ وہ سسرال والوں کے ہمراہ رہتی تھی۔

بڑی بہو ہونے کے ناتے ہزار ذمہ داریاں تھیں۔ گھر میں مہمان داری بھی بہت رہتی تھی۔ یوں کہاں کا بی ایس اور کہاں کی کتابیں۔

دونوں چھوٹے دیوروں کی دفعہ، اماں بی ان کی خواہش پر نوکری پیشہ لڑکیاں بیاہ کر لائیں مگر وہ مستقل اسی کے ہمراہ رہتی تھیں۔ کیونکہ وہ دونوں تو سویرے اپنے کام پر چلی جاتی تھیں۔ ان کے پیچھے گھروں میں نوکر دندناتے پھرتے تھے۔ وہاں ان کا دل ہی نہیں لگتا تھا ہاں البتہ کسی آئے گئے کے سامنے وہ فخریہ انداز میں تذکرہ ان ہی کا کرتی تھیں۔

"ماشاء اللہ سے ہزاروں کما رہی ہیں دونوں، اتنی مہنگائی میں ایک بندے کی کمائی سے کیا بنتا ہے۔"

وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ میاں سے تذکرہ کرتی تو وہ اس کی باتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیتے۔

"چھوڑو یار، تم تو میرے دل اور گھر دونوں کی رانی ہو۔ بس یہی کافی ہے۔"

جناح کالونی میں اماں کی بہن رہتی تھیں۔ انہوں نے ماموں میاں کی دعوت کی۔ واپسی پر ان کی چکنی سیڑھیوں سے اماں بی کا پاؤں پھسل گیا۔ ماموں میاں نے سنبھالنے کی بڑی کوشش کی مگر ان کا وجود بھاری تھا۔ لڑھکتی ہوئی نیچے گریں۔ شدید چوٹ آئی۔ فوراً ایمرجنسی لے جانا پڑا۔

ایکسرے پر پتا چلا کہ کولہے کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ ڈاکٹر نے آپریشن تجویز کیا۔ فاریہ کے میاں بھی افتاں و خیزاں چھٹی لے کر آ پہنچے۔ آپریشن ہوا۔ ٹانگ میں راڈ ڈالی گئی اور وہ مستقل بستر پر آ گئیں۔ اب تو ہلنے جلنے حتیٰ کہ رفع حاجت کے لیے بھی، فاریہ کی محتاج تھیں۔ وہ بھی بوکھلائی ہوئی تھی۔

اوپر سے عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا تھا۔ اس کے اپنے بھی تین چھوٹے بچے تھے۔

خیر اس نے ہمت نہ ہاری اور تن دہی سے جتی رہی۔

چھوٹی دو بہوؤں کو تو فرصت ہی نہ تھی۔ فزیو تھراپسٹ نے تو دو چار چکر لگا کر، کچھ ایکسائز سمجھائیں اور کروانے کی ذمہ داری، فاریہ پر ڈال کر چلتی بنیں۔ جبکہ لیکچرار نے محض ایک آدھ بار سوپ اور کھچڑی بھیج کر اپنا فرض پورا کیا۔

فاریہ سارا دن گھن چکر بنی رہتی۔ ایک پاؤں اماں کے بیڈ روم میں ہوتا اور دوسرا کچن میں، رات کو بھی ان ہی کے پاس سوتی، اتنے میں ماموں جان کے واپسی کے دن قریب آ گئے۔

"نفیسہ بہن! میرا تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر جانے کو دل تو نہیں کرتا مگر کیا کروں مجبوری ہے۔ اگر نہ گیا تو میرا ویزا ایکسپائر ہو جائے گا۔" وہ سخت دل گرفتہ تھے۔

"مگر مجھے تسلی ہے کہ فاریہ جیسی ذمہ دار اور مخلص بچی کو تمہارے پاس ہے۔ بس ہمت نہ ہارنا۔ ان شاء اللہ تم جلد اپنے پاؤں پر چلنے لگو گی۔" پھر چلتے سے بولے۔

www.pklibrary.com

''دیکھو نفیسہ! انسانوں کو عہدوں اور رتبوں میں نہیں تولتے، اصل چیز خلوص اور محبت ہے جو ہزاروں، لاکھوں پر بھاری ہوتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بچی نے تن تنہا سارا گھر بار کس خوش اسلوبی سے سنبھال رکھا ہے۔ جو کام دوسری دو اجرت پر کرواتی ہیں، یہ اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی ہے۔ انسان کو فراخ دلی سے دوسروں کی خوبیوں کو تسلیم کرنا چاہیے۔''

وہ دبے لفظوں سے بہت کچھ سمجھا رہے تھے اور وہ بخوبی سمجھ بھی رہی تھیں۔

☆☆☆

ٹھیک تین ماہ، بعد ان کے کولہے کی ہڈی اچھی طرح سے جڑ گئی۔ اب وہ باآسانی اسٹک کے سہارے چلنا پھرنا شروع ہو چکی تھیں۔ اس خوشی میں ان کے بیٹے نے خاندان بھر کی دعوت کی تھی۔ رات کو فاریہ بیٹھی سوداسلف کی لسٹ بنا رہی تھی۔

''آپ مینیو فائنل کردیں۔ تاکہ ایک بار ہی سب سامان آجائے۔'' وہ کچھ فکرمندی سے بولی۔

''بیگم! کچھ بھی منگوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابا کے خاندانی نائی کو آرڈر دے دیا ہے۔ وہ سب کچھ تیار کردے گا۔''

''کیا واقعی.....؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں واقعی'' پھر وہ اس کے قریب بیٹھ گئے اور اس کے ہاتھوں کو نرمی سے اپنے ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولے۔

''فاریہ! میں چاہتا ہوں کہ تم اس بار ہر ذمہ داری سے آزاد ہو کر یہ پارٹی انجوائے کرو۔ بہت تھک چکی ہو۔ جس طرح تم نے اماں کو سنبھالا ہے نا میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔''

''ارے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ تو میرا فرض تھا۔'' وہ بری طرح سے جھینپ گئی۔

''نہیں تمہارا فرض نہیں تھا۔ میرا اور نسرین، پروین (بہنیں) کا بھی فرض تھا مگر ہم وقت نہ نکال سکے۔''

وہ محبت سے چور، لہجے میں کہہ رہے تھے اور اسے اپنا آپ بڑا معتبر سا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

دعوت بے حد شان دار رہی۔ مہمان کھانے کے بعد خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ خاندان کی خواتین اماں کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ وہ کچن میں تھی جب بچے بلانے آئے کہ دادی اماں بلا رہی ہیں۔ باہر آئی تو محفل جمی ہوئی تھی۔

''ادھر آؤ فاریہ!'' اماں بی نے محبت سے پکارا۔ وہ قریب آئی تو انہوں نے اسے اپنے بالکل پاس بٹھایا اور بولیں۔

''یہ جو آج میں اپنے پاؤں پر چلنے لگی ہوں۔ یہ رب کی مہربانی کے بعد اس بچی کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اجر دے گا مگر ایک چھوٹا سا انعام میں بھی دینا چاہتی ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹا سا ویلوٹ کا ڈبہ نکال کر اسے کھولا تو اندر چوڑیاں جگر جگر کر رہی تھیں۔

''یہ ہماری خاندانی چوڑیاں ہیں۔ میری دادی ساس نے مجھے چڑھائی تھیں۔ میں نے بھی سنبھال رکھی تھیں کہ اپنے پوتوں کی دلہنوں میں بانٹ دوں گی۔ مگر ابھی تو وہ وقت بہت دور ہے۔''

وہ ذرا سا مسکرائیں اور ادھر ادھر دوڑتے بھاگتے اپنے کمسن پوتوں کو دیکھا۔

''پھر جانے کس کے نصیب میں خوشیاں دیکھنا لکھا ہو۔ فاریہ چونکہ گھر کی بڑی بہو ہے اس لیے میں یہ چوڑیاں اسی کو پہنا رہی ہوں۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے آنکھوں کو خیرہ کرتی چوڑیاں فاریہ کی نازک کلائی میں ڈال دیں۔ کچھ من چلوں نے سیٹیاں اور تالیاں بجانی شروع کردیں۔

فاریہ نے نم آنکھوں سے اماں بی کو دیکھا تو انہوں نے لپک کر اسے گلے لگالیا۔ خاندان بھر کی خواتین، ساس بہو کی اس انوکھی محبت کو کچھ حیرت اور رشک سے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆

www.pklibrary.com

راشدہ رفعت

خوالہ خالہ ماموں ماموں

"تمہاری فیملی کے کسی بھی فنکشن میں شرکت کر کے میرے دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں۔"

اسد کے کہنے پر زوبیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ ابھی ابھی زوبیہ کے ماموں کی چھوٹی بیٹی کی منگنی کا فنکشن اٹینڈ کر کے لوٹے تھے۔ ہر بار کی طرح اسد اس بار بھی ،زوبیہ کے میکے کی گیدرنگ میں جا کر چکرا گیا تھا ایک تو سب کی شکلیں ملتی جلتی تھیں، اس سے زیادہ ان کے نام اچھے بھلے بندے کو کنفیوز کر دیتے تھے۔

"دو سال ہونے کو آئے ہیں ہماری شادی کو اور آپ سے ابھی تک میرے خاندان والوں کے نام یاد نہیں ہو سکے ہیں، آپ کے دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں تو قصور آپ کے کمزور دماغ کا ہے۔ اگر تیز دماغ اور اچھی یادداشت کے مالک ہوتے تو اپنے دونوں بھائیوں کی طرح آپ بھی الیکٹریکل انجینئر ہوتے محض الیکٹرونکس کے سامان کی دکان نہ کھولے بیٹھے ہوتے۔"

جب سے زوبیہ نے اس کی تعلیمی اسناد دیکھی تھیں وہ اسے نکھے پن کا طعنہ دینا نہ بھولتی تھی۔

الیکٹریکل انجینئر ہوتا تو بیوی بھی کوئی ڈاکٹر انجینئر ہی لاتا ناں۔

"تمہارا کیا بنتا پھر" اسد نے اسے چھیڑا۔

"خوش فہمی ہے آپ کی جوان چند بالوں کے ساتھ کوئی ڈاکٹر، انجینئر مل جاتی آپ کو" جوابی طنز میں زوبیہ کیوں پیچھے رہتی۔

"جب تم سے شادی ہوئی تو اس سر پر بہت گھنا ناں سہی مگر درمیانہ سا گھنا ایک جنگل ضرور موجود تھا۔ یہ تم سے شادی کی کرامات ہیں کہ یہ جنگل اب ایک چٹیل میدان بنتا جا رہا ہے۔"

"بس ادھر ادھر کی اول فول ہانکتے جائیں گے آپ، پورے فنکشن میں ہر کسی نے اتنی تعریفیں کیں میری، میں آپ کی ایک ستائشی نگاہ کی منتظر رہی مگر آپ کا دھیان ہی جانے کدھر تھا۔" زوبیہ نے دکھڑا رویا۔

"دھیان کہاں ہوتا تھا۔ دماغ پر زور ڈال ڈال کر تمہارے رشتہ داروں کے نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بار بار بھول جاتا ہوں کہ تمہاری رائقہ باجی کون سی ہیں اور فائقہ باجی کون سی اور پھر یہ کہ ملتی جلتی شکلوں والے دو بندوں میں سے لائق نامی بندہ کون سا ہے اور کیا وہ لائقہ کے شوہر نامدار ہیں یا فائقہ کے، اگر وہ لائقہ باجی کے میاں ہیں تو فائقہ باجی کے میاں تو فائق بھائی ہوئے ناں تو پھر وہ دونوں نٹ کھٹ سے بچے، فائقہ باجی کو مما تو فائق بھائی کو ماموں کیوں کہہ رہے تھے۔"

اسد نے تو ایکٹنگ کی حد ہی کر دی، شادی کے شروع میں تو وہ واقعی کنفیوز ہو جاتا تھا لیکن اب ان ناموں کو لے کر اس کا الجھنا سراسر بیوی کو چھیڑنے کے لیے ہوتا تھا۔

شادی کے اولین دنوں میں تو زوبیہ بھی شوہر کو یہ الجھے رشتے سمجھانے کی بھرپور کوشش کرتی تھی۔ بڑی مامی اور چھوٹی مامی دونوں سگی بہنیں تھیں۔ بڑی مامی کے ہاں پہلوٹھی کے بیٹے لائق تھے تو چھوٹی مامی

www.pklibrary.com

ناولٹ

نے اپنے لختِ جگر کا نام فائق رکھ دیا۔ بڑی امی کے ہاں بیٹی ہوئی تو بھائی کی مناسبت سے وہ لائقہ کہلائیں دوسری طرف فائق کی چھوٹی بہن فائقہ دنیا میں تشریف لے آئیں۔ لائق، لائقہ بہن بھائی تو فائق فائقہ، لیکن جوان ہونے پر دونوں سگی بہنوں نے اپنا بہناپا مزید مضبوط کرنے کے لیے وٹے سٹے کے رشتے طے کردیے۔ لائقہ فائق کی دلہن بنیں تو دوسری دلہن فائقہ لائق کہلوائیں۔

یہ کوئی ایسا بھی گورکھ دھندا نہ تھا جو اسد کی عقل میں نہ سماتا۔ مانا کہ ان میاں بیوی کی شکلیں فرسٹ کزنز ہونے کی وجہ سے اتنی ملتی جلتی تھیں، کہ پہلی بار دیکھنے پر بہن بھائی کا گمان ہونے لگتا لیکن اب تو اسد کو ان لوگوں سے ملتے ایک عرصہ بیت گیا تھا۔ بیوی کو چھیڑنے کے لیے کی گئی اس کی اوورایکٹنگ زوبیہ کو صحیح معنوں میں تپا دیتی تھی۔

"ویسے بیگم یہ بھی شکر ہے کہ تمہارے بڑے

www.pklibrary.com

ماموں کے ہاں راحمہ پیدا ہوئی تو دوسری طرف کوئی راحم تشریف نہ لایا ورنہ صورت حال مزید گمبھیر ہوجاتی۔"

"بس بولتے رہیں آپ میں نہیں تپ رہی۔" زوبیہ اس کا ارادہ بھانپ چکی تھی سو بہت مشکل سے خود کو ٹھنڈا کیا۔ "ویسے تمہارے خاندان کی جو سب سے معقول خاتون ہیں تم لوگوں نے ان کا نام بھی چن کرا یسا رکھا ہے کہ زبان خود بخود بل کھا جائے۔ ایمان سے یار، تمہاری فیملی کی خواتین کے نام تو کسی ٹی وی کے گیم شو میں ٹنگ ٹوئسٹر کے طور پر بھی استعمال ہوسکتے ہیں۔"

اسد کو زوبیہ کا پھولا پھولا منہ لگتا ہی اتنا پیارا تھا کہ وہ اسے چھیڑنے سے باز نہ آتا تھا۔

"خاندان کی سب سے معقول خاتون مطلب؟" زوبیہ نے ناسمجھی سے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"تمہاری خولہ خالہ کی بات کر رہا ہوں بھئی!"

"اب خولہ نام میں کیا مسئلہ ہے۔ میری اتنی پیاری خالہ کا اتنا ہی پیارا نام ہے۔"

"بالکل بھئی بالکل، میں بھی تو یہ ہی کہہ رہا ہوں خالہ بھی پیاری نام بھی پیارا، لیکن جب خالہ کو ان کے نام سے پکارا جائے تو تین چار بار ہی ان کا نام لینے کے بعد زبان بل کھا جاتی ہے۔ تم خود تجربہ کرو۔ جلدی جلدی بول کر دیکھو خولہ خالہ، خولہ خالہ، خالی خولہ خالو خالہ..... دیکھا ناں زبان کیسے لڑکھڑائی۔" اسد نے عملی ثبوت فراہم کرتے ہوئے بیوی کی بھی تائید چاہی۔

"او کے مان لیا خولہ خالہ، لائقہ فائق اور فائقہ لائق جیسے نام ٹنگ ٹوئسٹر کے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں تو ایسی کوئی مثال اپنے خاندان سے کیوں نہیں ڈھونڈ رہے آپ۔" زوبیہ چمک کر بولی۔

"ارے نہیں یار، ہمارے خاندان کے ناموں میں ایسی یگانگت کہاں، ہمارے تو میاں بیوی کے ناموں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے مزاجوں میں۔ میں اسد تم زوبیہ، بھائی جان مطیع الرحمٰن بھابھی نرگس، بھیا ہاشم تو بھابھی۔"

"بس اپنے بھائی بھاوجوں کی مثالیں دیتے رہیں گے۔ ماموں ماموں کو بھول گئے ذرا ایک سانس میں لے کر دکھائیں دس بار ان کا نام۔ زبان نہ پلٹی تو میرا نام بدل دیجیے گا۔"

زوبیہ نے کیا چن کر مثال ڈھونڈی تھی۔ اسد چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا تھا پھر سر کھجا کر ہنس پڑا۔

"اتنا خوب صورت تمہارا نام ہے۔ بدل کر کیا کروں گا جان، ہار ہی مان لیتا ہوں۔" اس کے کہنے پر زوبیہ کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ویسے بھی سیانے کہتے ہیں کہ بیوی سے بحث کرنا درجہ دوم کی حماقت اور اس بحث میں جیت جانے کی آرزو رکھنا اول درجے کی حماقت ہے۔ میں تو بس یہ چھیڑ چھاڑ تمہاری اس خوب صورت مسکراہٹ دیکھنے کی خاطر کرتا ہوں۔ قسم سے یوں مسکراتے ہوئے سیدھا دل میں اتر جاتی ہو۔" وہ اب رومینٹک ہونے لگا۔

"بس رہنے بھی دیں"۔ زوبیہ جھینپ کر ہنس پڑی تھی۔

"رہنے کیوں دیں زوجہ محترمہ۔ بس ایک کپ کڑک سی چائے پلا دیں پھر اس حسین مسکراہٹ کو کھل کر سراہیں گے۔" اس نے فرمائش کی۔

"کپڑے چینج کرلوں پھر بناتی ہوں چائے۔ اللہ جانے اتنی اسٹرانگ چائے پی کر آپ کو نیند کیسے آتی ہے۔" زوبیہ مزید بحث کیے بنا ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی۔

"نام نہاد سیانوں سے کم سیانا میں بھی نہیں ہوں۔ بنا تعریف کیے رات کے اس پہر اتنی آسانی سے چائے کب ملنے والی تھی۔" اسد دل ہی دل میں خود کو داد دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔

☆☆☆

مامون ماموں کو کیا یاد کیا اگلے روز وہ خود ہی آگئے۔ اسد لنچ ٹائم میں گھر آیا ہوا تھا جب ہی مامون

www.pklibrary.com

ماموں گھر پہنچے۔

"تمہاری دکان پر گیا تھا بھانجے! پتا چلا لنچ کے لیے گھر گئے ہو میں نے سوچا چلو ہم بھی گھر ہی چلتے ہیں۔ زوبیہ بیٹی سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور تمہارے ساتھ کھانا بھی کھا لیں گے۔"

"ہائے اللہ ماموں! آپ آنے سے پہلے فون کر دیتے تو میں کچھ اچھا سا پکا لیتی۔ آج تو میں نے صرف دال چاول بنائے ہیں۔"

زوبیہ کو حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ سسرالی عزیزوں میں اسے شفیق سے مامون ماموں سب سے اچھے لگتے تھے لیکن وہ کبھی بھی ان کی ڈھنگ سے خاطر نہ کر پائی تھی۔ پندرہ بیس دن بعد وہ یونہی بنا بتائے لنچ یا ڈنر کے وقت آ جاتے اور انتہائی رغبت سے گھر کی ہی دال سبزی کھا کر اسے دعائیں دیتے چلے جاتے۔

"اسد! آپ یوں کریں چکن لا دیں میں چکن کڑھائی جھٹ پٹ بنا لوں گی۔" زوبیہ نے اسد کو مخاطب کیا۔

"کوئی چکن کڑاہی شڑھائی نہیں۔ میرے لیے تو گھر کے بنے دال چاول ہی مرغ متنجن سے کم نہیں۔ بس تم فٹافٹ دستر خوان لگاؤ دال چاول کے نام سے ہی میری بھوک چمک اٹھی ہے۔"

وہ بے تکلفی سے بولے۔ زوبیہ سر ہلاتی کچن میں گھسی۔ اسد بھی اس کی مدد کے خیال سے وہیں آ گیا۔

"تم برتن نکالو، میں سلاد بناتا ہوں۔ ماموں سلاد ضرور لیتے ہیں۔"

"بتا کر آتے تو میں کچھ اچھا پکا لیتی۔ اتفاق سے جب بھی ماموں آتے ہیں ہمارے ہاں دال سبزی ہی بنی ہوتی ہے۔" زوبیہ کا قلق ختم نہ ہو رہا تھا۔

"تم ٹینشن نہ لو یار۔ ماموں بازاری کھانے کھا کھا کر اتنا اکتا چکے ہیں کہ انہیں گھر کی ان سادہ چیزوں کی ہی طلب ہوتی ہے۔ اور تمہارے ساتھ تو تکلف برت بھی لیں میرے ساتھ تو ان کا کوئی ایسا تکلف کا رشتہ نہیں ہے ناں۔ کوئی خاص فرمائش کرنی ہو تو مجھے تو کہہ سکتے ہیں ناں۔"

اسد نے اس کی ٹینشن دور کرنا چاہی۔ زوبیہ سر ہلاتے ہوئے مستعدی سے کھانا لگانے لگی۔

"ویسے ماموں! ماشاءاللہ آپ کی عمر بہت لمبی ہے کل ہی آپ کی بہو آپ کو بہت یاد کر رہی تھی۔" کھانے کے دوران اسد کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی تھی۔

"کیوں بیٹا جی! ماموں کیوں یاد آ رہے تھے؟" رغبت سے کھانا کھاتے مامون ماموں نے دریافت کیا۔

"بس آپ کے نام کی انفرادیت کا ذکر ہو رہا تھا۔" اسد نے زوبیہ کو شرارتی نگاہوں سے دیکھا، زوبیہ کو پتا تھا کہ وہ اب یہ ہی موضوع لے کر اسے چھیڑتا رہے گا اس لیے اس نے خود ہی سارا قصہ کہہ سنایا، مامون ماموں نے خوب لطف لیا تھا۔

"بات تو ٹھیک ہے بچو،! مامون اور خولہ جیسے نام رکھتے ہوئے ان کے بڑوں کو سوچنا چاہیے کہ جب یہ بچے بڑے ہو کر ماموں اور خالہ بنیں گے تو ایسے نام لیتے ہوئے زبان تو پلٹا کھائے گی ہی ناں۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

زوبیہ نے فاتحانہ نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اس کا مقصد ناکام ہو گیا تھا جب ہی مزید کوئی شوشا چھوڑے بنا صرف کھانے سے ہی انصاف کر رہا تھا۔

"اچھا بھئی اسد! تم سے ایک کام تھا یار۔" مامون ماموں کو بھی جیسے اپنے آنے کا مقصد یاد آیا۔

"حکم ماموں۔" وہ تابعداری سے بولا۔

"یار! وہ جو تمہارا دوست ہے فرحان۔ اس نے اپنے گاؤں کے بندے کو میرے پاس ملازمت دلوائی تھی۔ بہت شریف لڑکا تھا اللہ دتہ تین چار مہینے مجھے اپنے گھر کی طرف سے بالکل سکون رہا، گھر بھی صاف ستھرا رکھتا تھا اور گزارے لائق کھانا بھی پکا لیتا تھا لیکن پچھلے ہفتے وہ نوکری چھوڑ کر واپس گاؤں چلا گیا۔ فرحان سے کہہ کر دیکھو ناں۔ ان کے مزارعوں میں کوئی اور قابل بھروسا بندہ جو شہر میں نوکری کرتا

www.pklibrary.com

چاہے۔ تنخواہ میں منہ مانگی دینے کو تیار ہوں۔" ماموں کے کہنے پر اسد نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں فرحان سے کہہ دوں گا" ماموں لیکن میں آپ سے بار بار یہ ہی کہتا ہوں کہ آپ کے گھر کو گھر والی کی ضرورت ہے کسی ملازم کی نہیں۔" اسد اس بار مکمل سنجیدگی سے بولا۔

"ارے چھوڑو یار! جہاں اتنی گزر گئی باقی بھی گزر جائے گی اور آج کل تو صفیہ مجھے خوابوں میں بہت نظر آرہی ہے لگتا ہے اس کا وہاں اکیلے دل نہیں لگ رہا، بلا رہی ہے مجھے۔" وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"صفیہ مامی جنت میں بہت مزے میں ہوں گی ماموں! آپ انہیں خوابوں میں دیکھ رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اب دنیا میں، آپ کا اکیلے دل نہیں لگ رہا آپ کو ساتھی کی ضرورت ہے۔ میں آپ کو پھر یہ ہی مشورہ دے رہا ہوں کہ کسی بھلی مانس خاتون سے عقد ثانی کر لیجیے۔ جو آپ کا گھر بھی سنبھال لے اور آپ کی تنہائی کا مداوا بھی ہو جائے۔"

"آٹھ سال گزر گئے ہیں اسد میاں! بری بھلی باقی کی زندگی بھی گزر جائے گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ صفیہ کی جگہ کسی اور کو دینے کو جی ہی نہیں مانتا۔"

ان کے لہجے میں عجیب بے بسی اور لاچاری تھی۔ اسد کچھ اور بھی بولنا چاہتا تھا لیکن زوبیہ نے اسے آنکھ کے اشارے سے منع کیا۔

"آپ کھانا کھائیں ماموں! یہ تو باتوں کے ساتھ بھی کھانے سے مکمل انصاف کرتے ہیں آپ کی پلیٹ جوں کی توں ہے۔" زوبیہ نے گفتگو کا موضوع بدلا۔

"ہاں بیٹا جی، کھا رہا ہوں۔ اتنے دنوں بعد گھر کا کھانا کھایا ہے۔ یہ سادہ سے دال چاول بھی خوب مزہ دے رہے ہیں۔" وہ واقعی کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆☆☆

رات کو دونوں میاں بیوی میں پھر سے ماموں ماموں گفتگو کا موضوع بنے ہوئے تھے۔

"آپ بار بار ماموں ماموں سے شادی کا ذکر مت چھیڑا کریں۔ جانتے تو ہیں وہ اس بات پر بھی راضی نہیں ہوں گے پھر ان کے زخم کریدنے سے کیا حاصل۔" زوبیہ نے اسد کو مخاطب کیا۔

"یار! ماموں ہیں میرے، ان کی حالت دیکھ کر میں خود ٹینشن میں آجاتا ہوں۔ آٹھ سال کم عرصہ تو نہیں ہوتا کسی کو بھلانے کے لیے لیکن ماموں تو صفیہ مامی کے غم سے آج بھی نکلنے کو تیار نہیں۔"

"ویسے اسد! کیا زندگی میں بھی وہ مامی سے اتنی ہی محبت کرتے تھے؟" زوبیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"تمہارے تصور سے بھی زیادہ، حالانکہ دونوں کی ارینج میرج تھی لیکن محبت کرنے میں لیلیٰ مجنوں کو پیچھے چھوڑ رکھا تھا۔ اماں مرحومہ بتاتی تھیں کہ جب شادی کے دو، تین سال تک بھی ماموں کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو نانی اماں نے سرسری سا ان کی دوسری شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ صفیہ مامی کے کچھ بولنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ ماموں ماموں خود ہی اس بات پر اتنا بھڑکے کہ نانی اماں کو کانوں کو ہاتھ لگانے پڑے۔ اولاد سے محرومی کے باوجود دونوں میاں بیوی کو اس کمی پر کبھی شاکی نہ دیکھا کہتے تھے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے بہت ہیں لیکن رب کے کام رب ہی جانے۔ صفیہ مامی اتنی اچانک دنیا سے رخصت ہوئیں کہ ماموں بے چارے کو تو کیا یقین آتا ہم سب بھی بے یقین تھے اور اگر اس وقت تم ماموں ماموں کی حالت دیکھتیں ناں، تو یہ ہی کہتیں کہ یہ بھی بس دنیا میں دو چار دن کے مہمان ہیں۔ خود کشی حرام نہ ہوتی تو شاید ماموں خود کشی ہی کر بیٹھتے، بہت مشکل وقت تھا بھئی۔ وہ۔" اسد کو سب یاد کر کے نئے سرے سے جھرجھری آگئی۔

"عورتوں کا تو خمیر ہی وفا اور محبت سے گندھا ہوتا ہے لیکن ایک شوہر کی ایسی محبت، اس کی تو واقعی مثال نہیں ملتی۔" زوبیہ اس داستان، محبت سے حد درجہ متاثر تھی۔

www.pklibrary.com

"ارے واہ میں تم سے کم محبت کرتا ہوں۔ مامون ماموں کا بھانجا ہوں۔ ان ہی کی طرح بیوی کے عشق میں گوڈے گٹوں تک ڈوبا ہوا۔" اسد مسکرا کر بولا۔

"بس رہنے دیں۔ میں آج مری تو پرسوں تک آپ نے دوسرا ویاہ کھڑکا لینا ہے جیسے میں آپ کو جانتی نہیں۔" زوبیہ نے سر جھٹکا۔

"ایسا سمجھتی ہو۔" اسد نے زخمی نگاہوں سے اسے تکا۔ "پہلی برسی نہ سہی مگر چار، چھ مہینے تو ضرور لگیں گے۔ رنڈوے کو رشتہ بھی اتنی آسانی سے تھوڑی ملتا ہے یار! تم کہہ رہی ہو کہ آج مری تو پرسوں ویاں امپاسبل بھئی۔"

وہ اسد تھا جو پانچ منٹ سے زیادہ سنجیدہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ زوبیہ نے اسے تکیہ کھینچ کر مارا تھا۔

☆☆☆

مہینے میں ایک اتوار زوبیہ میکے گزارتی تھی اسد بھی اس کے ہمراہ ہوتا تھا۔

"یہ عجیب مصیبت ہے میں میکے جاؤں تو آپ بھی ساتھ ٹنگ جاتے ہیں، اسی لیے مہینے میں صرف ایک بار جاتی ہوں آپ کی وجہ سے اماں کو خوب اہتمام کرنا پڑتا ہے۔" زوبیہ کے کہنے پر اسد صدمے کے مارے غش کھانے کو ہوگیا۔

"تمہاری اماں نے مہینے بھر کے بجلی کے کام میرے انتظار میں اکٹھے کر رکھے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی بلب بھی فیوز ہو جائے تو وہ بھی سیڑھی پر چڑھ کر مجھے ہی بدلنا پڑتا ہے اور اس سب کے بدلے مجھے ایک دو پلیٹ پلاؤ یا ایک پلیٹ، چکن قورمہ کھانے کو مل جائے تو تم کہتی ہو کہ میری خاطر انہیں اہتمام کرنا پڑتا ہے۔"

"تو پھر آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ آپ اس گھر کے داماد نہیں بیٹے ہیں۔ اب اگر آپ کو بجلی کے کام کی سدھ بدھ ہے اور ہمارے گھر کے چند معمولی سے کام کر دیتے ہیں تو اب اس کا بھی احسان جتائیں گے۔" زوبیہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"بیویوں سے بھی کوئی جیت سکا ہے؟ ویسے ریکارڈ کی درستی کے لیے بتادوں کہ احسان جتانے کی شروعات تم نے کی تھی۔" اسد نے نروٹھے پن سے بولا۔

"چھیڑ رہی تھی بابا! جانتے تو ہیں، ہمارے گھر میں مجھ سے زیادہ انتظار آپ کا کیا جاتا ہے۔ صبح بھی اماں نے فون کر کے تاکید کی تھی کہ اسد کو ضرور ساتھ لانا۔ خولہ خالہ نے صبح سے ہی حلیم کا دیگچہ چڑھا رکھا ہے۔"

"واہ حلیم بن رہی ہے زبردست بھئی۔" اسد کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"لیکن یار، خولہ خالہ کی طبیعت تو آج کل کچھ ناساز ہے، ان سے ایسے مشقت طلب کام نہیں کروانے چاہئیں۔ پچھلی بار بھی وہ اپنے مسکولر پین کی وجہ سے خاصی پریشان تھیں اگر انہیں درد میں افاقہ ہو بھی گیا تب بھی کچھ عرصے تو ریسٹ کرنا چاہیے۔" اسد اس بار سنجیدگی سے بولا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ لیکن خولہ خالہ خود بھی تو فارغ بیٹھنے والوں میں سے نہیں۔ زبردستی کی مصروفیات ڈھونڈتی رہتی ہیں۔"

زوبیہ نے کمزور سے لہجے میں اپنے گھر والوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ اسی لمحے اسد کے موبائل پر مامون ماموں کی کال آئی تھی۔ زوبیہ یک طرفہ گفتگو سے بھی اندازہ لگا چکی تھی کہ دونوں کے مابین کسی مسئلے پر بات ہو رہی ہے۔

"میں آپ کو سختی سے منع کر رہا ہوں کہ اس بار ہاشم بھائی کو، قرض کے نام پر ایک پائی بھی نہیں دیں گے۔" اسد قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے، چاہے میرا نام لے کر ہی کہہ دیجیے کہ اسد کی دکان، نقصان میں جا رہی تھی اس لیے اس بار پیسے اس نے اینٹھ لیے ہیں۔"

اسد نے انہیں انکار کرنے کی راہ سمجھا دی تھی۔ تھوڑی دیر تک اس طرح کی باتوں کے بعد رابطہ منقطع ہوا تھا۔

www.pklibrary.com

"ہاشم بھائی کو شرم نہیں آتی۔ ہر تیسرے، چوتھے مہینے مامون ماموں سے رقم اینٹھ لیتے ہیں اول تو واپس کرتے نہیں اور اگر قسمت سے واپس کر بھی دیں تو، اتنی چھوٹی چھوٹی قسطوں میں دیتے ہیں کہ وہ رقم مامون ماموں کے کسی کام کی نہیں رہتی۔" اسد کو بڑے بھائی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

"حالانکہ ہاشم بھائی کی اتنی اچھی جاب ہے۔ بھابھی خود اتنے اچھے اسکول میں، پڑھاتی ہیں ٹھیک ٹھاک تنخواہ ہوگی پھر بے چارے ماموں کو کیوں تنگ کرتے ہیں۔" زوبیہ کو بھی افسوس ہو رہا تھا۔

"وہ ہی بات ہے یار، مال مفت دل بے رحم، چند مہینوں بعد ماموں کو زمینوں سے جو آمدنی آتی ہے سب بھانجے نظر جمائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہاشم بھائی نہ مانگتے تو بڑی خالہ کا کوئی لخت جگر اپنی ضرورت کے ساتھ سامنے آ جاتا، سب یہ سوچتے ہیں کہ ماموں اکیلے بندے، اتنے پیسے کا کریں گے کیا بعد میں بھی ہمیں ملنا ہے تو ڈھیٹ بن کر ابھی مانگ لیتے ہیں۔"

اسد تلخی سے بولا۔ اپنے بڑے بھائیوں اور دیگر کزنز کی یہ خود غرضی اسے ہمیشہ ہی ایسا تلخ کر دیتی تھی زوبیہ نے محبت سے شوہر کو دیکھا۔ اپنے بھائیوں کے مقابلے میں وہ کم تعلیم یافتہ، مالی حیثیت بھی ان سے کمزور لیکن دل کا کیسا غنی تھا۔

"اچھا اب آپ ٹینشن نہ لیں۔ ماموں کو سمجھا دیا ہے ناں ہاشم بھائی کو اپنے طریقے سے خود ہی انکار کر دیں گے۔" اس نے اسد کو مخاطب کیا۔

"آگے ہاشم بھائی ہیں، ماموں کو مزید ماموں بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ خیر اس بار تو میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔"

اسد نے پختہ ارادہ باندھا تھا۔ زوبیہ مسکرا دی جانتی تھی کہ اب بھانجا، اپنے پیارے ماموں کا مزید مالی استحصال نہ ہونے دے گا۔

☆☆☆

"بس کریں اسد! کبھی پیٹ میں درد ہی نہ ہو جائے۔" اسد نے اپنی پلیٹ میں مزید حلیم ڈالا تو زوبیہ دبی دبی آواز میں اسے ٹوکے بنا نہ رہ پائی۔

"قصور خولہ خالہ کا ہے ناں کیوں اتنی مزے دار حلیم بنائی۔ یا تھ رک ہی نہیں رہا۔" اسد ہنس کر بولا۔

"چلو تمہیں پسند آیا میری محنت وصول ہوگئی۔" خولہ خالہ پر شفقت انداز میں مسکرائی تھیں۔

"اسد بیٹا! کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو میرے کمرے کے پنکھے کا کیپسٹر بدل دینا۔" اماں نے اسے ولار سے مخاطب کیا۔

"بے فکر رہیں اماں۔ حلیم حلال کر کے ہی جاؤں گا میرا مطلب ہے۔ حلیم سے انصاف کر لوں پھر سارے کام کر لوں گا۔"

زوبیہ کے گھورنے پر اس نے فوراً بات پلٹی تھی۔ اماں تو ویسے ہی اونچا سنتی تھیں، البتہ خولہ خالہ اس شرارتی داماد کی بات پر ہنس پڑی تھیں اپنے سب بھانجے بھانجیوں میں زوبیہ ان کے دل سے زیادہ قریب تھی اس لحاظ سے اسد بھی عزیز تھا لیکن اپنے مزاج اور عادتوں کی وجہ سے بھی اسد انہیں بہت اچھا لگتا تھا۔ اس نے کبھی بھی آفٹر آل ٹائپ کا داماد بننے کی کوشش نہ کی تھی۔ وہ گھر والوں میں ایسا گھل مل گیا تھا کہ اب گھر کا فرد ہی لگتا۔

"اچھا زوبیہ! میں ذرا دیر کے لیے کمرے میں ریسٹ کر رہی ہوں پھر شام کو ملاقات ہوگی۔"

دستر خوان سے سب سے پہلے اٹھنے والی عاتکہ بھابھی تھیں۔ کام چور تو ہمیشہ سے ہی تھیں اب انہیں چھٹا مہینہ لگا ہوا تھا تو گویا کام چوری کا باضابطہ سرٹیفکیٹ بھی مل گیا تھا۔ کھانے کے اوقات میں ہی کمرے سے طلوع ہوتیں پھر دوبارہ غروب ہو جاتیں۔

"ٹھیک ہے بھابھی! آپ ریسٹ کریں۔" زوبیہ مروتاً مسکرائی تھی۔

"کل میرا بھی بہت ضروری ٹیسٹ ہے۔ میں تو چلوں بھئی بڑا ٹائم ضائع ہوگیا۔" فروا نے بھی کھسکنا چاہا۔

"فروا کی بچی۔ یہ دستر خوان سمیٹو۔ برتن کچن میں پہنچاؤ صرف کام کے وقت تمہیں پڑھائی یاد آتی

www.pklibrary.com

ہے۔"

زوبیہ نے چھوٹی بہن کو ڈپٹا۔ بھابھی سے رشتہ اور تھا، فروا کی کاہلی وہ کیسے برداشت کرتی۔ بہت منہ بسورتے ہوئے فروا نے دسترخوان سمیٹا تھا لیکن سنک میں برتن رکھ کر وہ پھر سے رفو چکر ہوگئی۔

زوبیہ کچن میں آئی تو خولہ خالہ برتن دھونا شروع کر چکی تھیں۔

"حد ہوتی ہے خالہ! اس فروا کی بچی سے کیوں نہ دھلوائے برتن۔"

"بچی کا ٹیسٹ ہے زوبیہ! پتا تو ہے تمہیں وہ اپنی پڑھائی کے لیے کتنی کانشس ہے، برتنوں کا کیا ہے، ابھی جھٹ پٹ دھل جائیں گے۔" خولہ خالہ مسکرا کر بولی تھیں۔

"آپ نے اس گھر میں رہنے والوں کی عادتیں خراب کردیں ہیں خالہ! بیٹھیے آپ برتن میں دھوتی ہوں۔"

زوبیہ نے کہنے کے ساتھ انہیں شانوں سے پکڑ کر ایک طرف ہٹایا۔ جانتی تھی کہ وہ صرف کہنے پر جگہ نہیں چھوڑیں گی۔

"اس کنڈیشن میں تم زیادہ دیر کھڑی نہ رہا کرو بیٹا، پھر اپنے گھر میں بھی سارا کام خود کرنی ہو۔ یہاں آ کر بھی لگ جاتی ہو۔ چلو ہٹو مجھے دھونے دو۔"

"یہ جگہ تو میں نہیں چھوڑ رہی۔ آپ سکون سے بیٹھ جائیں، میں برتن دھونے کے بعد سب کے لیے چائے بھی خود ہی بناؤں گی اور جہاں تک میری کنڈیشن کی بات ہے تو دنیا کی پہلی عورت نہیں ہوں میں جو ماں بننے جارہی ہے۔ پریگننسی پیریڈ کو ہمارے ہاں زیادہ ہی ہوا بنالیا گیا ہے۔ میری گائنا کالوجسٹ نے تو مجھے بھاری وزن اٹھانے کے سوا کسی بھی کام سے منع نہیں کیا۔" زوبیہ رسانیت سے بولی تھی۔

"پھر بھی بیٹا! احتیاط اچھی چیز ہے۔" خولہ خالہ بولی تھیں

"رہنے دیں خالہ! آپ کی تو ساری عمر لوگوں کی ان ہی احتیاطوں کی نذر ہوگئی۔ میں آپ کو بار بار کہتی ہوں کہ سب سے پہلے اپنا خیال رکھا کریں۔ جب تک آپ اپنا خیال خود نہیں رکھیں گی کوئی دوسرا بھی نہ رکھے گا۔"

زوبیہ جب بھی آتی تھی انہیں نصیحتیں کرنے سے باز نہ آئی تھی۔ اس کا خلوص خولہ کی آنکھوں میں نمی بن کر چمکا تھا۔ ایک محبت بھری نگاہ، اس پر ڈالتے ہوئے انہوں نے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔

☆☆☆

صحیح کہا تھا زوبیہ نے۔ ان کی تو ساری عمر لوگوں کی ان ہی احتیاطوں کی نذر ہوئی تھی۔ خولہ چار بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔

کم عمری میں ہی ماں باپ رخصت ہوگئے۔ بھابھیوں کی راج دھانی میں خولہ کی حیثیت کنیز کی سی تھی۔ دونوں بھابھیاں سگی بہنیں تھیں، آپس میں مثالی اتفاق تھا چھوٹی نند کے ساتھ دونوں کا سلوک بھی یکساں تھا۔ اس کی حیثیت ان کے بچوں کی آیا کی سی تھی۔

زہرہ آپا بھی جب میکے آتیں تو خولہ کو یہ ہی نصیحت کرتیں کہ بھابھیوں سے بنا کر رکھو۔ خولہ تو پہلے ہی بھابھیوں کی بے دام غلام تھیں۔ گھر کے کاموں کے ساتھ بھتیجوں، بھتیجیوں کا خیال رکھنا بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ بری، بھلی زندگی گزرتی رہی۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو زہرہ آپا کو ہی ان کی شادی کی فکر ستانے لگی۔ ان ہی کی کوششوں سے عارف سے ان کا رشتہ طے ہوا۔ وہ زہرہ آپا کا دور پار کا سسرالی رشتہ دار تھا۔ متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والا عارف، خولہ کی زندگی میں بہار کا جھونکا بن کر آیا۔

دونوں کے تعلق میں محبت، اپنائیت، اعتماد، بھروسہ سب کچھ ہی تو تھا۔ اولاد کی کمی نے دونوں کے بندھن کو کمزور کرنے کے بجائے مزید مستحکم کردیا تھا۔

عارف کہتا تھا کہ عارف کے لیے خولہ اور خولہ کے لیے عارف ہی بہت ہے۔ ایک روڈ ایکسیڈینٹ

www.pklibrary.com

میں عارف جان کی بازی ہار گیا تو خولہ کی زندگی اندھیر ہوگئی۔

عارف کے سنگ گزارا وقت، اب ایک خواب تھا لیکن وہ اس دل فریب خواب کو بھلانے پر قادر نہ تھیں۔ زندگی کی آخری سانس عارف کی یاد میں بسر کرنے کے ارادے کے ساتھ، وہ واپس بھائیوں کی دہلیز پر آ گئیں۔ آنے والے برسوں میں برے بھلے دو چار رشتے آئے۔ دونوں بھائیوں اور بہن نے ہر ممکن زور لگایا کہ خولہ عقد ثانی پر راضی ہو جائے لیکن ان کی ناں، ہاں میں نہ بدلی آخر سب نے ان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ویسے بھی وہ بے چاری کسی کا کیا لیتی تھیں ہر کسی کی خدمت پر کمربستہ۔

بھابیوں کو تو ان کے آنے سے بہت آرام تھا۔ بھائیوں نے آبائی گھر فروخت کیا تو زہرہ آپا کو تو ان کے حصے کی رقم بغیر مانگے ہی دے دی لیکن خولہ کو ان کا حصہ دینے کا سوچا بھی نہیں اور سوچتے بھی کیوں وہ ان ہی کے ساتھ رہتی تھیں ان ہی کی ذمہ داری تھی اور اتنے ڈھیر سارے پیسے کا ان نے کرنا بھی کیا تھا۔ ایک اکیلی ذات، بچے ہوتے تو بات دوسری تھی۔

خولہ نے تو خود بھی کبھی نہ سوچا کہ یہ ان کا حق تھا جو انہیں ملنا چاہیے۔ عارف کے بعد وہ زندگی جی نہیں رہی تھیں بلکہ زندگی کے دن پورے کر رہی تھیں۔ اگلے جہان میں عارف کا ساتھ ملنے کی دعاؤں کے سوا وہ اپنے لیے کوئی دوسری دعا بھی نہ کرتی تھیں۔ جس رات خواب میں محبوب نظر آتا اس سے اگلا دن ان کے لیے عید کا دن ہوتا۔

گھر کے کاموں میں جو وقت گزرتا دھیان قدرے بٹ جاتا، باقی کا تمام وقت مرحوم شوہر کی یادوں میں گزرتا۔ وقت اپنی رفتار سے سرکتا رہا۔ جن بھتیجا بھتیجیوں کو انہوں نے گودوں میں کھلایا تھا، وہ اب خود بال بچوں والے ہو گئے تھے۔

خولہ پہلے بھابیوں کے ناز نخرے اٹھاتی تھیں اب بھتیجیوں کی ناز برداری کرنی پڑتی تھی۔ بھابیوں نے بچوں کے رشتے آپس میں ہی طے کر دیے تھے۔ بھتیجا، بھتیجیوں کو اپنی پھوپھیوں سے خاص انسیت نہ تھی فقط آپا کی زوبیہ تھی جو اکلوتی خالہ سے بہت محبت کرتی تھی اور ان کا حال دیکھ دیکھ کر کڑھتی بھی تھی، وہ انہیں اپنا حق مانگنے پر اکساتی۔ بھائی گرمی، سردی کے دو، دو جوڑے بنا کر اور تین وقت کی روٹی دینے کو کافی سمجھتے تھے۔

''آپ جس قدر کام کرتی ہیں ناں خولہ خالہ! اگر ماموں وغیرہ کل وقتی ملازمہ بھی رکھیں تو وہ بھی ٹھیک ٹھاک معاوضہ مانگ لے اور آپ اپنے لیے سر درد کی دوا منگواتے ہوئے بھی اتنا معذرت خواہانہ انداز اپناتی ہیں کہ اگلا بندہ، خوامخواہ احسان جتانے کا موڈ بنا لیتا ہے فارگاڈ سیک اپنی روش بدلیں۔''

زوبیہ انہیں دل سوزی سے سمجھاتی۔ خولہ مسکرا کر رہ جاتیں زوبیہ کی شادی سے پہلے وہ مہینے میں چند دنوں کے لیے خالہ کو زبردستی اپنے گھر لے آتی۔ مامیاں ناک منہ چڑھاتی رہیں اس کی بلا سے۔

وہ خالہ کو چند دن بھرپور آرام کرواتی لیکن زوبیہ کی شادی کے بعد، خولہ زہرہ آپا کے گھر کی بھی ضرورت بن گئی تھیں۔ عاتکہ، گھر کی اکلوتی بہو بلا کی کام چور تھی مگر چونکہ شوہر کو بہت پیاری تھی سو گھر والے بھی ناز نخرے اٹھانے پر مجبور تھے۔ زبیر بھائی گھر کے واحد کفیل تھے۔ ابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ ہی گھر کا تمام خرچا اٹھاتے تھے، ان کی محبوب بیوی کو کوئی ٹوکتا بھی تو کیسے، اماں خود ہی بہو کی خدمت گزاریوں میں لگی رہتیں لیکن اس بڑھاپے میں ان سے تمام گھر کا کام کاج کہاں ممکن تھا۔

صفائی ستھرائی کے لیے بھلے سے ملازمہ آ جاتی لیکن باورچی خانہ سنبھالنا بھی اب ان کے بس میں نہ تھا، وہ دس پندرہ دن بعد خولہ کو ہی بلوا لیتیں، بھاوجیں جز بز تو ہوتیں لیکن بڑی نند کے لحاظ میں کچھ بول نہ پاتیں۔ خولہ ہفتہ دس دن آپا کے گزارتیں تو پھر بھابیوں کو ان کی یاد ستانے لگتی۔

وہ بھائیوں اور بہن کے گھروں کے درمیان شٹل کاک کی طرح گھومتی رہتیں۔ بڑھتی عمر کے ساتھ اب خولہ میں بھی پہلے والی ہمت نہ رہی تھی۔

www.pklibrary.com

اکتوبر 2023
کے شمارے کی ایک جھلک

بہنوں کا اپنا ماہنامہ
شعاع

اکتوبر 2023
کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

- "ماہ الملوک" نگہت سیما کا مکمل ناول،
- "شہر شام ہجر" فرح بخاری کا مکمل ناول،
- "آپ کا شکریہ" شازیہ جمال طارق کا مکمل ناول،
- "والعصر" امۃ العزیز شہزاد کا ناول،
- آسیہ رزاقی اور حمیرا شفیع کے ناولٹ،
- سنیعہ عمیر، قرۃ العین خرم ہاشمی، جویریہ مریم، ریحانہ وقاص اور راضیہ سید کے افسانے،
- معروف فنکار "ثاقب سمیر" سے ملاقات،
- "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" قارئین کے تجربات،
- "دستک" معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- "پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں" احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع اکتوبر 2023 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

pklibrary.com

www.pklibrary.com

پٹھوں کا کھنچاؤ انہیں عاجز کرنے لگا تھا فقط زوبیہ تھی جو آج بھی ان کا درد سمجھتی اور ان کے حال پر کڑھتی تھی۔

اماں کو تو کچھ نہ کہتی مگر چھوٹی فروا کو خالہ کا خیال رکھنے کے خوب لیکچر دیتی۔ لاابالی سی فروا پر چند دن تو بڑی بہن کے لیکچر کا اثر رہتا، وہ خولہ خالہ کی موجودگی میں ان کا بھرپور ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی لیکن چند دنوں میں ہی سب کچھ بھول بھال کر پرانی روش پر آجاتی یعنی پڑھائی اور موبائل، ویسے بھی خالہ کی غیر موجودگی میں بھی تو اماں سارا کام فروا سے ہی کرواتی تھیں، سو جو چند دن خالہ یہاں گزارتیں فروا کیوں موقع سے فائدہ نہ اٹھاتی۔

خولہ کی زندگی کے شب و روز یونہی گزرے جا رہے تھے اور کون جانتا تھا کہ کتنی زندگی باقی ہے۔

☆☆☆

اس بار، ماموں ماموں نے جو ملازم رکھا تھا وہ پندرہ دن میں ہی اپنی کارگزاری دکھا کر چلتا بنا۔

جب وہ کسی بہانے ملازمت چھوڑ کر گیا تو بظاہر گھر کا کوئی سامان کم نہ تھا۔ اس کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ پتا چلتا رہا کہ وہ کس کس سامان پر ہاتھ صاف کر کے گیا ہے۔ الماری میں رکھے قیمتی گرم کپڑے، کمبل، کچن میں عام استعمال نہ ہونے والی مہنگی کراکری، چھوٹا موٹا الیکٹرانکس کا سامان اور جانے کیا کچھ۔ ماموں کی غیر موجودگی میں وہ سامان پر ہاتھ صاف کرتا رہا تھا اور انہیں احساس تک نہ ہوا۔

جس روز پہلی چیز کی غیر موجودگی کا احساس ہوئے پر، انہوں نے پوچھ گچھ کی وہ کسی فوتگی میں جانے کا بہانہ بنا کر رفو چکر ہو گیا۔ پھر ایسا گیا کہ لوٹ کر نہ آیا۔ اسد کو ایک بار پھر ماموں کو سمجھانے کا موقع مل گیا۔

"پلیز ماموں! اب تو ہوش کے ناخن لیں۔ یہ گھر ملازموں کے سہارے کب تک چلے گا، اس گھر کو اور آپ کو دونوں کو سنبھالنے کے لیے ایک عورت کا ہونا بہت ضروری ہے اگر آپ نے اب بھی یہ فیصلہ نہ کیا اور چند برس مزید یونہی گزار دیے تو یقین کیجیے پھر شادی کرنا بھی چاہیں گے تو کوئی عورت، بڈھے بابا سے شادی پر رضامند نہ ہوگی۔"

اسد نے انہیں ڈرایا۔

"ارے یار، میں اب کون سا جوان ہوں۔" وہ پھیکی ہنسی ہنسے "اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں دوسری شادی کا سوچوں بھی تو یوں لگتا ہے جیسے، صفیہ سے بے وفائی کر رہا ہوں۔" وہ اس بے چارگی سے بولے تھے کہ اسد کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"یقین کیجیے ماموں! صفیہ مامی بھی آپ کی حالت پر عالم بالا میں خوب پریشان ہوتی ہوں گی۔ اگر آپ ان کی زندگی میں دوسری عورت کو اپنی زندگی کا حصہ بناتے تو یہ سوفی صد بے وفائی ہوتی، آپ نے تو اولاد نہ ہونے کے باوجود دوسری شادی کا سوچا تک نہیں اور اولاد ہوتی تو شاید آپ کی زندگی کے باقی دن برے بھلے گزر بھی جاتے، حالانکہ اولاد بھی بڑھاپے اور تنہائی کا مداوا نہیں کر سکتی۔ رفیق سفر کی ضرورت بہر طور رہتی ہے لیکن پوتے پوتیوں میں بہل کر آپ اپنا بڑھاپا کاٹ لیتے۔ اب یوں تن تنہا شب و روز کی قید کاٹنا کہ بس زندگی کے دن پورے ہو جائیں خود اذیتی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ صفیہ مامی سے وفا نباہتے نباہتے اپنے ساتھ کس بے وفائی کا ارتکاب کر رہے ہیں آپ کو احساس تک نہیں۔" اسد نے ٹھیک ٹھاک لیکچر دے ڈالا۔

"واہ بھانجے، زوبیہ بیٹی کی صحبت میں رہ کر ٹھیک ٹھاک فلسفی بن گئے ہو۔" وہ مسکرائے تھے۔

"بات ٹالیں مت، مجھے اپنا فیصلہ سنائیں پھر آخر نئی مامی ڈھونڈنے میں بھی کچھ ٹائم تو لگے گا۔"

"صفیہ جیسی کون ملے گی۔" وہ افسردگی سے بولے۔

"صفیہ مامی ایک ہی تھیں جو خوش قسمتی سے آپ کو مل گئیں، اب آپ کو بیوی سے زیادہ تنہائیوں کی ساتھی اور ایک ہمدرد و غمگسار کی ضرورت ہے۔ مجھ پر بھروسا کریں گے تو میں وہ ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" اسد رسان بھرے لہجے میں بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے سوچتے ہیں یار!" وہ کچھ نیم دلی سے بولے تھے۔ تبھی اس موضوع پر بات نہ کرنے والے ماموں کی نیم رضامندی بھی فی الحال اسد کو غنیمت لگی تھی، سو اس موضوع کو یہیں چھوڑ کر وہ

www.pklibrary.com

ہاشم بھائی وغیرہ کی چالاکیوں کے متعلق بتا کر ماموں کو کچھ اور عقل کی باتیں سمجھانے چلا تھا۔

☆☆☆

''خولہ خالہ! اپنا بالکل خیال نہیں رکھتیں لائقہ باجی اور فائقہ باجی میں بچے پیدا کرنے کی گویا ریس لگی ہے۔ خولہ خالہ کا کام تو بس زچہ بچہ کو سنبھالنا ہی رہ گیا ہے۔''

زوبیہ اور اسد لائقہ کے نومولود بیٹے کے عقیقے سے لوٹے تھے اور پوری تقریب میں خولہ خالہ کو کولہو کے بیل کی طرح، کاموں میں جتا دیکھ کر زوبیہ کا قلق ختم ہونے میں ہی نہ آ رہا تھا۔

''سب لوگ خولہ خالہ کا استحصال کرتے ہیں تو اس کی سب سے بڑی ذمہ دار وہ خود ہی ہیں۔ اب بھی وقت ہے انہیں مرحوم شوہر کی یادوں سے نکل کر اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے۔'' اسد سنجیدگی سے بولا۔

''اب کہاں وقت رہ گیا اسد! ایک زمانہ تھا خولہ خالہ کے لیے بھولا بھٹکا رشتہ آ ہی جاتا تھا۔ ان کے مسلسل انکار کے بعد سب ہی پیچھے ہٹ گئے۔ طلب گار بھی اور کوشش کرنے والے بھی۔'' زوبیہ یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔

''شاید یہ سب بھی قدرت کی طرف سے ہو۔ قدرت نے جو خیال میرے دماغ میں ڈالا ہے اگر وہ حقیقت کا روپ دھار لے تو اس تاخیر میں بھی خیر کا پہلو ہے۔''

''پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں اسد۔ میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔''

''دیکھو جان من! میں تمہاری خالہ کے لیے جو رشتہ پیش کر رہا ہوں وہ میری تمہاری شادی کے بعد ہی پیش کرنا ممکن ہوا ہے۔ یہ ہی قدرت کا نظام ہے وہ کہتے ہیں ناں۔ ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔''

''مطلب؟'' زوبیہ اب بھی کچھ نہ سمجھی تھی۔

''مطلب یہ کہ ہم دونوں کے بیچ ہمیشہ خولہ خالہ اور ماموں ماموں کے ناموں پر بحث ہوتی تھی ناں، تم کہتی تھیں ماموں ماموں کا نام چار بار لو تو زبان پلٹ جاتی ہے، میں کہتا تھا کہ ایسی بات ہے تو ایک سانس میں اپنی خولہ خالہ کا نام لے کر دکھاؤ۔ قدرت نے اس مسئلے کا کیا زبردست حل میرے دماغ میں ڈالا۔ ہم خولہ خالہ کو خولہ مامی بنا لیتے ہیں اور ماموں ماموں کو مامون خالو پھر تو یہ نام ٹنگ ٹوئسٹر نہیں بنیں گے ناں۔''

وہ اسد ہی کیا جو سیدھی سی بات کو بغیر گھما پھرا کے بیان کر دے، زوبیہ کا دماغ ایک لمحے کو چکرایا پر جب بات سمجھ میں آئی تو خوشی سے چہرہ دمکنے لگا۔

''کیا ایسا ممکن ہے اسد؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''اس کا دارومدار ہم دونوں کے عزم و ہمت پر ہے۔ مجھے اپنی صلاحیتوں پر تو بھرپور بھروسا ہے میں اپنے ماموں کو خالو بننے پر راضی کر لوں گا، تم خولہ خالہ کو کیسے مناتی ہو۔ یہ سوچنا تمہارا کام۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''جیسے بھی منانا پڑے میں منا کر رہوں گی اور انہیں ماننا ہی ہوگا۔ مامون ماموں جیسا بندہ انہیں کوئی اور مل ہی نہیں سکتا۔ حیرت ہے یہ خیال میرے دماغ میں پہلے کیوں نہ آیا۔'' زوبیہ حیران تھی۔

''چلو اب آ ہی گیا ہے ناں تو اس خیال کو جلد از جلد حقیقت کا روپ دو۔ مزید دیر کرنا مناسب نہیں۔'' اسد کے کہنے پر زوبیہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو زوبیہ! جب کبھی وقت تھا جب میں نے اس آپشن پر غور نہ کیا اب اس عمر میں کیوں تماشا بنوانا چاہتی ہو۔'' خولہ خالہ کا جواب حسب توقع تھا لیکن زوبیہ آج قائل ہونے نہیں بلکہ قائل کرنے آئی تھی۔

''مانا یہ فیصلہ آپ کو بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا لیکن ابھی بھی وقت نہیں گزرا۔ قدرت آپ کو اپنی غلطی سدھارنے کا ایک موقع اور دے رہی ہے، اس موقعے کو ضائع کرنا کفران نعمت ہوگا، خولہ خالہ یقین کیجیے، مامون ماموں بہت اچھے ہیں جس طرح آپ وفا کی دیوی ہیں وہ وفا کے دیوے، میرا مطلب ہے کہ میں نے دور و نزدیک کوئی اتنا باوفا شخص نہیں دیکھا۔ آٹھ برس کم عرصہ نہیں ہوتا کسی کو بھلانے کے لیے لیکن وہ آج بھی مرحوم

www.pklibrary.com

بیوی سے وفا نبھاتے نبھاتے تن تنہا زندگی جیے جا رہے ہیں۔ آپ کی اور ان کی زندگی کی یہ مماثلت ہی اسد کے دماغ میں آنے والے اس آئیڈیے کا باعث بنی ہے۔"

"لیکن بیٹا!" خولہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"کوئی لیکن ویکن نہیں خالہ! پلیز حقیقت پسندی سے سوچیں، کب تک دونوں گھروں کی خادمہ کی حیثیت سے زندگی گزاریں گی اور جب جسمانی توانائیاں ختم ہونے لگیں گی تو آپ سے یہ مشقت نبھانی مشکل ہو جائے گی، ابھی تو پھر آپ ایک کارآمد ہستی ہیں تو تھوڑی بہت وقعت رکھتی ہیں۔ آئندہ آنے والے وقت میں آپ کیسی زندگی جئیں گی کیا یہ سوچ آپ کو خوف زدہ نہیں کرتی۔"

زوبیہ کے کہنے پر خولہ کے چہرے پر تاریک سایہ لہرایا۔ زوبیہ کو اتنی تلخ بات کہنے پر دکھ تو بہت ہوا لیکن وہ چاہتی تھی کہ یہ کڑوی سچائی خولہ خالہ بھی تسلیم کر لیں۔

"آپ اس رشتے کے پلس پوائنٹ تو دیکھیں۔ مامون ماموں سے زیادہ آپ کے دکھ کو کون سمجھ سکتا ہوگا۔ آپ دونوں نے ہی جیون ساتھی کے بچھڑنے کے بعد باقی زندگی ہادوں کے سہارے بسر کرنے کا فیصلہ کیا لیکن عملی زندگی کے حقائق بہت تلخ ہیں۔ کسی سہارے کے بغیر تنہا زندگی جینا ہرگز بھی آسان نہیں اور آپ خود جتنی اچھی ہیں ناں تو آپ مامون ماموں جیسا بندہ ہی ڈیزرو کرتی ہیں مالی لحاظ سے مستحکم اور صاحب حیثیت ہونے کے علاوہ وہ بہت مہربان نرم خو اور حساس دل رکھنے والے شخص ہیں یقین مانیں وہ دوسرے مردوں سے بہت مختلف ہیں، اسد سے بڑھ کر ان کی نیچر کون جانتا ہے۔ یہ خیال بھی اسد کے دماغ میں ہی آیا ہے آپ دونوں کو ایک ہمدرد اور مہربان ساتھی کی ضرورت ہے جو تنہائی کا ساتھی ہو، دکھ بانٹنے والا۔ عمر کے اس حصے میں میاں بیوی کے تعلق سے زیادہ ایک دوست اور غمگسار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مامون ماموں کو گھر سنبھالنے والی مل جائے گی اور آپ کو اپنا گھر، ایسا گھر جہاں آپ پورے حق کے ساتھ زندگی گزاریں گی، پلیز دل کے بجائے دماغ سے سوچیں اپنے آج کی نہیں کل کی فکر کریں۔" زوبیہ نے ان کے ہاتھ تھام کر بہت دل سوزی سے سمجھایا۔

"دل نہیں مانتا زوبیہ! عارف کی جگہ کسی اور کو کیسے دوں۔" وہ بے بس تھیں۔

"آپ عارف انکل کی جگہ کسی کو نہیں دیں گی جس طرح مامون ماموں، صفیہ مامی کی جگہ آپ کو نہیں دیں گے بلکہ یہ بھی تسلی رکھیں کہ شادی کر بھی لی تو آپ اوپر عارف انکل کے پاس ہی جائیں گی کیونکہ مامون ماموں نے بھی تو صفیہ مامی کے پاس ہی جانا ہوگا ناں۔ بس آپ دونوں کی باقی ماندہ زندگی ایک دوسرے کے سہارے اچھی گزر جائے گی۔ کیا آپ اپنی طرح کے ایک دکھیارے انسان کا دکھ بانٹنے کے لیے اس کی زندگی کا حصہ نہیں بن سکتیں۔ آپ دونوں کو محبت کی نہیں فقط ساتھی کی ضرورت ہے۔ نظریہ محبت نہ سہی، نظریہ ضرورت کے تحت ہی یہ سمجھوتا کر لیں یقین کریں یہ ہرگز بھی گھاٹے کا سودا نہ ہوگا۔"

"لیکن زوبیہ.....!" خولہ خالہ نے بے بس ہو کر کچھ کہنا چاہا۔

"پلیز خالہ! سوچنے کا ٹائم لیں۔ پھر جواب دیں اور ہاں سوچنا دماغ سے ہے دل سے نہیں۔"

زوبیہ ان کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے ان کی پاس سے اٹھ گئی تھی۔ خولہ بے بسی سے کچھ سوچتے ہوئے لب کچلنے لگی تھیں۔

☆☆☆

اسد کے سب سے بڑے بھائی مطیع الرحمٰن اپنی بیوی کے ساتھ ماموں سے ملنے آئے تھے۔ شہر کے بہترین کالج میں اپنے بیٹے کے ایڈمیشن کے لیے انہیں ماموں سے ذرا تعاون درکار تھا۔ اس مہنگائی کے دور میں اتنی بھاری بھرکم ایڈمیشن فیس بھرنا آسان تو نہ تھا ناں۔ اگر ماموں ذرا سی مالی مدد کر دیتے تو ماموں کو تو کیا فرق پڑتا، ان کے بیٹے کی زندگی سنور جاتی مامون ماموں کو اسد کی تنبیہ یاد تھی۔

"خبردار ماموں! جو ان لوگوں کو ایک پائی بھی دی۔ لاکھوں روپے لگا کر اپنا گھر رینوویٹ کروایا ہے

www.pklibrary.com

مطیع بھائی نے، بچے کے مستقبل کی اتنی فکر تھی تو وہ پیسہ سنبھال کر رکھتے ناں۔"

"بیٹا! اگر تم پہلے آجاتے تو تمہیں پیسے دے دیتا دراصل اسد کی دکان گھاٹے میں جارہی تھی، اس مہینے ہی اسے قرض دیا ہے اب تو بالکل گنجائش نہیں۔"

ماموں نے لاڈلے بھانجے کا رٹایا ہوا جواب دیا تھا۔ جانتے تھے یہ جھوٹ نہ بولا تو اسد نے ناراض ہو جانا ہے۔ بہت معذرت خواہانہ انکار کے باوجود بھانجے اور اس کی بیوی کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں ذرا دیر بعد دونوں میاں بیوی نے اٹھنے کو پر تولے تھے۔

"نرگس بیٹا! تمہیں زحمت نہ ہو تو جانے سے پہلے ذرا سی کھچڑی بنا دو۔ صبح سے موشن لگے ہوئے ہیں۔ بازاری کھانے سے پیٹ اور خراب ہو جائے گا۔"

ماموں ماموں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں بہو کا احسان لینا گوارا کیا تھا۔ نرگس بادل ناخواستہ ہی سہی کھچڑی بنانے کچن میں چلی گئی تھی اور جب وہ کھچڑی کی پلیٹ ان کے سامنے آئی تھی تو وہ کبھی بہو کو اور کبھی کھچڑی کو دیکھے گئے۔ مونگ کی دال اور چاولوں کے اس آمیزے کو کھچڑی تو ہرگز نہ کہا جاسکتا تھا پھر بھی، انہوں نے بہو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسی ملغوبے کو کھانے کی کوشش کی۔

یہ ہی وہ شام تھی جب انہوں نے اسد کو فون کر کے اس کی تجویز قبول کرنے کا عندیہ دے دیا تھا اور اس کے بعد ہی زوبیہ نے خولہ خالہ کے پاس جانے کا قصد کیا تھا۔

اسد کا مشن تو کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تھا اور اب وہ دونوں میاں بیوی، خولہ خالہ کے جواب کے منتظر تھے اس کے بعد ہی باقی کے معاملات طے پانا تھے۔

☆☆☆

بلڈ پریشر کا گھٹنا بڑھنا تو گویا معمول کی بات تھی لیکن اب تو خولہ کو، پٹھوں کے کھنچاؤ نے عاجز کر رکھا تھا۔ زہرہ آپا کے ہاں گئی تو وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ پندرہ بیس دن کی دوا سے خاصا افاقہ ہو گیا تھا۔

دوا ختم ہوئی تو خولہ نے دوبارہ دوا منگوانے کے لیے آپا کو زحمت نہ دی۔ ان کا یہ احسان کیا کم تھا کہ وہ انہیں اسپشلسٹ ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے گئی تھیں۔ نسخے کے مطابق دو ہفتے کی دوا بھی منگوا دی لیکن جب زبیر نے دوا کا لفافہ انہیں لا کر تھمایا تو ساتھ جتا بھی دیا۔

"ڈھائی ہزار کا بل بنا ہے، غریب آدمی جائے تو جائے کہاں، عام سی دوائیاں بھی پہنچ سے باہر ہوتی جارہی ہیں۔"

بھانجے کا سرسری سا لہجہ بھی ان کی عزت نفس کے لیے تازیانے سے کم نہ تھا۔ بہت شرمندہ ہو کر انہوں نے لفافہ تھاما تھا۔ سوچا تھا اگلی بار بھانجے کو زحمت دینے کے بجائے، لائق یا فائق سے دوا منگوائیں گی۔ بھائیوں کے گھر رہتی تھیں تو ظاہر ہے بھائی بھتیجوں کی ہی ذمہ داری تھیں ناں۔ بھانجے کو خوامخواہ کیوں تنگ کرتیں۔ لیکن بھائیوں کے گھر آنے کے بعد بھی یہ نسخہ دونوں بھتیجوں کے پاس گھومتا رہا۔

فائق شام کو دوا لانا بھولا تو انہوں نے اگلی صبح، لائق کو آفس جانے سے پہلے اس تاکید کے ساتھ نسخہ تھمایا کہ وہ شام کو یاد سے دوا لے آئے۔ دوا لینے میں چند دن کا ناغہ کیا ہوا تھا، درد کی شدت پہلے سے بھی بڑھ گئی تھی۔ دو دن تک نسخہ لائق کے پاس رہا۔ تیسرے دن وہ لائق سے ایک بار پھر دوا کے متعلق پوچھنے گئیں تو لائق تو نہ ملا۔ فائقہ نے انہیں نسخہ اور دوا کا چھوٹا سا شاپر تھمایا۔

"پھوپھو، فی الحال فائق میڈیکل اسٹور والے سے پوچھ کر یہ پین کلرز لے آئے ہیں۔ میڈیکل اسٹور والا کہہ رہا تھا کہ درد دور کرنے کی اصل دوا تو یہ ہی ہے باقی تو یہ ڈاکٹر لوگ اپنی دھاک بٹھانے کے لیے نسخہ بھر دیتے ہیں۔ اتنے مہنگے مٹی وٹامنز لکھے ہوئے تھے ابھی فائق کی گنجائش نہیں تھی۔ آپ کے سامنے کی بات ہے مہینے کے شروع میں بنے کا عقیقہ ہوا تھا، اب تو بے چارے لائق کی جیب خالی ہوئی پڑی ہے، ویسے آپ نے فائق بھائی سے دواؤں نا منگوائی، دواؤں کے بارے میں تو فائق بھائی کی سمجھ بوجھ زیادہ ہے۔ ان ہی سے منگوایا کریں ناں۔"

فائقہ نے دوا کے لفافے کے ساتھ مفت مشورے سے بھی نوازا تھا۔ خولہ کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی ان سے اچھی تو پنو تھی جو گھر کی صفائی ستھرائی پر مامور ملازمہ تھی اور آج صبح اپنی تنخواہ پورے حق سے وصول کر کے گئی تھی۔

www.pklibrary.com

فائقہ کے کمرے سے آنے کے بعد انہوں نے نسخہ اپنے پاس سنبھال کر رکھ دیا پھر زوبیہ کو فون ملانے لگیں۔

جو فیصلہ وہ پچھلے کئی دن سے نہ کر پا رہی تھیں وہ ایک ڈاکٹری نسخے کی بدولت، چند لمحوں میں طے پا گیا تھا۔

☆☆☆

"اصولاً تو نئے نویلے جوڑے کی پہلی دعوت ہمارے ہاں ہونی چاہیے تھی لیکن آپ لوگوں نے ہمیں اتنے پیار سے بلایا تو ہم انکار نہ کر سکے، ویسے خولہ مامی بہت مزے کی خوشبو آ رہی ہے کیا بنایا ہے آپ نے؟" اسد نے ندیدے پن سے پوچھا۔

"تمہاری مامی نے بہت مزے کے قیمہ بھرے کریلے بنائے ہیں، کھاؤ گے تو انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔" مامون ماموں کے کہنے پر اسد کے منہ میں مزید پانی بھر آیا۔

"مامون ماموں! آپ ان کی عادتیں خراب نہ کریں۔ اچھے کھانے کے چکر میں ہر دوسرے دن یہاں پہنچے ہوں گے جانتے تو ہیں آپ اپنے بھانجے کو کس قدر ندیدے ہیں یہ۔" زوبیہ نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"ندیدا بھی ہوں اور چٹورا بھی۔ میری مامی کے ہاتھ میں ذائقہ ہی اتنا ہے کہ اچھا بھلا بندہ، ندیدہ ہو جائے کیوں ماموں صحیح کہہ رہا ہوں ناں۔" اسد نے تائید چاہی۔

"بالکل صحیح کہہ رہے ہو بھانجے، ان کے ہاتھ میں واقعی بہت ذائقہ ہے۔ ہمیں تو ایسے ذائقے دار کھانے کھائے ہوئے زمانے بیت گئے تھے۔ تم دونوں بچوں کی مہربانی سے میرا گھر جو ایک سرائے بن کر رہ گیا تھا پھر سے گھر بن گیا ہے۔"

مامون ماموں نے اسد اور زوبیہ پر محبت بھری نگاہ ڈال کر مخاطب کیا۔ خولہ خالہ بھی مسکرائی تھیں۔ اسد اور زوبیہ کا یہ احسان تو وہ بھی نہ اتار سکتی تھیں۔ انہوں نے دل کے بجائے دماغ کا فیصلہ مانتے ہوئے اس رشتے پر حامی تو بھر لی تھی لیکن دل اور دماغ دونوں میں بہت اندیشے اور تحفظات تھے لیکن اس نرم خو شخص کی سنگت میں، چند دن گزارنے کے بعد تمام خدشات دم توڑ گئے تھے۔

مامون واقعی باقی مردوں سے بہت مختلف تھے۔ رقابت کا جذبہ تو بہت دور کی بات وہ دونوں ایک دوسرے کے بچھڑے ہوئے شریک حیات کے لیے، دل میں انتہائی نرم گوشہ رکھنے کے ساتھ انہیں اپنی دعاؤں کا بھی مستقل حصہ بنا چکے تھے۔ ایک مشترکہ غم اور یکساں محرومی دونوں کو بہت جلد ایک دوسرے کے بہت قریب لے آئی تھی۔

زوبیہ کہتی تھی کہ دونوں کے بیچ خلوص اور اپنائیت کا جو بندھن بندھ چکا ہے، زندگی گزارنے کے لیے یہ ہی بہت ہے اور اسد کہتا تھا کہ خلوص اور اپنائیت بھی تو محبت کے ہی رنگ ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے سنگ اتنا مطمئن اور شاد دیکھ کر اسد اور زوبیہ کا دل طمانیت سے بھر جاتا تھا اور خوشی میں تو اسد کے مزاج کی چونچالی کا عالم ہی اور ہوتا تھا۔

خولہ خالہ کے ہاتھ کے بنے انتہائی لذیذ قیمہ بھرے کریلوں سے انصاف کرنے کے بعد، اس نے مسکرا کر مامون ماموں کو مخاطب کیا تھا۔

"یار ماموں! آپ کو پتا ہے آپ کی شادی سے پہلے میں نے اور زوبیہ نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم خولہ خالہ کو مامی کہہ کر پکاریں گے اور آپ کو خالو تو اب، جب آپ ہمارے آفیشلی خالو بن چکے ہیں تو آئندہ جب بھی خولہ مامی اتنے مزے کی کوئی بھی ڈش بنائیں تو آپ نے اپنے اس سسرالی عزیز کو ضرور یاد رکھنا ہے میں آنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ آفٹر آل میں اب آپ کا داماد ہوں مجھے پروٹوکول تو دینا پڑے گا ناں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی ماموں! آپ انہیں فل پروٹوکول دیا کیجیے۔ خولہ خالہ آپ کو گائیڈ کر دیں گی کہ اسد کو اپنے سسرال میں کیسا پروٹوکول ملتا ہے۔" زوبیہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تھی۔

"حد ہوتی ہے یار، یعنی کہ اب مجھے ماموں کے گھر کے پنکھوں اور پانی والی موٹر کی مرمت کرنی پڑے گی۔" اس کی بے چارگی اتنی بے ساختہ تھی کہ کوئی بھی اپنا قہقہہ نہ روک پایا تھا۔

☆☆

www.pklibrary.com

آسیہ رئیس خان

درخشاں نے اندرونی صفحے کا مکمل فیچر پڑھنے کے بعد اخبار بند کر کے میز پر رکھا۔ کہا کچھ نہیں مگر رکھنے کا انداز 'اونہہ' سا تھا۔

سرخ کنارے اور سرخ پلو والی کریم جامدانی ساڑھی میں ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ اسپتال جانے کو تیار تھیں۔ پچاس کا ہندسہ پار کرنے کے بعد بھی ان کا حسن اور سراپا ویسا ہی دلکش تھا جیسا کالج کے دنوں میں ہوا کرتا تھا۔ کچھ بلنٹ کٹ بال بھی ان کی عمر کے چند سال چھپا جاتے تھے۔ کلائی کی گھڑی اور دائیں انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی کے علاوہ وہ کوئی اور زیور نہیں پہنتی تھیں۔ انگوٹھی بھی اس لیے کہ وہ طارق کا دیا تحفہ تھی۔

"وہ اسے صرف شو آف کے لیے استعمال کر رہے ہیں یا لانچ کرنے کا ارادہ ہے؟" وہیل چیئر پر بیٹھی نایاب بیگم نے پوچھا جو گھر میں اخبار کی سب سے پہلی قاری تھیں۔

"خاقان نیازی کسی اور کو لائم لائٹ دینا پسند نہیں کرتے، اَن لیس اس میں ان کا کوئی مقصد اور فائدہ ہو۔" اپنے سسر کا ذکر کرتے ہوئے ان کا لہجہ بڑا مخصوص سا ہو جاتا تھا۔ جس میں استہزا، طنز، نفرت اور اپنی بے بسی پر ہلکا سا غصہ بھی شامل ہوتا۔

"لیکن اب وقت بدل گیا ہے، ووٹرز کی ایک نئی جنریشن موجود ہے جو لیڈر بھی اپنے جیسا چاہتی ہے ایجوکیٹڈ اینڈ ینگ اور تو اسی میں دونوں خوبیاں ہیں۔"

www.pklibrary.com

مکمل ناول

pklibrary.com

www.pklibrary.com

''اسی لیے ان کی پی آر ٹیم اسے ہائی لائٹ کر رہی ہے۔ تمام فوٹوز میں خاقان نیازی پرومینیٹ ہیں، انٹرویو میں بھی سارا کریڈیٹ اس نے اپنے نانا جان کو دیا ہے، یہ فیچر ہے تو اس کے اسکول کا لیکن درپردہ پرموشن خاقان نیازی کی ہو رہی ہے۔''

''بہت چالاک ہیں!'' نایاب بیگم نے پلیٹ میں چمچہ پیالے کے قریب رکھ کر نیپکین سے منہ کے کنارے صاف کیے۔

''یہ سیاست ہے، یہاں ان سب کے بنا گزارہ نہیں.....'' درخشاں نے اپنے مرحوم شوہر کی بات لفظ بہ لفظ دہرائی تھی۔

''اور ظاہر ہے خاقان نیازی اور ان کی ٹیم سارے گُر جانتی ہے۔ وہ گھر کی عورت کو اس فیلڈ میں نہیں آنے دیں گے۔'' وہ ماں کی بات سے متفق نہیں تھیں۔

''ایجوکیٹڈ اینڈ ینگ تو ان کے پوتے بھی ہیں، سنا ہے آبشار بھی واپس آ گیا ہے اور وہ بزنس کے بجائے ان کے ساتھ کام کر رہا ہے۔''

دونوں خاندان کے بیچ مثیل ملاپ یا بات چیت نہ تھی لیکن وہ بے خبر نہیں تھیں۔ تب ہی ملازمہ نے ان کو کافی پیش کی۔ دو ابلے انڈے، چند بادام، اخروٹ اور کھجور کے بعد کافی، یہ اسپتال جانے سے پہلے ان کا روز کا ناشتہ تھا۔

''اپنے مفاد کے لیے لوگوں کو یوز کرنا اس فیملی کا طرۂ امتیاز ہے۔'' ان کا لہجہ نفرت آلود تھا۔

صاعد کو درخشاں کی بات پسند نہیں آئی کہ اسی خاندان کا فرد ان کے مرحوم شوہر تھے جو آج بھی ان سب کے دل کے بے حد قریب تھے لیکن کچھ کہے بنا وہ خاموشی سے کھاتا رہا۔ اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی درخشاں اور ان کے سسرال کے معاملے میں مداخلت نہیں کرے گا اور وہ اس وعدے پر سختی سے کاربند تھا۔

''آنٹی!'' تب ہی انعم دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے اور ڈرائیور کا اب تک کہیں پتا نہیں۔'' وہ جھنجھلائی سی تھی۔

دیوار پر بڑی سی گھڑی آویزاں تھی پھر بھی عادتاً نایاب بیگم نے فون اٹھا کر وقت دیکھا۔ درخشاں نے بھی ناشتہ روک کر فون اٹھایا۔

''اس کا میسج ہے رات کا، وہ آج چھٹی پر ہے۔'' فون دیکھ کر واپس رکھتے ہوئے انہوں نے اطمینان سے کہا۔

''آپی!'' وہ ٹھٹکی۔ ''آپ کو پہلے ہی بتانا چاہیے تھا ناں۔''

''میں نے میسج ہی ابھی دیکھا بیٹا۔''

''چلو، میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' وہ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوا۔

''اوہ تھینک یو صاعد بھائی، بس ایک آپ ہی میرے سیویئر ہیں اس دنیا میں۔''

انعم کا مزاج ہی ایسا تھا۔ بے جھجک اور بے دھڑک جذبات کا اظہار کرنا اس کی عادت تھی۔

''واہ! تھینک یو، اتنا اسپیشل فیل کرانے کے لیے۔'' اس نے ہنستے ہوئے میز سے والٹ اور کار کی چابی اٹھائی۔

''خدا حافظ آپی! خدا حافظ مما۔'' اس نے ماں کے آگے سر جھکایا۔

''فی امان اللہ۔'' نایاب بیگم نے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔

''سنبھل کے جاؤ اور شام میں دیر مت کرنا۔''

''جی آپی۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے ہی انعم بھی بھاگی۔

''مسز سلطانی نے اپنی بھانجی کی تصاویر سینڈ کی تھیں، دیکھیں تم نے؟'' نایاب بیگم نے بیٹے کے جانے کے بعد چائے کا کپ اٹھایا۔

''نہیں مما۔ کل بیک ٹو بیک سرجریز تھیں اور آج بھی کچھ ویسا ہی شیڈول ہے، رات میں ریمائنڈ کروائیے گا ایک بار۔ ویسے آپ کو کیسی لگی؟'' انہوں ماں کو دیکھ کر پوچھا۔

www.pklibrary.com

''اچھی ہے، ڈاکٹر ہے شاید اسی لیے مسز سلطانی نے اپروچ کیا ہے۔''

''اچھا، ڈاکٹر ہے۔'' اب کے درخشاں کے انداز میں دلچسپی کی رمق تھی۔ نایاب بیگم خوش ہو گئیں۔

درخشاں اور صاعد کی عمروں میں اٹھارہ سال کا فرق تھا۔ ابھی وہ پانچ سال کا ہی تھا کہ شدید دل کے دورے میں مقصود علی جاں بحق ہو گئے۔ اچانک ملے اس غم اور خسارے کے ساتھ نایاب بیگم کے کندھوں پر کاروبار کی ذمہ داری بھی آ گئی تھی۔

مقصود علی کے والد نے اپنی زندگی میں ہی سب بچوں کے کاروبار الگ کر دیے تھے۔ ان میں مقصود علی نے باپ اور بھائیوں سے ہٹ کر اپنے شوق کے ہاتھوں کچھ نیا کرنے کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے 'سوئیٹ اسٹوری' شروع کی اور بہت جلد ہی اسے کامیابیوں کی بلندی تک پہنچا دیا تھا۔ نایاب بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھیں لیکن نوکری یا کاروبار کے بجائے گھر اور بچوں کو وقت دینا ان کی ترجیح تھی۔

پڑھائی کے دوران ہی درخشاں کی ملاقات طارق نیازی سے ہوئی اور آٹھ سال عمر کے فرق کے باوجود دونوں ایسی شدید محبت میں گرفتار ہوئے کے فوراً شادی کر کے ہی دم لیا۔

طارق کے والد خاقان نیازی ایک مشہور سیاست داں تھے۔ ان کے تین بیٹوں میں طارق دوسرے نمبر پر تھے۔ بلدیاتی انتخاب سے شروعات کرنے کے بعد ترقی کرتے ہوئے وہ اب قومی اسمبلی کے منتخب رکن تھے۔ سیاست کے علاوہ ریئل اسٹیٹ ڈیولپر بھی تھے مگر وہ کاروبار ان کا بڑا اور سب سے چھوٹا بیٹا سنبھال رہے تھے جب کہ طارق کو اعلا تعلیم اور ڈگریوں کا شوق تھا۔

ان کا خیال تھا بیرون ملک سے تعلیم مکمل کر کے لوٹنے کے بعد وہ بھی کاروبار اور سیاست میں آئیں گے۔ لیکن طوفان اس وقت آیا جب ان کی مرضی کے خلاف اور انہیں بتائے بغیر طارق نے کالج میں لیکچرر کی نوکری کر لی۔ یہ ان کا باپ کے ساتھ سیاست اور کاروبار میں شامل ہونے سے صاف انکار تھا۔

خاقان نیازی کے نزدیک سیاست اور کاروبار سے کنارہ کشی سے بڑا گناہ بیٹے کا اس طرح بھروسا توڑنا اور انہیں بے خبر رکھ کر فیصلہ کرنا تھا۔ ایسے لوگ انہیں عوامی زندگی اور سیاسی کریئر کے لیے سب سے بڑا خطرہ لگتے تھے جو مل جل کر اور ساتھ مسئلے سلجھانے کے بجائے چھپ چھپا کر کام کرتے ہوں، انہیں اندھیرے میں رکھتے ہوں، خاص کر جب وہ ان کے اپنے ہوں۔ ان کے گھر کا سب سے کڑا اور اہم اصول تھا کہ کتنی بھی معمولی اور بڑی بات ہو، ان کے علم میں لائی جائے۔ دنیا کو مکمل طور پر بے خبر رکھا جائے مگر آپس میں کوئی راز داری نہ رہے۔ ہر ایک فرد اس اصول پر کاربند بھی تھا سوائے طارق کے۔ سیاست کی دنیا میں کسی بھی بڑے گناہ اور جرم سے بڑی غلطی بے خبری ہے، اس لیے انہوں نے بیٹے کو کبھی معاف نہیں کیا تھا۔

تب ہی طارق نے گھر میں درخشاں کا ذکر کیا اور یہاں نور بیگم بیٹے کی حمایتی بن کر شوہر کے سامنے ڈٹ گئیں۔

خاقان نیازی اور طارق کی سرد جنگ کی وجہ سے شادی کے بعد درخشاں کے ساتھ سب کا رویہ بھی ویسا استقبالیہ اور دوستانہ نہیں تھا جس کی انہوں نے توقع کی تھی۔ طارق کو باپ کے کئی طور طریقے پسند نہیں تھے بلکہ انہیں بنیادی طور پر سیاست ہی پسند نہیں تھی۔ وہ گھر کے دوسرے افراد کی طرح چپ بھی نہیں رہتے تھے۔ یہ نور بیگم تھیں جو شوہر اور بیٹے کو کسی طرح سنبھال رہی تھیں۔

ایسے ہی ایک دن کسی بات پر حجت اور تکرار اس قدر بڑھی کہ طارق نے بیوی کے ساتھ گھر چھوڑ دیا۔ اس کے چند ماہ بعد ہی مقصود علی کی وفات ہو گئی اور درخشاں اور طارق نایاب بیگم اور صاعد کے ساتھ رہنے لگے۔

اس مشکل وقت میں بیٹی اور داماد نایاب بیگم

www.pklibrary.com

کے بازو بن گئے تھے۔ شوہر کی وفات کے بعد ان کی ہمت ٹوٹ گئی تھی مگر انہیں کام بھی سنبھالنا تھا اور گھر بھی۔ اب انہیں مجبوراً اپنی ترجیحات بدلنا پڑی تھیں۔ بچوں کے مستقبل کے لیے ان کا کام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ بیکری کی شاخیں اور فرینچائز کئی شہروں میں پھیلی تھیں۔

اس مشکل وقت میں طارق نے ان کا ساتھ دیا اور درخشاں نے صاعد کو سنبھال لیا۔ درخشاں اسپیشلائزیشن کر رہی تھیں۔ وہ بے انتہا مصروف ہوتی تھیں پھر بھی اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیت کے ساتھ انہوں نے صاعد کو اپنی اولاد کی طرح گلے لگایا تھا۔ نایاب بیگم اس قدر مصروف ہوتی تھیں کہ گھر اور بیٹے کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں بچتا تھا۔ بیٹی نے گھر اور بیٹے کی طرف سے انہیں بالکل بے فکر کر دیا تھا۔

طارق اور درخشاں ہی اس کے اصل ماں باپ بن گئے تھے۔ باپ کے نہ ہوتے ہوئے بھی طارق نے اسے کبھی اس محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ گھر میں ملازموں کی کمی نہیں تھی مگر محبت، احساس اور ماحول اسے درخشاں اور صاعد نے دیا تھا۔ اگر اس وقت انہیں بیٹی داماد کا سہارا نہ ہوتا تو یا تو کاروبار ڈوب جاتا یا بیٹا متاثر ہوتا۔ ان کے بنا صاعد تنہا، محروم اور ڈرا سہما، نوکروں کے رحم و کرم پر پلنے والا بچہ ہوتا، جس کی تربیت بھی نہ ہو پاتی۔

سب کچھ پٹری پر چلا آیا تھا زندگی بھی اور کاروبار بھی کہ پھر ایک حادثہ ان سب کو ہلا گیا۔ درخشاں کی قسمت میں جوانی میں ہی بیوگی درج تھی۔ صاعد بارہ سال کا تھا جب ایک سانحے نے طارق کو ان سے چھین لیا اور اس صدمے نے درخشاں کے بچے کو دنیا کے دیدار سے محروم کر دیا تھا جو بڑے انتظار کے بعد ان کی زندگیوں میں آنے والا تھا۔

درخشاں کے نزدیک طارق اور ان کی اولاد کی موت کے ذمہ دار خاقان نیازی تھے۔ اخباروں اور نیوز چینلوں پر قیاس آرائیاں ہوتی رہیں کہ ان کے کسی دشمن نے یہ کام کیا ہے۔ نشانہ باپ تھا مگر بیٹا چلا گیا۔ ہمہ وقت طارق کی زندگی سے بھرپور تصویر کے ساتھ حادثے کے وقت مسخ کار میں خون آلود، زخمی طارق کی تصاویر اخبار اور ٹی وی اسکرین پر گردش کرتیں تو صبر مشکل ہو جاتا نفرت اور غصہ بڑھتا جاتا۔

طارق کے گھر چھوڑ جانے سے خاقان نیازی کے 'مثالی اور ہر معاملے میں متحد، متفق اور ہم خیال خاندان' کی شبیہہ متاثر ہوئی تھی۔ وہ اس قدر خفا تھے کہ زندگی میں پہلی دفعہ بیوی پر بھی سختی کی کہ وہ طارق سے ملنے اس کے گھر نہیں جائیں گی لیکن طارق باپ سے ناراضی کے بعد بھی ماں سے ملنے گھر جاتے تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے قطع تعلق نہیں کیا تھا۔ جب انہیں پہلی بار گیٹ پر روکا گیا تو انہوں نے باپ کے سیکریٹری کو فون لگا کر کہا۔

"اگلی بار میں دو ٹی وی جرنلسٹ ساتھ لے آؤں گا۔" اور اسی وقت ان کے لیے گیٹ کھول دیے گئے۔

اس دن بھی وہ ماں سے مل کر واپس جا رہے تھے کہ ان کی کار کسی خرابی کی بنا پر اسٹارٹ ہی نہیں ہوئی۔ اس وقت صرف خاقان نیازی کی کار گیراج میں موجود تھی۔ بیوی کے اصرار پر خاقان نیازی نے اپنے ڈرائیور کو انہیں گھر تک چھوڑنے کو کہا۔ باپ کی عنایات کو ٹھکرانے والے طارق نے اس دن ماں کا مان رکھا اور وہی ان کی جان گنوانے کی وجہ بن گیا۔

ٹرک خاقان نیازی کی کار سے ٹکرایا اور موت طارق نے گلے لگائی۔ تفتیش ہوئی، کیس چلا، ٹرک ڈرائیور نے اقبال جرم کرتے ہوئے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ اس کو سزا بھی ہوئی لیکن اصل مجرم آج بھی آزاد تھے۔ ان دنوں ڈھکی چھپی کچھ کھلی کھلی سرگوشیاں عام تھیں کہ ان ہی کی سیاسی جماعت میں موجود، ان کے کسی حریف نے یہ کام کیا تھا۔ اس کے بعد تو درخشاں کے لیے وہ خاندان دشمن ہی ہو گیا تھا۔

محبوب شوہر کی اچانک حادثاتی موت اور دنیا

www.pklibrary.com

میں آنے سے پہلے اولاد کھونے کا صدمہ کم نہ تھا کہ جلد ہی طارق کی تصاویر خاقان نیازی کے ہر جلسے میں نظر آنے لگیں، ان کا مضبوط کردار، ان کی نیکیاں، اچھائیاں، سیاست سے دوری کی وجہ عوامی خدمت اور تعلیم کے فروغ کا جذبہ اور جانے کیا کیا۔ جسے سیاست سے نفرت تھی، اسی بیٹے کو خاقان نیازی نے اپنی سیاست میں سب سے زیادہ استعمال کیا اور کامیاب ہوتے گئے۔ اب بھی ان کی تقاریر طارق کے ذکر کے بنا مکمل نہیں ہوتی تھیں۔ اس رویے نے درخشاں کے دل میں ان کے لیے نفرت بھر دی تھی۔ نور بیگم کی ملنے اور تعلقات استوار کرنے کی مخلص کوشش بھی انہوں نے خاقان نیازی کی سیاسی چال سمجھ کر رد کر دی تھی۔

آج ڈاکٹر درخشاں طارق شہر کی نامور امراض نسواں تھیں۔ شہر میں ان کا جدید سہولیات سے مزین اسپتال بے حد مشہور تھا۔ وہ کئی فلاحی اداروں اور تنظیموں سے بھی جڑی تھیں۔ جب کہ صاعد اپنے والد کی مشہور 'سوئیٹ اسٹوری' سنبھال رہا تھا جو اپنے خاص کیکوں کے لیے مقبول تھی۔ نایاب بیگم ایک لمبی عمر کاروبار سنبھالنے کے بعد اب کمزور اور عمر رسیدہ تھیں۔ کچھ دن پہلے غسل خانے میں پھسلنے اور کولہے کی ہڈی کے آپریشن کے بعد وہ اس وقت وہیل چیئر پر تھیں۔ ایک کل وقتی نرس ان کی دیکھ بھال پر مامور تھی۔

انعم، نایاب بیگم کی کزن کی بیٹی تھی۔ وہ بھی گائنا کولوجی میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ چند ماہ قبل امریکہ میں بیٹے کے یہاں ولادت کے باعث اس کی والدہ بیٹے کے پاس گئیں تو اسے گھر میں تنہا چھوڑنے کے بجائے درخشاں کے یہاں چھوڑا تھا۔ ویسے بھی وہ کم ہی گھر میں ہوتی تھی۔ زیادہ وقت اسپتال اور ڈیوٹی میں ہی گزرتا تھا، باقی وقت سونے میں۔

☆☆☆

دفتر پہنچ کر اس نے اخبار کا اندرونی صفحہ کھولا۔ اس کے بچپن کی سب سے اچھی یادیں طارق سے وابستہ تھیں۔ اسے اپنے مسکرانے اور ہنسنے والے سارے دن طارق کی سنگت میں ملے تھے۔ طارق سے اس کا خونی رشتہ نہیں تھا مگر دل کا رشتہ ایسا مضبوط اور گہرا تھا کہ وہ ان سے جڑے لوگوں کے لیے بھی دل میں نرم گوشہ محسوس کرتا تھا۔ اس معاملے میں ان دونوں بہن بھائی کے احساسات مختلف تھے۔

تصویر میں خاقان نیازی واضح تھے لیکن سحر کا چہرہ دھندلا سا تھا۔ سحر کون ہے، یہ جاننے کے لیے اس نے پورا مضمون پڑھا۔ وہ ان کی نواسی تھی یعنی طارق کی بھانجی۔ خاقان نیازی اخبارات اور ٹی وی کی زینت بنتے رہتے تھے، ساتھ ہی ان کے بیٹے اور پوتے بھی مگر یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے ساتھ خاندان کی کسی خاتون کا ذکر ہو رہا تھا۔ درخشاں بھی اسی لیے خبر کو اہمیت دے رہی تھی کہ خاقان نیازی کا کوئی بھی کام یونہی نہیں ہوتا تھا۔ سحر زریاب 'آس' نامی فاؤنڈیشن کی چیئر پرسن تھی جس کے زیر انتظام غریب بچوں کے لیے اسکول بھی چل رہا تھا۔ وہ مضمون بظاہر اس اسکول کے متعلق ہی تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے اخبار بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

''کم ان۔''

''السلام علیکم۔'' چاچا نے اندر آتے ہوئے سلام کیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے پیچھے رمیز بھی تھا۔

''بیٹھو بیٹھو.....'' کرسی کھینچتے ہوئے انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''صبح صبح چیک اپ کے لیے ہاسپٹل آیا تھا، سوچا تم سے بھی ملتا چلوں۔''

''کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''سب ٹھیک، روٹین چیک اپ ہے بس۔''

''شکر ہے۔'' اس نے خوش دلی سے کہا۔

دونوں چچاؤں اور ان کے بچوں سے ان کے تعلقات زیادہ گہرے نہ سہی لیکن ٹھیک ٹھاک تھے۔ وہ وقفے وقفے سے ان کی خبر گیری کرنے اس کے دفتر آتے

www.pklibrary.com

تھے۔

''بھابھی کیسی ہیں؟'' انہوں نے نایاب بیگم کی خیریت دریافت کی۔

''الحمدللہ کافی بہتر ہیں، اب بھی بیڈ ریسٹ پر ہی ہیں۔''

''اس عمر میں میں نے بہت کم لوگوں کے کام یاب آپریشن دیکھے ہیں۔ یہ تو درخشاں کا کمال ہے جو ماں کے لیے ایسا قابل سرجن ڈھونڈا۔'' ان کے لہجے میں ستائش تھی۔ اس بات پر اسے کوئی شبہ نہیں تھا۔

''درخشاں کیسی ہے؟''

''جی۔ وہ بھی ٹھیک ہیں، ان کی روٹین تو بہت بزی ہوتی ہے۔''

''اب خیال رکھنے اور فکر کرنے کی تمہاری باری ہے، انہیں آرام اور تمہارے بچوں کی خوشیاں دو، ویسے شادی کے بارے میں سوچا یا نہیں؟''

''یہ کام تو آپی کا ہے چچا جان۔'' اس نے ہنستے ہوئے بات ٹال دی۔

خاندان کے لوگوں سے ملاقات اور بات ہمیشہ اسی نکتے پر ختم ہوتی تھی۔ وہ سب درخشاں کی حادثاتی بیوگی، اولاد کھونے کا دکھ، ماں کی مدد، کاروبار کی سلامتی، خود اپنی کام یاب زندگی اور پھر چھوٹے بھائی کی یوں کام یاب پرورش کی بہت تعریفیں اور اعترافات کرتے تھے۔ ہر بار یہ سن کر اس میں انکساری، احسان مندی کے ساتھ ساتھ ایک خوف بھی بے دار ہو جاتا تھا۔ بہن کے لیے اس کے اندر جتنی محبت، قدر اور احترام تھا وہ اپنی زندگی میں ان کے لیے اتنا ہی محتاط تھا۔

پھر بھی لوگوں کی ایسی باتیں سن کر وہ سہم جاتا تھا کہ کہیں غلطی نہ ہو جائے، وہ بہن کے دکھ یا تکلیف کا باعث نہ بن جائے۔ نایاب بیگم کی بار بار کی یاد دہانی اور تنبیہ نے یہ خیال اس کے خون کے اندر شامل کر دیا تھا۔

☆☆☆

''کیک والوں کو ایک بار پھر ریمائنڈ کروا دیجیے گا۔'' اس نے میز سے اپنا سامان اٹھا کر بیگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم یہ کوئی دسویں بار کہہ رہی ہو، اب میں برا مان جاؤں گی۔'' آپا نے روٹھے سے انداز میں کہا تو وہ ہنس دی۔ آپا اسکول کی پرنسپل تھیں۔ وہ نانو کے وقت سے ان کے ساتھ تھیں اور اب ریٹائرمنٹ کے قریب تھیں۔

''بچے اتنے ایکسائیٹڈ ہیں ناں، اس لیے ڈر لگتا ہے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔'' اس نے ہلکی سی ناک چڑھاتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔''

''ان شاء اللہ۔'' اس نے بیگ شانے پر ڈالا۔

''آپ بھی جائیں اب گھر، میں نکلتی ہوں۔''

''یہ لے جاؤ، راستے میں پڑھ لینا۔'' انہوں نے میز سے اخبار اٹھا کر اسے تھمایا۔

اس احاطے میں ایک طرف فاؤنڈیشن کا دفتر تھا اور وہیں اسکول کی ایک منزلہ عمارت تھی۔ کل کی تقریب کی تیاری کے لیے اسکول کا عملہ چھٹی کے بعد رکا ہوا تھا۔

وہ کچھ کہے بنا باہر آ گئی جہاں ڈرائیور منتظر تھا۔ اسے تنہا اپنی کار میں سفر کا اتنا شوق تھا کہ اس نے ڈرائیونگ جیسا نہایت مشکل لگنے والا کام سیکھا تھا لیکن اس کے سر پر ڈرائیور پھر بھی مسلط تھا۔

اس نے گھڑکی سے نظر آتی مصروف سڑک سے نگاہ ہٹا کر گردن جھکائی تو گود میں دھرا اخبار نظر آیا۔ اس نے بے دلی سے اٹھا کر نشست پر رکھ دیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتی تھی۔ اس گھر میں بھی ہر سیاسی اور عوامی خدمت گزار خاندان کی طرح وہی ہوتا تھا جس میں فائدہ ہو اور ایسی ہر بات اور کام کو ساری دنیا کو دکھانا بھی لازمی ہوتا ورنہ ان کاموں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا لیکن اب اسے اس سیاسی اور نمائشی کھیل سے چڑ ہونے لگی تھی۔

اسے سیاست میں دلچسپی تھی نہ نام اور شہرت کا

www.pklibrary.com

چکا تھا۔ اسے اپنی گم نامی عزیز تھی جواب اس سے چھن رہی تھی۔ جسے اس نے ایک آدھ بار کی مداخلت سمجھا تھا، اب وہ دردسر بن گئی تھی۔

یوں تو سب اپنی زندگی میں مصروف تھے لیکن ان الگ الگ مصروفیات، دلچسپیوں اور شوق کے بیچ سیاسی فائدے کے لیے وہ سب ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہر کوئی مل کر بطور 'ٹیم' کام کرتا تھا۔ ماموں، فرحان اور ذیشان کا کامیاب کاروبار کو مزید پھیلانے میں مصروف ہوتے تھے۔

ماموں کا اپنا الگ سوشل سرکل تھا جس میں وہ بے انتہا متحرک تھیں۔

بڑے ماموں کی زمر، شمسہ شادی کے بعد لکھنو اور لندن جا بسی تھیں۔ جب کہ سہانا لندن میں بزنس پڑھ رہی تھی۔ آبشار ایک سال پہلے واپس آیا تب سے دادا کا سایہ بنا ہوا تھا اور اس کی آمد کے بعد سے ہی اس کا اسکول اور فاؤنڈیشن سیاسی مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگے تھے۔

سیاست میں نام بنانے کے لیے لازم ہے کہ خود کو مسلسل عوام کا سب سے بڑا خدمت گار اور خیر خواہ ثابت کیا جائے، کام چاہے کچھ نہ کریں لیکن کام کرنے کا تاثر بنا رہنا چاہیے اور اس سلسلے میں اس کا اسکول بڑا موثر ثابت ہو رہا تھا۔

غریب بستی اور پسماندہ گھروں کے بچے آئے دن کوئی نہ کوئی مقابلہ جیت جاتے تھے۔ کبھی مصوری کا تو کبھی تقریر اور مضمون نویسی کا۔ کل ہی نویں جماعت کے ایک بچے نے ریاستی سطح پر ہونے والے کرائے نور نامنٹ میں طلائی تمغہ جیتا تھا۔

نانو یعنی نور بیگم نے مرحوم بیٹے طارق کی یاد میں، اس کے لیے ثواب جاریہ کے طور پر ایک ٹرسٹ قائم کیا تھا جو غریب طبقے کے فلاح کے لیے کام کرتا تھا۔ وہ بیٹے کی وفات سے پہلے بھی بہت سوشل تھیں لیکن اس حادثے کے بعد انہوں نے خود کو ٹرسٹ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ بہو بیٹوں کی زندگیوں میں زیادہ مداخلت نہیں کرتی تھیں۔ اسے رحم دلی اور دوسروں کی مدد کا جذبہ نانو سے ہی ورثے میں ملا تھا تو سیاست سے چڑ طارق ماموں سے۔

اس کی ممی نے پہلی شادی اپنی پسند سے کی تھی جو دو سال بمشکل چلی۔ وہ سال بھر کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان میں طلاق ہو گئی۔ ڈیڑھ سال بعد وہ اسے چھوڑ کر والدین کی پسند سے شادی کر کے آسٹریلیا چلی گئیں۔

والد بھی اپنی الگ دنیا بسا چکے تھے۔ اس کا بچپن جوانی سب کچھ نانو کی گود میں گزرا تھا۔ نانو کے علاوہ اس کی زندگی میں اس کے پاپا تھے جو کبھی اس سے غافل نہیں ہوئے تھے۔ ممی بھی فون پر خیریت پوچھنے اور اس کے اکاؤنٹ میں پابندی سے رقم بھیجنا نہیں بھولتی تھیں۔ لیکن پاپا اس کی زندگی میں حقیقت میں موجود تھے۔

دونوں باپ بیٹی روز فون پر باتوں کے علاوہ دس پندرہ دن میں کسی اچھے ریسورنٹ میں ڈنر کرتے تھے۔ وہ ددھیال کی سب ہی تقاریب میں شرکت کرتی تھی۔ اس کی تایا زاد کزن اس کی اچھی سہیلی بھی تھی۔ باقی کزنز سے بھی اس کے تعلقات اچھے تھے۔ وہ پاپا کے ساتھ دو بار غیر ملکوں کی سیاحت کے لیے بھی جا چکی تھی۔

اس کے دو سوتیلے بھائی تھے۔ سوتیلی ماں اور بھائیوں سے اس کا تعلق رسمی سا تھا۔ والدین کی علیحدگی کے باوجود وہ کافی حد تک پر آسائش اور معمول کی زندگی گزار رہی تھی۔

ممی سے پاپا جیسی بے تکلفی نہیں تھی مگر نانو کی محبت اور موجودگی میں اس کمی کا احساس اس کے دل میں جگہ نہیں بنا پایا تھا۔ وہ پڑھائی کے دوران ہی نور بیگم کے ساتھ ٹرسٹ کے کاموں میں مدد کرتی تھی۔ سوشیالوجی میں ماسٹرز کے بعد اس نے مکمل طور پر خود کو اس کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اسکول کا خواب بھی اسی نے دیکھا تھا جس کی تعبیر حاصل کرنے میں نانو نے اس کی مدد کی تھی۔ مگر زندگی نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اسے پھلتے پھولتے دیکھتیں۔

www.pklibrary.com

غسل کرنے کے بعد اس نے اپنے لیے کمرے میں چائے منگوائی اور کپ لے کر کھڑکی میں بیٹھ گئی۔

قانونی پیچیدگیوں کے باعث نانو کے بعد ٹرسٹ اب فاؤنڈیشن تھا اور وہ اس کی صدر تھی۔ پہلے نانو تھیں جو اس طرح کے کاموں کو روک دیتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کی یہ انہوں نے مرحوم بیٹے کو ثواب پہنچانے کے لیے شروع کیا ہے سو اس کی تشہیر نہ کی جائے لیکن اب ان کے بعد سب بدل گیا تھا۔ کوئی اس سے پوچھنا یا اجازت لینا بھی ضروری نہیں سمجھتا تھا بس کوئی اطلاع دے جاتا تھا کہ فلاں دن فلاں مقام پر اسے یہ اور یہ کرنا اور کہنا ہے۔ اسے بس اسکرپٹ تھما کر اپنا کردار بخوبی نبھانے کی تلقین کر دی جاتی جس سے انکار کا سوال ہی نہیں تھا۔

کل بھی ایک ایسا ہی منصوبہ بند جشن تھا۔ اس کے اسکول کے بچے کا طلائی تمغہ نانا جان اپنے سینے پر سجانے والے تھے۔ ان کے ووٹرز کی ایک بڑی تعداد ان بستیوں میں آباد تھی جہاں اس کا اسکول تھا۔

پہلے وہ اسکول میں بنا کسی شور شرابے کے چھوٹی موٹی کامیابیوں کا جشن مناتے تھے لیکن بڑی کامیابیوں کے ساتھ اب اخباروں کے نمائندے، فوٹو گرافر اور نانا جان کا پورا 'عملہ' موجود ہوتا تھا۔

اس تماشے میں وہ گھٹ پتلی تھی اور اس کی ڈور نانا جان کی اسٹریٹجی ٹیم کے ہاتھ میں تھی۔ جب سے آبشار واپس آیا تھا، بہت کچھ نئے اور جدید طریقوں سے ہونے لگا تھا۔ اسٹریٹجی ٹیم بھی اس نے ہی متعارف کروائی تھی۔ اب ہر کچھ دن میں سروے اور پھر اس کے نتائج کی روشنی میں ووٹروں کو لبھانے والے کام ہونے لگے تھے کہ مقابلہ بھی سخت ہو گیا تھا۔

خاقان نیازی اس وقت ایم پی یعنی قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ وہ اس سے قبل ریاستی حکومت میں منسٹر بھی رہ چکے تھے۔ آبشار کو بھی سیاست میں دلچسپی تھی۔ جلد بلدیاتی انتخاب متوقع تھے اور خاقان نیازی اسی کو پوتے کی پہلی سیڑھی بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آبشار ساری محنت اسی لیے کر رہا تھا۔

☆☆☆

معمول کی طرح وہ اوپر دفتر میں جانے سے پہلے نیچے دکان میں آیا تھا۔ یہ ان کے برینڈ کی اس شہر میں سب سے بڑی اور مرکزی شاخ تھی۔

"سب کچھ ٹھیک ہے، اینی پرابلم؟" منیجر اعجاز پریشانی کے عالم میں فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ ظاہر تھا کہ دوسری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔

"ایک فنکشن کا آرڈر لے کر فرہاد وین سے نکلا ہے لیکن وہ مین کیک یہیں بھول گیا اور اب فون بھی نہیں اٹھا رہا۔"

"کسی اور کو دے کر بھیج دو۔"

"سب مصروف ہیں۔" اس نے پیچھے شیشے کے اس پار اشارہ دیکھا۔ پیچھے بیکری والے شیف اور ملازمین تھکی ایپرن پہنے کسی نہ کسی کام میں مگن تھے۔

یہ شاخ بے حد مصروف ہوتی تھی، لہٰذا اگلے یعنی دکان والے عملے کو کچھ دیر کے لیے بھی کم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"ایڈریس دو، میں ڈیلیور کر دیتا ہوں۔"

"سر..... آپ....."

"کوئی اور راستہ ہے؟"

"میں..... میں چلا جاتا ہوں۔" اعجاز نے کہا۔

"اور یہ شاپ کون سنبھالے گا؟ کوئی ایسی ایمرجنسی آ گئی تو تمہاری ضرورت یہاں ہوگی۔"

شرمندہ سے اعجاز نے اسے پتا اور کیک کا ڈبہ تھمایا۔ ان کے مالک کو 'مس مینجمنٹ' پسند نہیں تھی۔ بیکری اور دکان کا عملہ بھی مستعد اور قابل تھا لیکن سب تھے تو انسان ہی، خطا کے پتلے اس لیے کبھی کبھار ایسی اونچ نیچ ہو جاتی تھی۔

گاڑی گیٹ کے باہر کھڑی کر کے وہ 'سوئیٹ اسٹوری' کے بڑے سے چوکور ڈبے کی ڈوریاں تھامے اندر آیا۔ فرہاد کو فون کرنے کے ارادے سے جیب سے فون نکالتے ہوئے اس نے اطراف میں

www.pklibrary.com

نظر دوڑائی۔ احاطے میں بچے اکٹھا تھے، جنھیں قطار میں بٹھایا جا رہا تھا۔ سارے پرجوش اور خوش دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک جانب اسٹیج بنا ہوا تھا اور وہاں لٹک رہے بینر پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنی بے توجہی اور غائب دماغی کو کوسا۔ وہ اخبار میں اسکول کا نام اور پتا پڑھ چکا تھا لیکن اعجاز سے اس جگہ کا پتا لینے کے بعد بھی اسے ادراک نہیں ہوا کہ یہ وہی جگہ ہے۔

یہ سحر زریاب کا اسکول تھا اور چند منٹ بعد ہونے والی تقریب کے مہمان خصوصی خاقان نیازی تھے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور عمارت کی طرف قدم بڑھا دیے۔ یہاں سے جلد از جلد نکلنا ضروری تھا۔

"رکیں!" اس نے عمارت کے داخلی دروازے کے قریب دریوں کے ڈھیر سے دری اٹھاتے ایک شخص کو روکا جو اس کے اندازے کے مطابق چپڑاسی تھا۔

"یہ کیک رہ گیا تھا، بیکری نے بھیجا ہے۔"

"اندر آخری روم میں سارا سامان ہے، وہاں رکھ دیں۔" وہ عجلت میں کہتا احاطے کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

وہ تین سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ ایک لمبے چوڑے پورچ کے بعد دروازہ تھا۔ دروازے کے دونوں جانب کچھ بینچ اور میزیں تھیں جس پر بچوں کو دی جانے والی پلیٹیں رکھی تھیں۔ ہر کاغذی پلیٹ میں پیسٹری، پیٹس، چپس، چاکلیٹ اور جوس کا چھوٹا ڈبہ رکھا تھا اور یہ سب اس کی بیکری سے آیا تھا۔ وہاں دریاں اور میدان میں دھوپ سے بچنے کے لیے ڈالی گئی چھت کے لیے موٹے موٹے پردے بھی پڑے تھے۔

وہ اندر داخل ہوا۔ مختصر سی راہداری کے دونوں جانب کمرے تھے۔ بچے زیادہ تر باہر تھے لیکن چند ایک اب بھی اندر باہر ہو رہے تھے۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا راہداری کے آخری سرے پر پہنچا۔ دائیں بائیں والے دونوں کمرے دیگر کمروں سے مختلف تھے۔ ایک شاید دفتر تھا اور دوسرا اسٹاف روم۔ اسٹاف روم میں ہی بڑی سی میز پر اسے بیکری سے بھیجے گئے اشیائے خورد و نوش کے کارٹن نظر آئے۔ اگلے حصے سے پٹاخوں کی آواز آ رہی تھی۔

"لگتا ہے چیف گیسٹ آ گئے۔" اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے سوچا۔ وہاں چند افراد موجود تھے جو کاغذ کی تلف پذیر پلیٹوں میں چیزیں رکھ رہے تھے اور دو خواتین وہ اٹھا کر باہر لے جا رہی تھیں۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے کیک انہیں تھمایا۔ اعجاز نے پہلے ہی فون پر اطلاع دے دی تھی کہ کیک پہنچ رہا ہے۔

یہ مہمان خصوصی کے ہاتھوں کاٹا جانے والا کیک تھا۔ وہ ہال سے باہر نکل کر راہداری میں واپس آیا تو ایک اہم کال آ گئی۔ مزید آگے جاتا تو شور بہت تھا، پٹاخوں کی آواز اب بھی آ رہی تھی لہٰذا وہیں رک کر پوری بات کرنے کے بعد وہ باہر آیا۔

سب ہی بچے قطاروں میں بیٹھ گئے تھے۔ سب خاموشی سے اسٹیج کی سمت متوجہ تھے جہاں مہمان خصوصی اور ان کے ساتھی کرسیاں سنبھال چکے تھے۔ بچوں کی قطاروں کے درمیان سے گزرنے کے بجائے وہ کنارے کنارے چلتا گیٹ تک آیا تب تک آپا مائیک سنبھال چکی تھیں۔

گاڑی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اندر سے ابھرتی چیخیں اور بھگدڑ کا شور سن کر رک گیا۔ دیوار کے اس طرف سے کسی حادثے کا اشارہ مل رہا تھا۔ وہ تیزی سے واپس اندر آیا۔ پورچ میں رکھے سامان سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ شعلے کی لپکیں آگے مزید تباہی سے خبردار کر رہی تھی۔ بچے چیخ رہے تھے۔ اس نے فون نکال کر فائر بریگیڈ کا نمبر ملایا۔ اسٹیج پر بھی افراتفری مچی تھی۔ فون پر بات کرتے ہوئے اس نے دیکھا وہ بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ اتنے فاصلے سے اسے ہوا کے دوش پر اڑتے اس کے بال نظر آئے اور اس کا زمین

www.pklibrary.com

کو چھوتا سبز دوپٹا۔

وہ فون رکھ کر بمشکل اس وقت دروازے تک پہنچا جب وہ دھوئیں اور آگ میں گم ہونے والی تھی۔

"پلیز!" صاعد نے عقب سے کہنی پکڑ کر اسے پیچھے کھینچا تو وہ پلٹی۔ وہ ہاتھ چھڑا کر اندر بڑھنے والی تھی مگر جیسے بھول گئی۔ اس اجنبی کے چہرے پر اس کے لیے تسلی اور دلاسا تھا۔ اس کی پلکوں کی جنبش میں 'کچھ نہیں ہوگا' والی تھپکی اور 'میں سنبھال لوں گا' والی یقین دہانی تھی۔

اس ساعت صاعد کے ذہن سے آگ، دھواں اسکول سب محو ہو گئے تھے۔ گلابی چہرہ، گہری سیاہ آنکھیں، شانوں پر بکھرے سیاہ شب سے ریشمی بال اور بے قراری سے کھلتے بند ہوتے ہونٹ نہیں بلکہ اسے مبہوت کرنے والا اس چہرے پر کچھ اور تھا، بہت منفرد جو اس نے پہلی بار دیکھا تھا اور جو سیدھا اس کے دل میں اترا تھا، تمکنت، وقار معصومیت، نرمی۔

نہیں ان کے ساتھ وہ کوئی اور چیز تھی۔ وہ حسین تھی، بلا کی حسین لیکن صاعد صرف حسن سے متاثر ہونے والا ہوتا تو کئی حسینائیں اس کی زندگی میں آکر جا چکی تھیں، چناب بھی موجود تھیں۔

اطراف میں قیامت برپا تھی مگر اس کا دل، وقت، زندگی کچھ سیکنڈ کے لیے سب تھم سے گئے تھے، وہ دنیا سے کٹ گیا تھا۔ اس کے لیے ساری کائنات اس وقت اس چہرے میں سمٹ آئی تھی۔

"میڈم..... میڈیم.....!" اچانک تیز آوازوں پر دونوں چونکے۔ چند لمحوں کی غفلت میں سحر کا زمین کو چھوتا پلو آگ پکڑ چکا تھا۔ وہ دوپٹا دور پھینکنے کے بجائے اضطراری طور پر سینے پر ہاتھ رکھے اسے اتارنے سے انکاری تھی۔ صاعد نے اس کی کہنی چھوڑ کر پلو پر پیر رکھے اور جوتے سے آگ بجھانے لگا۔ آگ بجھ گئی۔ اندر سے بچے کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔ آگ اندر نہیں تھی لیکن دھواں راہداری اور کمروں میں بھر چکا تھا۔ اسٹاف روم میں موجود سب ہی افراد شور شرابے اور دھوئیں کی بو پاتے ہی باہر نکل آئے تھے لیکن بچہ مارے خوف اور صدمے کے اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں پا رہا تھا۔ آگ وہاں رکھے کپڑے اور لکڑی کی بینچوں کی وجہ سے پھیل رہی تھی۔ پانی کا انتظام پیچھے تھا۔ چپڑاسی اور ٹیچر ادھر بالٹیاں بھر رہے تھے لیکن دو چار بالٹی بھر پانی ناکافی تھا۔

سحر ایک بار پھر آگے بڑھی تھی کہ صاعد اسے پیچھے کرتا خود اندر چلا گیا۔ سارا مجمع سیڑھیوں سے نیچے میدان میں اکٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بچے کو گود میں لیے باہر دروازے پر آیا تو شعلے دروازے کی سمت لپک رہے تھے۔ ایک گہری سانس لے کر بچے کو بازوؤں میں چھپاتا وہ لپکتے شعلوں سے بچتا باہر آیا۔ دھوئیں کی وجہ سے وہ دونوں کھانس رہے تھے۔

آپا نے فوراً بچے کو اس کی گود سے لیا۔ تب ہی اسکول کا عملہ اور کچھ آس پڑوس کے لوگ پانی لیے دوڑے آئے۔ آگ اس لمحے بے قابو ہو گئی تھی۔ میدان کی بھیڑ پیچھے سرکتی جا رہی تھی۔ تپش نے اسے بھی دور ہونے پر مجبور کیا۔

"تھینک یو..... تھینک یو ویری مچ۔" سحر نے احسان مندی سے کہا مگر اس کے چہرے پر اب بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"آپ ٹھیک ہیں جوان؟" خاقان نیازی نے آگے آکر اس سے انگریزی میں پوچھا۔ اس وقت صاعد نے غور کیا، وہاں اسکول کے عملے اور بچوں کے علاوہ بھی بہت سارے افراد موجود تھے جن میں کیمرہ آنکھ سے لگائے تصویریں بناتے فوٹو جرنلسٹ بھی تھے۔

"جی سر! میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔ تب ہی فائر بریگیڈ کا سائرن سنائی دیا۔

بچوں اور بھیڑ کو ایک طرف کیا گیا اور جلد ہی آگ پر قابو پا لیا گیا۔ اسے بھی سب کے ساتھ رکنا پڑا۔

www.pklibrary.com

"میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، مس نے کہا تھا، آج کیک ملے گا۔" پانچ چھ سالہ بچہ مایوسی سے اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

"آگ ناشتے کے بعد لگتی تو اچھا تھا۔" دوست اس سے زیادہ دکھی تھا۔

سحر کو ان کی باتیں سن کر بہت افسوس ہوا۔

کچھ دیر بعد جب آگ بجھ گئی اور میدان کیچڑ سے بھر گیا تو خاقان نیازی نے ایک چھوٹی سی تقریر کی جس میں اسکول کے نقصان کو پورا کرنے کی ذمہ داری اٹھانے اور طلائی تمغہ جیتنے والے کے لیے نقد انعام کا اعلان تھا۔ تب ہی وہ ان کے قریب آیا اور ان سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ انہیں جہاں وہ موجود ہوں وہاں خود کو ہی توجہ اور نگاہوں کا مرکز بنا رہنا پسند تھا، دوسرے کی مداخلت کبھی اچھی نہیں لگتی تھی لیکن سیاست مصلحت کے بنا چل ہی نہیں سکتی، اس لیے اس کی تعریف کے ساتھ اسے کہنے کا موقع دے دیا۔

"میں سب ہی بچوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ منڈے کو جب وہ اسکول آئیں تو لنچ ساتھ نہ لائیں، آج جو ٹریٹ ادھوری رہ گئی ہے، وہ آپ کو منڈے کو ملے گی۔" ذرا دیر پہلے بجی تالیوں کا شور اس وقت گونجا بچوں کی آوازوں اور تالیوں کے آگے کچھ نہ تھا۔ اپنی بات ختم کر کے صاعد نے ان دو بچوں کو دیکھا تھا جن کے چہرے کی مایوسی اب خوشی میں ڈھل گئی تھی اور اس کی نظروں کا تعاقب کرتی سحر کو وہ اجنبی بڑا اچھا لگا۔

فارمل خاکی پینٹ پر سفید اور گرے دھاری دار شرٹ کی کہنیوں تک چڑھی آستینیں اور کلائی پر وزنی سی گھڑی تھی۔ دھوئیں سے اٹے بھورے بال اور سفید رنگت پر اس کا تبسم اس ساری ہلچل اور پریشانی کے بیچ واحد اچھی چیز تھا۔ وہ فوراً وہاں سے جانا چاہتا تھا لیکن سب کے ساتھ تصویریں بنوانا پڑیں۔ وہاں ٹی وی کیمرا بھی موجود تھے۔ خاقان نیازی جلد ہی اپنے ساتھیوں اور عملے کے ساتھ چلے گئے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے سیکریٹری سے صاعد کی تفصیل پوچھی اور جواب میں 'سوئیٹ اسٹوری' کا مالک سن کر وہ پل بھر کو گنگ رہ گئے۔ انہوں نے فوراً سنبھل کر آبشار کو فون لگایا جو آخری لمحے بوجہ ان کے ساتھ آ نہیں سکا تھا۔

سب کے ساتھ اسے بھی خاقان نیازی کو پروٹوکول دیتے ہوئے ان کے جانے تک رکنا پڑا تھا۔ بچوں کو چھٹی دے دی گئی تھی۔ وہ جو بے حد مایوس تھے صاعد کے اعلان کے بعد پرجوش سے گھر گئے تھے۔ اب تو اکتا دینے والی تقریر سننے بنا ہی اچھا کھانے کو ملنے والا تھا۔ آپا اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ اس نے انہیں اپنا کارڈ دیا۔ اسکول کا عملہ مل کر صفائی میں لگا تھا۔ وہ ان سے اجازت لے کر جانے لگا تھا کہ سحر آئی۔ اس کے ہاتھ میں اسکول کے فرسٹ ایڈ باکس سے نکالا گیا برنال تھا۔

"آپ کا ہاتھ چھلس گیا ہے۔" اس کے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا تو صاعد نے ہتھیلی کی پشت دیکھی۔ اسے جلن کا احساس ہو رہا تھا لیکن آس پاس اتنا کچھ برپا تھا کہ اس نے ادھر توجہ ہی نہیں دی۔ تب ہی آپا کو کسی نے پکارا، وہ چلی گئیں۔

وہ ہتھیلی کی پشت دیکھ رہا تھا اور سحر کی انگشتِ شہادت اس داغ پر زرد سا مرہم پھیلانے لگی۔

"آپ کی مدد کے لیے بطورِ شکریہ مجھے اتنا تو کرنا چاہیے۔"

وہ احتیاط اور توجہ سے مرہم لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور صاعد اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہی جلا دوپٹا اس کے شانے پر جھول رہا تھا اور وہ اب بھی اس منفرد اور نئی چیز کا نام تلاش کر رہا تھا جو اس چہرے میں تھی۔

"یہ تو فرسٹ ایڈ ہے، آپ ڈاکٹر کو لازمی دکھائیں۔" اس نے انگلی ہٹاتے ہوئے اوپر دیکھ کر کہا۔

"جی۔" وہ مسکرایا۔

"آپ نے اب تک اپنا نام بھی نہیں بتایا۔"

"صاعد مقصود۔" اس نے قصداً خاقان نیازی

www.pklibrary.com

کے سامنے اپنا نام اور تعارف دینے سے احتراز برتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شکر گزار بھی تھا کہ انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اسے پہچانا نہیں ورنہ صورت حال دونوں کے لیے بڑی بے آرامی والی ہوتی۔ کچھ انہوں نے اور ان کے عملے نے بھی پوری کوشش کی تھی کہ کوئی صحافی اس کا انٹرویو نہ شروع کردے نہ اس کے متعلق زیادہ پوچھ گچھ کرے۔

''میں سحر زریاب۔ یہ اسکول ہماری فاؤنڈیشن رن کرتی ہے۔'' سحر نام سے اسے پہچان نہیں سکی تھی۔

''بہت اچھا کام کر رہی ہے آپ کی فاؤنڈیشن۔'' اس نے یہ رسماً نہیں کہا تھا مگر سحر کو ایسا ہی لگا۔

اسے جلد کوئی سنجیدگی سے لیتا ہی نہیں تھا۔ پہلے پہل جب اس نے نانو کے ساتھ کام شروع کیا تھا تو اس کا لباس اور پہناوا اوڑھنا ہی موضوع بحث ہوتا تھا کہ یہ ماڈلنگ کرنے آتی ہے، پوری ہیروئین بن کر چیریٹی کرنے نکلی ہے اور جانے کیا کیا۔

وہ خوب صورت تو تھی ہی ساتھ اعلیٰ طبقے کا شعور، فصاحت اور نفاست بھی اس کی شخصیت میں شامل تھی، اس کی پسند معیاری تھی، پہننے اوڑھنے اور اسے برتنے کا سلیقہ بھی بہت تھا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے کام کے مطابق اپنی پسند اور حلیہ بدل لیا تھا۔ لباس اور دوسری آرائشی چیزوں میں شوخی اور فیشن کی جگہ شائستگی نے لے لی لیکن شہزادیوں والی تمکنت اور ہر چیز سے چھلکتی امارت سے وہ پیچھا نہیں چھڑا پائی تھی۔

''یہ جملہ فار ملیٹی نہیں ہے۔'' اس کی مسکراہٹ پڑھتے ہوئے اس نے واضح کیا۔

''مجھے واقعی آپ کا کام اچھا لگا، یہ قابل ستائش اور قابل تقلید ہے۔'' اس نے اب کے انگریزی میں کہا تھا۔

''تھینک یو۔'' اس کا شکریہ متبسم تھا۔ تب ہی کسی نے اسے پکارا اور وہ معذرت کرتی ایک بار پھر شکریہ ادا کرتی چلی گئی۔ عجیب افراتفری والا دن تھا، اس کا حلیہ بگڑ گیا تھا لیکن اسے شکایت نہیں تھی۔ اس کے لیے آج کا دن ایک نیا دن تھا۔

صاعد نے گھر پر اس حادثے اور ملاقات کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کا ارادہ سب کو بے خبر رکھنے کا ہی تھا لیکن اگلے دن کا اخبار اس کا ارادہ ملیامٹ کر گیا۔ جب ٹی وی پر خبریں نشر ہوئیں تو 'دس منٹ میں سو خبریں' میں نظر آنے والی خبر آگ کی وجہ سے بریکنگ نیوز بن چکی تھی۔ خاقان نیازی اور سحر زریاب کے ہمراہ اس کی تصاویر کے ساتھ ان کے درمیان کا تعلق بھی مفصل لکھا اور سنایا جا رہا تھا۔

مکمل خبر پڑھنے کے بعد اس نے نامہ نگار کا نام دیکھا جسے دونوں خاندانوں کی تاریخ کا اچھی طرح علم تھا۔ اسے ڈرامائی انداز میں کسی ہیرو کی طرح پیش کیا گیا تھا۔ آگ میں کود کر بچے کو بچانے والا اور پھر ان کے لیے ایک اور جشن کا اعلان کرنے والا رحم دل اور جانباز ہیرو۔ ساتھ ہی 'سوئیٹ اسٹوری' کا بھی تذکرہ تھا۔

خلاف توقع درخشاں نے ناراضی اور ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔

کیوں کہ ان کے اندر بڑا سکون اور قرار اترا تھا۔ خاقان نیازی کا شوان کے بھائی نے جو چھین لیا تھا۔ انہوں نے صاعد سے پوری تفصیل سنی اور ایک بار پھر اخبار اٹھا لیا۔ وہ خاقان نیازی اور ان کے خاندان سے کبھی غافل نہیں ہوئی تھیں۔

ان کے اندر بڑی شدید خواہش تھی کہ وہ کبھی تو ان کی سب سے عزیز سیاست میں کسی طرح ان کو پچھاڑنے کا سبب بنیں۔ اسی منحوس سیاست نے طارق کو تنہا اور پھر مرحوم کیا تھا۔

نایاب بیگم نے بیٹی کے سامنے تو صاعد سے کچھ نہیں کہا لیکن اسے خاص کمرے میں بلا کر ایک بار پھر نصیحت اور تاکید سے بھرا سبق دہرایا تھا۔ جس میں اسے اس خاندان سے کوسوں دور رہنے کی ہدایت بھی شامل تھی۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

اس کے برعکس خاقان نیازی کی طرف ایسا سکون ندارد تھا۔ سب سے زیادہ افسوس اور غصہ آبشار کو تھا کہ وہ کیوں اسکول نہیں گیا۔ اگر وہ وہاں موجود ہوتا تو کسی اور کے نمایاں ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی دادا کے ساتھ جانے والے لوگوں کی کلاس لے چکا تھا۔

کامیاب سیاست کا مطلب تھا حادثہ ہو، کامیابی ہو، سانحہ ہو یا ناکامی سب کو اپنے مقصد اور فائدے کے لیے کارآمد بنانا۔ جب تک نور بیگم تھیں گھر میں طارق اور کبھی کبھار درخشاں کا ذکر ہوتا تھا لیکن ان کے بعد سے جلسوں میں طارق کی برسی پر انہیں یاد کیا جاتا تھا۔ تب ان کی زندگی پر 'پیڈ فیچرز' شائع کیے جاتے جس میں درخشاں اور اس کے خاندان کا غلطی سے بھی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ درخشاں کہاں ہیں، کس حال میں ہیں، کسی کو فکر تھی نہ پروا۔ وہ بھی اس طرح سامنے آئیں گی، کسی نے نہیں سوچا تھا۔ ان کا چھوٹا بھائی تو ان سب کے ذہنوں سے محو ہی ہو گیا تھا۔ آبشار تصویر میں مسکراتے صاعد کو گھور رہا تھا۔ اچانک اس نے اخبار بند کر کے اسے موڑا اور زور سے میز پر پٹکا۔ ٹی وی تو اس نے چلایا ہی نہیں تھا۔

''کیوں خون جلا رہے ہو۔'' اسی وقت خاقان نیازی اندر داخل ہوئے۔ ''جو ہو چکا اسے بھول کر آگے کا سوچو۔ آگ سے ہوئے نقصان کی بھرپائی کے لیے چیک دے آؤ، فوٹو تو کل سب جگہ چھپ جائیں گی۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

''اسکول جانے کی کیا ضرورت، گھر میں ہی تصویر کھینچ لیں گے۔''

''سحر اسکول کی پرنسپل نہیں ہے، اور ایک بات دماغ میں بٹھا لو.....'' انہوں نے جتانے کے لیے ہاتھ اٹھا کر اس کی سمت اشارہ کیا۔

''گزرے کل پر کڑھنے والوں کو کبھی منزل نہیں ملتی۔ ایک موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے تو ہاتھ ملنے کے بجائے چار نئے مواقع پیدا کرو، لوگوں کو باتیں کرنے کے لیے نیا موضوع اور دیکھنے کو نیا منظر دو تو وہ کل کا واقعہ بھول جائیں گے، عوام کی یادداشت ہی تو ان کی سب سے اچھی چیز ہے۔''

''مجھے اپنے وہاں نہ ہونے کا افسوس ہے اور کچھ نہیں۔'' آبشار بہت پچھتا رہا تھا۔

''ایسی اونچ نیچ تو ہمارے کام کا حصہ ہے، یہ تو بہت معمولی بات تھی، تمہارے دادو نے اس سے بڑے بڑے سرپرائزز کو سرپرائز کیا ہے، تب جا کے اس مقام پر پہنچا ہے۔'' ان کے لہجے میں تفاخر تھا۔

''ابھی تو مجھے آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے دادو۔'' ان کے لہجے کا غرور اس کے اندر بھی گویا بجلی دوڑا گیا۔

''تو بیٹا! سیکھو کہ تم نے رفیق اور دلاور کے ساتھ جو ڈانٹ ڈپٹ کی، وہ غلط کام کیا۔ ہم ایک 'ٹیم' ہیں، ہمارا مقصد ایک ہے، کسی کو کمتر یا نیچا نہ سمجھو ورنہ وہ ہم پر بھروسا نہیں کریں گے بلکہ انہیں اپنی باتوں اور سہولتوں سے اس آسمان پر بٹھا دو جہاں سے وہ ہمارے ایک اشارے پر جان کی پروا کیے بغیر نیچے چھلانگ لگا دیں۔

چپکے چپکے دل میں جمع ہوتا زہر سب سے تیز زہر ہوتا ہے لہٰذا انہیں سمجھو نہ سمجھو مگر احساس کبھی نہ دلاؤ کہ وہ تم سے کم ہیں۔ ان کے لیے یہ خیال ہی سب سے بڑی طاقت ہوتا ہے کہ ہم انہیں اپنا سمجھتے ہیں، اس خیال کو تقویت پہنچاؤ، چوٹ نہیں۔ ہمارے کاروبار کے سب سے بڑا اثاثہ 'لائل فالونگ' ہے اس کے لیے اپنی انا کو کبھی بیچ میں نہ لاؤ۔''

آبشار بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

☆☆☆

اسے اجنبی نمبروں سے کالیں شاذ ہی آتی تھیں اور کبھی آ بھی جائے تو وہ اٹھا لیتی کہ ہو سکتا ہے فاؤنڈیشن اور ڈونیشن کے لیے کوئی کال ہو۔ جیسے اس نے اس وقت اٹھا لی تھی مگر دوسری جانب کا تعارف سن کر وہ گنگ رہ گئی۔

www.pklibrary.com

''ہیلو.....'' طویل خاموشی پر دوسری طرف سے درخشاں کی آواز آئی۔

''جی، میں سن رہی ہوں.....''

درخشاں نے اس سے پورے چار منٹ اور بیالیس سیکنڈ بات کی۔ فون بند کرتے ہوئے اس کی ابتدائی جھجک اور حیرانی دم توڑ گئی تھی۔

درخشاں نے اسکول کے حادثے پر افسوس کا اظہار کرنے کے بعد اس کے کام کی تعریف کی تھی۔ اس کی فاؤنڈیشن مزید کیا کام کرتی ہے پوچھا تھا۔ آخر میں ان دونوں نے جھگی جھونپڑیوں میں فری میڈیکل کیمپ کا دن اور وقت طے کرلیا تھا۔ اس کے بعد وہ اسکول میں سن بلوغت کے قریب پہنچ رہی بچیوں کے لیے لیکچر دینے کا عندیہ بھی دے چکی تھیں۔ سحر اس تعاون اور مہربانی پر شاد تھی۔

جب کہ درخشاں فون رکھ کر طنزیہ مسکرائی تھیں۔ جو چیز خاقان نیازی کو سب سے عزیز تھی وہ ان سے وہی چھین لینے کی ٹھان چکی تھیں۔ ہر چھوٹے، بڑے اچھے کام کا کریڈٹ، شہرت اور خودنمائی یہ سیاست داں کی آکسیجن تھی تو وہ آکسیجن فراہمی روکنے پر قادر نہ سہی لیکن اسے پانٹ کر اس کے اثرات تحلیل اور قلیل تو کرہی سکتی تھیں۔ خاقان نیازی سے کچھ چھین لینے کا احساس ان کی سوچ سے زیادہ تسکین آمیز تھا۔

انہوں نے سحر کو اس طرح گھیر کر اپنی بات کہی تھی کہ اسے مانتے ہی بنی۔ انہوں نے اسے زیادہ وقت نہیں دیا تھا اور ایک دن بعد ہی کیمپ رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں خاقان نیازی کو بھنک بھی پڑے۔ سحر کی پہلے سے پمفلٹ کی تقسیم اور اشتہار وغیرہ کی ضرورت کو انہوں نے یہ کہہ کر رد کردیا تھا وہ اپنے معروف معمولات میں بس اسی دن وقت نکال سکتی ہیں اور اس طرح کی بستی میں اچانک رکھے فری کیمپ میں بھی ہزاروں عورتیں آہی جاتی ہیں۔

انہوں نے اگلی کال اس صحافی کو لگائی جس نے اسکول میں آگ والی خبر لکھی تھی۔ وہ اسے طارق کی موت کے وقت سے جانتی تھیں۔ ان کی نفرت ذاتی تھی اور اس صحافی کی سیاسی۔

انہوں نے صاعد کو سرسری سا بتایا کہ وہ سحر کی فاؤنڈیشن کے ساتھ ایک فری میڈیکل کیمپ کررہی ہیں اور اسے کچھ عطیہ دینے کا بھی ارادہ ہے۔ اسے حیرت ہوئی تھی، خوش گواری۔ اسے سحر اور درخشاں کا یہ میل ملاپ اچھا لگ رہا تھا مگر نایاب بیگم فکرمند ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

ایک بار پھر اخبار دیکھ کر آبشار کا پارہ آسمان چھو رہا تھا کہ سحر نے انہیں بتائے بنا اتنا بڑا قدم کیسے اٹھایا۔ وہ اسکول والے حادثے کے بعد سے خاقان نیازی کے ساتھ عوام کی یادداشت کو اسکول، آگ اور اس حادثے کے ہیرو کا نعم البدل دینے دوسرے جلسوں اور عوامی میٹنگوں میں بے انتہا مصروف تھا ورنہ یہ بات اس سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

اندرونی صفحے پر چھوٹی سی خبر تھی لیکن ان کے لیے وہ بھی اہم تھی۔ اس دھندلی اور غیر معیاری تصویر میں بھی اسے درخشاں کے اسپتال کا نام نظر آرہا تھا۔ خبر میں ڈاکٹر درخشاں طارق کا دیا بیان بھی تھا جنھوں نے ایک خطیر رقم فاؤنڈیشن کو عطیہ کی تھی۔ اس بار تو خاقان نیازی کی پیشانی بھی شکن آلود تھی۔

اس کے بعد آبشار برابر نوٹ کررہا تھا کہ وقفے وقفے سے درخشاں اور ان کے اسپتال کی اچھی اور مثبت خبریں آگاہے گاہے چھوٹے موٹے اخباروں میں آنے لگی تھیں۔

ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچتا کہ اس معاملے کو کس کروٹ سلایا جائے کہ ایک نئی خبر اس کے لیے پریشانی بن کر آگئی۔ چند دن کے غور وفکر کے بعد اخبار کی ان خبروں اور درخشاں کے نام نے ہی اسے اس پریشانی سے باہر نکالا۔ جب اس نے خاقان نیازی کو اپنا منصوبہ بتایا تو وہ سنتے ہی آگ بگولہ ہوگئے تھے لیکن جب تحمل سے اس کی پوری بات سنی تو وہ پوتے کی سیاسی بصیرت پر اش اش کراٹھے۔ وہ بلاشبہ ان کا ولی عہد بننے کے قابل تھا۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

درخشاں نے اب تک سحر کی فاؤنڈیشن کے ساتھ چار امدادی کیمپ لگائے تھے جو سب ہی بہت کامیاب ہوئے تھے۔ پہلے کیمپ سے بے خبری کے بعد خاقان نیازی کی ٹیم زیادہ مستعد ہوگئی تھی۔ اب وہ ان کے پہنچنے سے پہلے فوٹو گرفر اور صحافیوں کے ساتھ وہاں موجود ہوتے تھے۔ کبھی ان کے ساتھ ٹی وی جرنلسٹ بھی ہوتے۔ وہ جانتی تھیں، ان کی موجودگی خاقان نیازی کو کس قدر ناگوار گزرتی ہے اور یہ ہی ان کا مقصد تھا۔ پھر وہ ہوا جو کسی نے نہ سوچا تھا۔

جس شام خاقان نیازی نے ان کے گھر میں قدم رکھا تو انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ ان کی نفرت اپنی جگہ لیکن انہیں سسر کا رتبہ اور عزت دینا ان کی مجبوری اور اخلاق کا تقاضا تھا۔ پھر خاقان نیازی کی شخصیت کمرے میں موجود ہر ذی نفس کو مغلوب و مرعوب کردینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

درخشاں کو لگا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ہیں۔ سحر کے ساتھ ان کے کام نے انہیں اتنا غصہ دلایا ہے کہ وہ انہیں منع کرنے اور روکنے گھر تک آگئے ہیں۔

انہوں نے گزرے وقت یا طارق کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اسکول کی آگ والے دن صاعد کی ہمت اور بہادری کی تعریف کی اور ساتھ ہی اپنا مقصد بیان کیا۔ نایاب بیگم اور درخشاں کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"آپ اور سحر کے خیالات میں مطابقت نظر آتی ہے۔ فاؤنڈیشن کے ساتھ آپ کی ماہرانہ قابلیت سے غریب عوام کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مجھے بھی اب سحر کی ذمہ داری سے فارغ ہونا تھا، ایسے میں لگا کہ اسکول والا اتفاق اور آپ کا اور سحر کا خدمت خلق کا جذبہ اوپر والے نے اسی مقصد سے لکھا ہے۔"

انہوں نے اپنا مدعا عام اور ہلکے پھلکے انداز میں بیان کیا تھا۔ نہ بہت سرسری تھا نہ اس میں کوئی ڈیسپریشن تھی۔ ان کا انداز یوں تھا جیسے ان کی اس آمد اور بات کا واحد مقصد سحر کی شادی ہے اور کچھ نہیں، وہ اپنی نواسی کے لیے ایک مشفق اور ذمہ دار نانا بن کر آئے تھے اور دوسرا کوئی مقصد نہیں تھا۔

"آپ سوچ کر جو بھی جواب دیں، ہمیں قبول ہوگا بس خیال رہے کہ بچوں کے مستقبل کی راہ میں گزرا وقت حائل نہ ہو۔ کچھ باتوں کا احساس وقت گزر جانے کے بعد ہوتا ہے پھر اس کے بعد عمر اور رتبہ نہیں دیکھا جاتا، مجھے اپنی سحر کے لیے صاعد جیسے نوجوان کی ہی تلاش تھی، بچوں کی خوشیوں کے لیے اختلاف، ماضی اور انا وغیرہ کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

انہوں نے جذباتی بیان بازی بھی معتدل رکھی تھی۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ اس پہل کے بعد بھی کامیابی کی توقع ففٹی ففٹی ہی ہوگی لیکن اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ کوشش کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے پھر اس کے لیے دشمن کو دوست بنانا پڑے یا رشتے دار۔

ان کے جانے کے بعد درخشاں غصے میں مسلسل بولے جارہی تھیں۔

"ہمت دیکھیں ان کی، ذرا شرم نہیں آئی انہیں، طارق کی زندگی میں کبھی اس گھر میں قدم نہیں رکھا، میرے گڑگڑانے پر بھی اس کی میت کو اس گھر میں لانے نہ دیا تھا اور اب..... کیسا آدمی ہے یہ مما..... کیا سوچ کر آئے تھے وہ..... کیوں رشتہ کرنا چاہتے ہیں.....؟ میرے سحر کے ساتھ چند سیشن کرنے سے اتنے ڈر گئے، گھبرا گئے ہیں....." وہ ٹہلتے ٹہلتے رکیں اور ساڑھی کا پلو شانے پر پھینکا۔

"نہیں، وہ ڈرنے اور گھبرانے والوں میں سے نہیں..... وہ بے حد مطلبی اور موقع پرست انسان ہیں، اپنے مقصد اور فائدے کے لیے بے غیرت بن جانے والے..... بیٹے کی موت کے ذمہ دار آدمی کو بخش دینے والے خود غرض..... اتنے برس بعد وہ یہاں بھی اسی وجہ سے آئے ہوں گے....."

"تم شانت ہو جاؤ پہلے....." نایاب بیگم نے

www.pklibrary.com

وہیل چیئر آگے کھسکا کر بیٹی کا ہاتھ تھاما۔

''کوئی زبردستی تھوڑی ہے، ہمیں ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا ہے، ہم نہیں رکھیں گے۔ ابھی فون کر کے کہہ دو، ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔''

''نہیں مما..... جلد بازی نہیں کرنی..... مجھے سوچنے دیں، کیا پتا اللہ نے یہ میرے لیے کوئی راستہ پیدا کیا ہو، انہیں سبق سکھانے کا کوئی ذریعہ بنایا ہو.....'' اس خیال کے بعد وہ شانت ہونے لگی تھیں۔

☆☆☆

خاقان نیازی کی آمد کے دو دن بعد جس صحافی کے نام کے ساتھ اسکول کی آگ والی خبر شائع ہوئی تھی جو اکثر درخشاں کی دیگر امدادی اور سوشل تقاریب میں بھی موجود ہوتا تھا، جس کی لکھی خبر میں خاقان نیازی سے ان کے رشتے کا حوالہ بھی لازمی ہوتا تھا، ان سے ملنے آیا اور ان سب کے پیچھے اس کا مقصد بھی کھل کر سامنے آ گیا۔

وہ ان کے لیے خاقان نیازی کی مخالف سیاسی جماعت کا پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر درخشاں طارق سے ملنا چاہتے تھے۔ وہ غریب بستی اور علاقہ جس کے زیادہ تر بچے سحر کے اسکول میں پڑھ رہے تھے اور جہاں انہوں نے کئی امدادی کیمپس منعقد کیے تھے، وہ حلقہ اب خواتین کے لیے مختص کر دیا گیا تھا یعنی وہاں سے صرف خواتین امیدوار ہی الیکشن لڑ سکتی تھیں۔ خاقان نیازی کی حریف جماعت اپنے ٹکٹ پر انہیں امیدوار بنانا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے سیاسی حلقوں میں یہ سمجھا جا رہا تھا کہ وہاں سے آبشار دانش نیازی امیدوار ہوگا۔ تب انہیں لگا وہ سارا کھیل سمجھ گئی ہیں۔

خاقان نیازی ان کا کام، نام، طارق سے ان کا رشتہ اور صاعد کو ملی تازہ تازہ شہرت سب کو دیکھتے ہوئے انہیں وہاں امیدوار بنانا چاہتے ہیں۔ ظاہر تھا ان کے گھر کی کوئی خاتون درخشاں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ معاشرے میں ان کی حیثیت اور پہچان خاقان نیازی کی بہوؤں یا پوتیوں کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ جب کہ ان کا اپنا مقام تھا، پہچان تھی، وہ بطور ڈاکٹر، چند سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں سے بھی جڑی تھیں۔ سحر ایک لحاظ سے امیدوار ہو سکتی تھی لیکن وہ کم عمر تھی، اس میں عوامی سطح پر درخشاں جیسا اعتماد نہیں تھا۔

انہیں بہت غصہ آیا کہ وہ ایک بار پھر بیٹے کی موت کو کیش کرانا چاہتے تھے۔ جس بیٹے کو سیاست سے نفرت تھی، اسے مرنے کے بعد بھی سیاست میں گھسیٹتے جا رہے تھے۔ زندگی میں احساس نہ بھی ہو تو انسان دنیا سے چلے جانے والوں کا احترام تو کرتا ہی ہے مگر وہ اسے بھی ضروری نہیں گردانتے تھے۔

آخر میں انہوں نے طے کیا کہ وہ انہیں یہ تاثر دیں گی کہ وہ واقعی ماضی بھول کر بچوں کے مستقبل کے لیے رشتے پر راضی ہوئی ہیں اور انہیں دھوکے میں رکھ کر آخر وقت پر الیکشن لڑنے سے انکار کر دیں گی اور اگر سحر بھی نانا کا مہرہ نکلی تو وہ اسے بھی الگ کر دیں گی۔ خاقان نیازی کو ان ہی کے کھیل میں مات دینے کا خیال ہی انہیں اپنے طاقت ور ہونے کا احساس کرا رہا تھا۔

وہ اسے استعمال کرنا چاہتے تھے تو وہ انہیں اس مقصد میں کامیاب ہونے کا تاثر دے کر انہیں زیر کریں گی، انہیں شکست دیں گی، ان کا سوچا سمجھا منصوبہ ناکام کریں گی۔ انہیں یقین ہو گیا۔ یہ اوپر والے کی جانب سے انہیں دیا گیا موقع ہے جسے وہ گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔

☆☆☆

اسے لگا اس کی اپنی قوت سماعت دھوکا دے رہی ہے یا سامنے بیٹھی درخشاں کا دماغی توازن متزلزل ہو گیا ہے۔

''تم سحر سے شادی کر لو۔'' درخشاں نے اس کی بے یقینی اور حیرانی دیکھ کر دہرایا۔

''سحر..... یعنی سحر زریاب؟''

''ہاں۔ خاقان نیازی کی نواسی سحر زریاب۔''

www.pklibrary.com

درخشاں کے لہجے اور چہرے پر خوشی تو قطعی نہیں تھی اور اس سپاٹ، سادہ انداز سے کچھ بھی اخذ کرنا مشکل تھا۔ ایک لمحے کو اس کا دل بری طرح دھڑکا۔ کیا وہ جان گئی ہیں کہ اس شجر ممنوعہ کو دیکھ کر وہ مبہوت ہوا تھا، سحر نے اسے چند پلوں کے لیے سہی سحر زدہ ضرور کیا تھا۔

"آپی!" اس نے رسان سے کہا۔ "آپ اس فیملی سے ایک نیا رشتہ جوڑنا چاہ رہی ہیں..... کیوں؟"

"سحر کی خصلت مجھے اس خاندان جیسی نہیں لگتی، اس نے ان سب سے ہٹ کر اپنی پہچان اور کریئر بنایا ہے....." وہ روانی میں اپنے خیالات بتاتے ہوئے ٹھٹک کر رک گئیں۔

"تمہیں وہ پسند نہیں یا تم کسی اور میں انٹرسٹیڈ ہو؟"

"دونوں باتیں نہیں ہیں مگر....."

"تو بس میں کہہ رہی ہوں اتنا کافی نہیں؟" وہ نرمی اور شفقت سے مسکرائیں۔

"تمہیں وقت چاہیے تو لو، جب تم کہو گے تب ہی میں خاقان نیازی کو ہاں کروں گی۔" ایک ہی سانس میں مہلت اور حکم دینے کا کمال ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا ہے۔

"کیا مطلب؟ یہ پروپوزل انہوں نے دیا ہے؟" وہ بے حد حیران ہوا۔

"ہاں۔ وہ خود چل کر یہاں تک آئے تھے۔" انہوں نے تفخوت سے کہا۔

"اسکول والے حادثے اور میرے کیمپس کی خبروں کے بعد اب وہ ہمیں نظر انداز نہیں کر سکتے خاص طور پر اس وقت جب ساری دنیا طارق اور ہمارا رشتہ جان گئی ہے۔ اب وہ ہم سے تعلق استوار کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ ہمیں یوز کرنا چاہ رہے ہیں، جیسے انہوں نے طارق بھائی کی ڈیتھ کو کیا تھا، اس لیے ہمیں اس جال میں نہیں پھنسنا چاہیے۔" صاعد نے سچ ہی کہا تھا۔

"سحر کے لیے ان کا ضرور کوئی پلان ہے اور میں چاہتی ہوں اس طرح سحر ہمارے قریب رہے۔" وہ اسے پورا سچ نہیں بتانا چاہتی تھیں مگر اس کے راضی ہونے کے لیے کوئی اشارہ بھی ضروری تھا۔

"یعنی آپ سحر کو یوز کرنا چاہ رہی ہیں؟" اس نے دکھ سے سوچا، ایسی بات وہ کبھی کہہ نہیں سکتا۔

"تم ابھی جاؤ، لیٹ ہو رہے ہو۔" وہ دوست کے ولیمے میں شرکت کے لیے جا رہا تھا جب انہوں نے اسے آواز دے کر کمرے میں بلایا تھا۔

"تمہیں جتنا وقت چاہیے لو، جب کہو گے میں انہیں فون کر دوں گی۔ یقیناً وہ فوراً شادی کا کہیں گے کیونکہ چھ سات مہینے کا وقت ہے الیکشن میں۔"

اپنی طرف سے وہ فیصلہ کر چکی تھیں مگر اس بات پر صاعد چپ چاپ سر جھکانے میں متامل تھا۔ اسے اس رشتے کے پیچھے درخشاں کا مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا اس معاملے میں خود ان کے خیالات ان پر بھی واضح نہیں ہیں کہ اس طرح سحر کو گھر میں لانے سے خاقان نیازی کا کیا نقصان ہوگا اور انہیں کیا فائدہ ملے گا؟

اسے ڈر تھا کہیں وہ کسی پریشانی میں نہ پھنس جائیں، ایک بار پھر خاقان نیازی انہیں نیا دکھ نہ دے ڈالیں۔ اب تک انہوں نے جو بھی فیصلے کیے یا حکم دیے تھے وہ سب اس کی ذات تک محدود تھے لیکن اس بار کسی اور کی ذات بھی شامل تھی جسے دکھ یا نقصان پہنچانے کا خیال بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

تقریب میں اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ کتنی بار دوستوں نے اسے غائب دماغی اور عدم دلچسپی پر ٹوکا تو وہ طبیعت کی گرانی کا بہانہ بنا کر وہاں سے نکل گیا۔

بے ارادہ اور بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے اس نے خود سے اعتراف کر لیا کہ ایک ملاقات اور مختصر سے وقت میں اگر اس کے دل میں سحر کے لیے نرم گوشہ پیدا نہ ہوا ہوتا تو وہ درخشاں

www.pklibrary.com

کی بات پر یوں پریشان نہیں ہوتا۔ اسے اپنے لیے درخشاں کی نیک نیتی پر جتنا یقین تھا اتنا ہی یقین ان کی نیازی خاندان کے لیے نفرت پر بھی تھا۔ وہ درخشاں کو خاقان نیازی سے اور سحر کو درخشاں سے بچانا چاہتا تھا۔ نایاب بیگم کی کال پر بنا کسی نتیجے پر پہنچے ہی اسے گھر آنا پڑا۔

کمرے میں جانے سے پہلے اس نے ان کے کمرے میں جھانکا تو وہ جاگ رہی تھیں۔ وہ اندر چلا آیا۔

"اتنی دیر تک ریسیپشن میں تھے؟" انہوں نے چشمہ اور کتاب ساتھ والی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر نکل گیا تھا۔"

"جلد ہی سب دوست تمہاری شادی پر بھی تو ملیں گے۔" وہ مسکرائیں اور واضح طور پر اس کے تاثرات بدل گئے۔

"یہاں آؤ۔" انہوں نے اسے اپنے پاس مسہری پر بلایا۔ وہ کنارے پر ٹک گیا۔

"درخشاں کے فیصلے وقتی یا بنا سوچے سمجھے نہیں ہوتے۔ اس کی قوت فیصلہ اور سمجھ داری کا ثبوت ہمارا بزنس اور ہمارا یہ گھر ہے۔"

اس کے شانے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار اس بات کا اظہار کر چکی تھیں کہ اس کا انجینئرنگ کا فیصلہ غلط اور درخشاں کا اس کے لیے بزنس مینجمنٹ چننا کتنا درست تھا ورنہ 'سویٹ اسٹوری' کب کی بند ہو چکی ہوتی۔

"خاقان کی نواسی سے تمہاری شادی کا فیصلہ اس کے لیے آسان نہیں ہوگا لیکن جب وہ کہہ رہی ہے تو بلا چوں چراں مان لو بیٹا۔ ہم نے کر دیا تو ایک بار پھر اس کے زخم تازہ ہو جائیں گے اور یہ بھی یقین رکھو کہ وہ بھی تمہارا برا نہیں چاہے گی۔ تم اسے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو، اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اس نے تمہیں، ماں کی محبت دی ہے، بہت فرض ہیں اس کے تم پر، ایک اچھے بھائی کا فرض نبھاؤ اور جو وہ کہے کرتے جاؤ وہ بہت سمجھ دار ہے۔ مجھ میں اب اسے اور دکھی دیکھنے کی سکت نہیں ہے۔ کیا پتا اس کے بعد اسے قرار آجائے اور خاقان والا چیپٹر بند ہو جائے۔"

وہ آخر میں آبدیدہ ہو گئیں۔ جوان بیٹی کی بیوگی اور پھر اس کی اتنی طویل تنہا عمر کا دکھ ان کے اندر بھی ناسور بننے لگا تھا۔

"آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں مما!" اس نے ان کا کمزور جھریوں زدہ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"میں نے آپی کے کسی فیصلے سے کبھی انکار کیا ہے جو اب کروں گا؟"

وہ انہیں حوصلہ اور خوشی دیتے مسکرایا۔ اس کے لیے فیصلے کبھی مشکل نہیں رہے تھے، سر ہی تو جھکانا ہوتا تھا۔ گھر کے واحد مرد پر فرض تھا کہ ان عورتوں کا ساتھ دے جو اس کے لیے معزز تھیں، اسے عزیز تھیں، جنہوں نے اسے اس مقام پر پہنچانے کے لیے بہت کچھ سہا تھا۔ کچھ دیر پہلے والے سارے خیالات کہیں گم ہو گئے تھے۔

☆☆☆

سحر نے اس سے عجیب و غریب بات پہلے کبھی نہیں سنی تھی جو اس وقت خاقان نیازی نے کہی۔

"مبارک ہو بھئی۔" بڑی ممانی نے اس کی طویل خاموشی توڑنے میں پہل کی تو وہ ہونق سی انہیں دیکھنے لگی۔

"ڈیڈی نے یوں اچانک فیصلہ سنایا ہے، اس لیے حیران ہونا بنتا بھی ہے لیکن سچ کہوں تو بڑی ٹکر کی جوڑی ہے، کیوں نمرہ؟" انہوں نے دیورانی سے تائید چاہی۔

"میڈ ان ہیون بھابھی!" ان سب کے لیے خاقان نیازی کے فیصلوں کو یوں خوشی خوشی قبول کرنا معمول تھا لیکن وہ الجھ گئی تھی۔ وہیں اس کی ممی اور پاپا کو بھی فون کر کے یہ خوش خبری سنائی گئی۔ اور یہ رشتہ ڈیڈی نے طے کیا ہے سننے کے بعد ان کے ردعمل بھی باقیوں جیسے ہی تھے۔

www.pklibrary.com

سب کے سامنے تو اس سے ایک لفظ نہ کہا گیا مگر کمرے میں آنے کے بعد اس کی خود سے باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔

"کیا سوچ کر نانا جان نے یہ شادی فکس کر دی؟ وہ تو گھر میں کبھی طارق ماموں کا ذکر بھی نہیں کرتے نہ کبھی ان کی وائف کو یاد کیا اور اب اچانک...... کیا اس دن وہ صاعد سے اس قدر متاثر ہوئے ہیں؟ یا وہ صاعد کی شہرت کو کیش کرنا چاہتے ہیں......؟ ہاں یہ وجہ ہو سکتی ہے...... لیکن وہ لوگ کیسے مان گئے......؟ ان کے لیے اس رشتے میں کیا بھلائی ہے......؟ ضروری تو نہیں سب اتنے کیلکولیٹیڈ فیصلے کریں...... ہو سکتا ہے انہیں یہ عام سا رشتہ لگا ہو، یا وہ اس رشتے کے تھرو طارق ماموں کی فیملی سے ری کنسائل کرنا چاہتے ہوں...... کیا تمہیں اعتراض ہے......؟ نہیں تو...... مجھے تو کیوں اعتراض ہوگا...... مجھے وہ انسان اول دن ہی اچھا لگا تھا۔" اس نے اعتراف کیا۔

"لیکن ایسا بھی نہیں کہ ہر اچھے لگنے والے سے شادی ہی ہو جائے...... یہ بہت سڈن اور سرپرائزنگ ہے...... مجھے کھل رہا ہے...... یا پھر میں اوور تھنکنگ کا شکار ہو رہی ہوں۔" وہ بستر پر ڈھے گئی۔

"کیا مجھے صاعد سے بات یا ملاقات کرنی چاہیے؟ لیکن ادھر سے تو ہاں ہوئی ہے، انہوں نے تو مجھے کال نہیں کی نہ کوئی میسج کیا۔" اس کے پرس میں اب بھی آپا کا دیا کارڈ موجود تھا۔

صاعد کا خیال آتے ہی اس کے ذہن سے کچھ دیر پہلے والے خیالات غائب ہو گئے۔ دل و دماغ پر صاعد چھا گیا۔ اسکول کا واقعہ اس کے ذہن کی اسکرین پر متحرک ہو گیا تھا۔ سونے کے لیے آنکھ بند کرتے ہوئے ابتدائیہ صدمے اور حیرت کی جگہ قبولیت نے لے لی تھی۔

☆☆☆

"آپ خوش ہیں؟" انعم اسے ڈھونڈتی ہوئی اور پرگزیبو میں آئی تھی۔

"خوش نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں۔"

"وہ خاقان نیازی کے خاندان سے ہیں، یہ بہت بڑی وجہ ہے۔" اس نے صاعد کے سامنے والی کرسی سنبھالی۔

"یہ پروپوزل مجھے آپی نے دیا ہے، اس کے بعد اس وجہ میں دم نہیں۔"

"لگتا ہے، آپ کو وہ کچھ زیادہ پسند آ گئی ہیں۔"

صاعد سر جھکا کر مسکرا دیا۔

"ناپسند کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔" ذرا دیر بعد سر اٹھا کر کہا تو انداز اسے زچ کرنے والا تھا۔

"سچ کہوں تو مجھے آپی کا یہ فیصلہ سمجھ میں آیا نہ پسند آیا اور آپ کا مان لینا بھی اچھا نہیں لگا۔" انعم اور صاف گوئی لازم و ملزوم تھے۔

"اور کیا انہیں ناپسند کرنے کے لیے یہ کافی نہیں کہ خاقان نیازی خود یہ پروپوزل لے کر آئے تھے؟" اس کی بات بڑی گہری تھی اور یہ وہ بھی جانتا تھا۔

"تم سحر سے ملیں نہیں، اس لیے ایسا سوچ رہی ہو ورنہ اس کی اپنی پرسنالٹی، پہچان اور مقام ہے، صرف خاقان نیازی کی وجہ سے اسے پسند یا ناپسند نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہ تو اور فکر والی بات ہے۔"

"کیسے؟"

"اگر وہ واقعی ایک ڈیسنٹ پرسن ہیں تو کہیں آپ آنٹی اور آپی کی بات مان کر ان کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر رہے؟" وہ خاموش ہو گیا۔

"مجھے آپ کی بے حد سے زیادہ بڑھی فرماں برداری بالکل اچھی نہیں لگتی۔" اس نے منہ بنایا۔

صاعد نے ایک گہری سانس لے کر سر پیچھے گرایا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا، مجھے وہ اچھی لگی ہے شاید اسی لیے میں بہت ساری باتیں نظر انداز کر رہا ہوں۔"

"

"میں خوش ہوں کہ آپ اسے پسند کرتے ہیں

www.pklibrary.com

لیکن اچھی طرح سوچ لیں کیا آپ آگے بھی اسی طرح سب نظر انداز کر پائیں گے؟ بلکہ طے کر لیں کہ آپ اس اچھی لڑکی کے لیے اسی طرح سب نظر انداز کریں گے۔" وہ اتنی سنجیدہ کم ہی ہوتی تھی، جیسے اس وقت نظر آ رہی تھی۔

"ان شاء اللہ۔" یہ جانتے ہوئے کہ یہ مشکل ہے، اس نے صدقِ دل سے کہا تھا۔

"اس بار سارے خدشوں کے باوجود میں بھی خوش امید رہنا چاہتی ہوں۔"

وہ پچھلے پانچ چھ مہینوں سے اس گھر میں رہ رہی تھی اور یہاں کی بہت سی باتیں اسے کھٹکتی تھیں۔ کئی باتیں جو گفتگو کے دوران صاعد نے عام انداز میں اسے بتائی تھیں اور جو اس کے لیے واقعی معمولی تھیں، اسے عجیب لگی تھیں۔

"میرے ساتھ ساتھ تم بھی یہ تو مانو گی کہ آپی میرے لیے کوئی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتیں....."

انعم کو اس بات سے شدید اختلاف تھا لیکن صاعد سے کچھ کہنا پتھر سے سر ٹکرانے کے مترادف تھا اس لیے چپ رہی۔

"اور وہ کوئی ظالم، کینہ پرور اور جاہل انسان نہیں ہیں جو ایک معصوم اور بے گناہ کے ساتھ غلط کریں، آگے بڑھنے کے لیے اتنا یقین کافی ہے۔"

"ہمم۔" آگے کچھ کہنا لاحاصل بحث کو دعوت دینا تھا۔

☆☆☆

اگلے ماہ ہی ان کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی۔ باقاعدہ اعلان ان کی انگیجمنٹ کے ساتھ ہونے والا تھا۔

وہ یہ سوچ کر نیچے نور بیگم کے کمرے میں آئی تھی کہ آج رات یہیں سوئے گی۔ بیوی کی وفات کے بعد سے خاقان نیازی اپنی اسٹڈی سے ملحقہ کمرے میں سونے لگے تھے۔ کمرے میں نانو کی کوئی نشانی نہیں تھی، سارے کپڑے اور استعمال کی چیزیں ضرورت مندوں میں بانٹ دی گئی تھیں پھر بھی اسے اس کمرے سے خاص انسیت تھی۔ یہاں نانو کی موجودگی کا احساس بستا تھا۔ وہ یہاں ان کے تصور سے بات کرتی تو اسے لگتا وہ واقعی سن رہی ہیں۔

فون میں الارم لگا کر وہ بستر پر آئی تو وہاں اوڑھنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ الماریاں بھی خالی تھیں۔ اپنے کمرے سے کمفرٹر لینے کے ارادے سے وہ باہر نکلنے کو تھی کہ دوسری طرف سے آتی آوازوں پر رک گئی۔ آبشار اور خاقان نیازی شاید اسٹڈی میں جا رہے تھے۔ وہ ان کے جانے کا انتظار کرنے لگی۔

"جیسا تم سوچ رہے ہو ویسا ہو پائے گا؟" یہ خاقان نیازی کی آواز تھی۔

"سحر کے متعلق آپ نے جو کہا ہے اگر وہ درست ہے تو پھر یہ فول پروف پلان ہے۔" آبشار کی بات پر اس کی ساری حسیات بے دار ہو گئیں۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ری ایکشن سے ہمیں سرپرائز کر دے۔" ان کی آواز دور ہوتی گئی۔ اس نے بنا آواز کے دروازہ کھولا۔ وہ اسٹڈی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے غائب ہوتے ہی وہ باہر نکلی۔

"تو ہم بھی اسے سرپرائز کریں گے۔" آبشار کی آواز میں اپنی بات کا مزہ لینے والی بشاشت تھی۔

"ہمم۔"

"دادو!" وہ دبے پاؤں چلتی اسٹڈی کے دروازے کے قریب آئی۔ آبشار کہہ رہا تھا۔

"وہ وارڈ ریزرو ہو جانے کے بعد ہمارے پاس یہی سب سے اچھی بیٹ ہے۔ وہاں مقابلہ بھی بہت سخت ہوگا۔ وہ پہلے ہی اسکول اور چیریٹی ورک کی وجہ سے مشہور ہے اور پھر ڈومیسٹک وائلنس وکٹم سب کا فیورٹ ہوتا ہے، کیا ووٹر اور کیا میڈیا۔ فوری شادی پھر دوری، علیحدگی ویسے ہی ڈیمینڈ کا ٹاپک بن جاتی ہے اسپیشلی جب یہ ایونٹ بڑا گرینڈ ہو۔"

سحر کا سر چکرانے لگا۔

"اور پھر ہم اسے یونہی نہیں اتاریں گے، میدان میں بھیجنے سے پہلے ٹرینڈ کریں گے۔"

www.pklibrary.com

''ہمم۔'' خاقان نیازی نے اپنا مخصوص ہنکار بھرا۔

''مجھے امید نہیں تھی کہ ڈاکٹر صاحبہ اتنی آسانی سے مان جائیں گی۔''

''دادو! پاورفل سے رشتے داری ہر کسی کا خواب ہوتا ہے۔''

''ہمم۔کل کی پبلک میٹنگ کیوں کینسل ہوئی؟''

''اس ایریا میں کل دو شادیاں ہیں، بھیڑ بٹ جائے گی اور......'' موضوع بدل گیا تھا۔ وہ اڑتے حواس سنبھالتی کسی طرح اپنے کمرے میں پہنچی۔

''میں کیسے بھول گئی کہ اس گھر کی ترجیح ہمیشہ سیاسی فائدہ ہوتی ہے!'' وہ نڈھال سی بستر پر ٹک گئی۔

''میں کیسے بھول گئی تھی اس فیملی کا ہر ممبر نانا جان کی بچھائی بساط کا مہرہ ہے جو ان کی انگلیوں کے اشارے پر حرکت کرتا ہے...... لیکن اس حد تک......؟'' اسے یہ خیال ہی شرمندہ کر رہا تھا۔

اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بال پیچھے کیے اور اسی انداز میں پرسوچ سی بڑی دیر تک رکی رہی۔

''لیکن میں اس ڈرٹی گیم کا حصہ نہیں بنوں گی۔'' اس نے آہستہ سے ہاتھ نیچے کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں خود کو باور کرایا۔

''نانا جان سے نہیں مجھے آبشار سے بات کرنا ہوگی، اس شادی کے پیچھے اسی کا دماغ اور پلان ہے۔''

ساری رات صاعد کا چہرہ بار بار تصور میں ابھرتا رہا اور وہ کروٹیں بدل بدل کر آبشار سے بات کرنے کا طریقہ سوچتی رہی جس سے اسے علم بھی نہ ہو کہ وہ اصل بات جان گئی ہے اور شادی بھی کسی طرح ٹل جائے۔

اگلی صبح وہ خاقان نیازی کے دفتر میں تھی۔ وہاں سب اس کے لیے انجان تھے لیکن وہ کسی کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اس کا استقبال بڑے احترام سے ہوا۔ ویسے بھی اس کی شخصیت ایسی پروقار تھی جو سلوک میں اپنے لیے احترام اور احتیاط کا مطالبہ کرتی تھی۔ پوچھنے پر اسے آبشار کا کمرہ بتا دیا گیا۔ اس نے دستک دی اور اندر سے ملی اجازت کے بعد شیشے کا وزنی دروازہ پوری قوت سے دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

''السلام علیکم۔'' اس کی آواز پر لیپ ٹاپ پر نظر جمائے آبشار نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''سوری میں انفارم کیے بنا آگئی۔'' اس نے انگلیوں سے بال شانے سے پیچھے کرتے ہوئے مسکرا کے کہا۔ آبشار نے فوراً ہی حیرت پر قابو پالیا تھا۔ کبھی اس سے بات نہ کرنے والی آج خود چل کر اس کے دفتر آئی تھی۔

''میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔''

''پہلے بیٹھو تو۔'' اس کی اردو بھی 'ایکسنٹ زدہ' تھی۔

''تھینک یو۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس کا شیفون کا دوپٹا فرش چھو رہا تھا۔

''ایک فیور چاہیے آپ سے۔'' اس نے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''شیور۔'' آبشار نے پشت سے پیٹھ ٹکا کر کرسی ذرا سی گھمائی۔ وہ اس کی آمد اور بات کا مزہ لے رہا تھا۔

''نانا جان کے لیے آپ کی بات سب سے اہم ہوتی ہے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ انہیں کنوینس کریں کہ شادی کچھ وقت کے لیے آگے بڑھا دیں۔''

آبشار سوچ رہا تھا وہ اسکول اور فاؤنڈیشن کے لیے کچھ مدد مانگنے آئی ہے لیکن جو بات اس نے کی وہ اس کے گمان سے پرے کی تھی۔ اس کے لیے یہ خیال ہی محال تھا کہ کوئی اس کے بنائے منصوبے سے انحراف کرے اور پھر یہ تو سحر تھی محض ایک مہرہ جسے وہ کارآمد بنا رہا تھا۔

www.pklibrary.com

"یہ سب اتنا جلدی اور اچانک ہوا ہے کہ میرے کئی کام اس وجہ سے ادھورے رہ جائیں گے یا لیٹ ہو جائیں گے۔" آبشار کہنیاں کرسی کے ہتھے پر رکھے، انگلیاں آپس میں پھنسا کر دونوں ہتھیلیوں کا پل سا بنائے منہ پر رکھے چپ اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنے ہی پل خاموشی سے آگے سرک گئے۔

"آپ چاہیں تو نانا جان سے کہہ دیں کہ میں کچھ وقت چاہتی ہوں، لیکن کنوینس ضرور کریں کہ شادی نیکسٹ ایئر یا اکتوبر کے بعد رکھیں تب تک میں بھی سارے کام وائنڈ اپ کر کے فری ہو جاؤں گی۔" اس نے اٹھنے کی تیاری کرتے ہوئے بیگ شانے پر ڈالا۔

"ہم سب یہیں ہیں، شادی کچھ آگے بڑھ جائے تو بھی کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔ میں امید رکھوں ناں؟" وہ کھڑی ہو گئی۔

"شیور۔" آبشار نے سر ہلایا۔

"اسکول سے آئی تھی، اس لیے زیادہ دیر رک نہیں سکتی، تھینک یو۔" جواباً وہ سیدھا ہوا اور دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر مسکرایا۔

"اسکول اور فاؤنڈیشن میں سب ٹھیک چل رہا ہے؟"

"الحمدللہ وہاں کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

"گڈ!" وہ اس بار جیسے کھل کر مسکرایا تھا۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی آبشار نے تنے چہرے کے ساتھ فون لگایا لیکن دوسری طرف خاقان نیازی نہیں تھے۔

واپس اسکول آ کر وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ اس نے عقل مندی سے مسئلہ سلجھا لیا ہے۔ الیکشن کا وقت گزر جانے تک شادی نہ ہو، یہ ہی اس کا حل تھا۔ اس کے دل میں شادی سے انکار کا خیال نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ اسکول پہنچی بھی نہیں تھی کہ آپا کا فون موصول ہوا۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھیں۔ اسکول میں بنا اطلاع دیے معائنے کے لیے آفیسر آئے تھے۔

"تو اس میں اتنا ڈرنے اور گھبرانے والی کیا بات ہے آپا!" وہ دھیرے سے ہنسی۔

"وہ کسی ایجنڈے کے تحت آئے ہیں سحر....." وہ بتاتی گئیں اور سحر کو پہلی بار لگا کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس رہی ہے۔

وہ اسکول پہنچی تب تک وہ سب کو لتاڑ کر ڈانٹ کر اور اسکول کی خراب کارکردگی پر سوال اٹھا کر جا چکے تھے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں اپنی رپورٹ کا متن انہیں سمجھا دیا تھا۔ ان کے سارے اعتراض غیر ضروری بلکہ جبری تھے۔

"انہیں یا تو ہم سے اچھی خاصی رقم چاہیے رشوت میں یا پھر یہ کسی دشمن کی سازش ہے۔"

"رشوت.....؟" اسے سن کر ہی گھبراہٹ ہونے لگی۔

"اس طرح کے فضول اعتراضات اور غلطیاں نکالنے کا مقصد سوفی صد یہ ہی ہوتا ہے۔"

"میڈم آپ بے فکر رہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی خود ہی رابطہ کرے گا یا کسی کے ذریعے میسج دے گا کہ اسے کتنا چاہیے۔" نائب پرنسپل نے اس کی ڈھارس بندھانی چاہی۔

"لیکن رشوت.....؟" وہ آج تک شفافیت سے سارے کام کرتی آئی تھی۔ اس کے لیے بدعنوانی کا خیال ہی خوف زدہ کرنے والا تھا۔

"انتظار کرتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ ابھی سے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہو سکتا ہے ہمیں صرف نوٹس بھیج دیا جائے یا کوئی پنالٹی لگا دی جائے یا پہلی بار ہے، اس لیے تنبیہ دے کر چھوڑ دیا جائے، ابھی سے انتہائی بات نہ سوچیں۔" اسکول کی سب سے عمر رسیدہ سلطانہ مس نے سب کو تسلی دی۔

ان کی بات اس کے دل کو بھی لگی۔

دو دن تک کوئی فون آیا نہ نوٹس۔ وہ اسکول کی طرف سے مطمئن ہوئی تھی کہ اس کے دفتر کا کلرک انکم ٹیکس نوٹس ہاتھ میں لیے آیا۔

www.pklibrary.com

''میڈم! اسکول کا انسپکشن اور اب یہ نوٹس، اگر خبر اخبار تک پہنچ گئی تو بہت بدنامی ہوگی، کچھ دن پہلے جتنی تعریفیں ہو رہی تھیں، اس سے زیادہ لوگ ہمیں نام رکھیں گے۔''

وہ اس افتاد پر ہکا بکا تھی۔ سی اے اور فائنانشل ایڈوائزر اسے یقین دلا رہے تھے کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ معمول کا نوٹس ہے اور جانچ کے بعد انہیں کلین چٹ مل جائے گی۔ لیکن دو دن بعد جب سادہ لباس اور عام حلیے والے تین افراد نے اس کے دفتر پر 'ریڈ' کی تو صحیح معنوں میں اس کے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے۔

دفتر میں سب اسے اپنے نانا کو فون لگانے کا کہہ رہے تھے مگر اس نے آج تک ایسے کسی کام میں ان سے مدد نہیں مانگی تھی اور پھر اسے یقین تھا کہ اس نے کوئی فریب یا جرم نہیں کیا ہے۔ لیکن شام میں اپنے سی اے کی بات سن کر وہ سن رہ گئی۔

''میڈم یہ ہیر بسمنٹ پالیٹیکلی موٹیویٹیڈ ہے۔ جیسے ڈاکیومینٹس وہ دکھا رہے ہیں، اس سے ظاہر ہے یہ کسی کے کہنے پر ہو رہا ہے۔ اس کے پیچھے ضرور آپ کی فیملی کا کوئی سیاسی دشمن ہے جسے ہماری شہرت اور اچھے کام برداشت نہیں ہو رہے ہیں۔ وہ جھوٹے سچے الزام اور انکوائری سے یہ فاؤنڈیشن اور اسکول بند کروانا چاہتے ہیں، جب یہ وار ہی سیاسی ہے تو اس کا سیاسی جواب آپ کے نانا ہی انہیں دے سکتے ہیں۔''

☆☆☆

وہ یہ فیصلہ کر کے گھر آئی تھی کہ خاقان نیازی سے اس سلسلے میں تفصیل سے بات کرے گی کہ پورچ میں ہی آبشار ٹکرا گیا اور یہ گتھی سلجھ گئی۔

''اسکول اور فاؤنڈیشن میں سب خیریت ہے؟'' اس کے الفاظ سے زیادہ واضح اس کی شکل پر پھیلا معنی خیز تبسم اس کی سمجھ کا دروازہ کھول گیا۔

یہ بلیک میل تھا، دھمکی یا اس کے انکار کے نتیجے کا ٹریلر۔ وہ اسے ٹھیک ہے، کہتی کمرے میں تو آ گئی لیکن اب جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر چکرا رہی تھی۔

فاؤنڈیشن بند ہو جائے، اس کے امدادی کام بھی تو اتنا نقصان نہیں ہونا تھا جتنا اسکول بند ہونے سے ہوتا۔ خاص طور پر لڑکیوں کو تو اس بستی والے اسی لیے پڑھا رہے تھے کہ وہاں سب مفت میں مل جاتا تھا۔ خواب صرف اس نے اور آپا نے نہیں دیکھے تھے، انہوں نے خواب اسکول میں آنے والے ہر بچے میں تقسیم کر رکھے تھے۔ یہ فاؤنڈیشن اور اسکول نانو نے اپنے بیٹے کے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر شروع کیا تھا جو اب ان کے لیے صدقہ جاریہ تھا، وہ کیسے اسے بند ہونے دیتی۔

''میں پاپا سے بات کروں.....؟'' اسے خیال آیا۔

''لیکن وہ کیا مدد کر سکیں گے..... زیادہ سے زیادہ وہ مجھے ایک بڑی رقم دے سکتے ہیں۔'' اس کے پاپا اور ددھیال والے سیاسی لوگ نہیں تھے۔

''لیکن جو آبشار نے پلان کیا ہے وہ..... میں وہ سب قطعی نہیں کر سکتی..... الیکشن لڑنا اور وہ بھی اس طرح..... نہیں..... نہیں.....'' اسے سوچ کر ہی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ کس کے پاس جائے، کس سے مشورہ کرے۔ آپا اور پاپا کے علاوہ اسے کوئی اور یاد نہ آیا اور ان دونوں سے مشورہ اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ اس طرح وہ انہیں بھی مشکل میں ڈال دے گی۔ ہر کوئی خاقان نیازی سے ڈرتا تھا۔ آبشار کا کیا ہے مکر جائے گا۔ اس کے پاس ثبوت بھی نہیں تھا جو ان نوٹسوں اور ریڈ کو اس سے جوڑتا۔

''میں صاعد سے بات کروں؟ وہ خود ہی انکار کر دیں تو مسئلہ ہی ختم..... ہاں یہ ٹھیک ہوگا..... لیکن کہوں گی کیا.....؟ معذرت کر لوں گی، کہوں گی مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی یا ہماری ٹیملیز میں جیسے تعلقات ہیں اس کے پیش نظر ہمیں شادی نہیں کرنی چاہیے..... ہاں یہ ہی.....'' وہ میٹھے سے احساسات جو اس سے منسوب ہوئے تھے یہ وقت انہیں اہمیت دینے کا نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت بیگ سے اس کا

www.pklibrary.com

کارڈ نکالا اور انگریزی میں پیغام لکھا۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' سوال کے آخر میں اس نے اپنا نام لکھا تھا۔ دوسری طرف پیغام فوراً دیکھا نہیں گیا۔

وہ فون ہاتھ میں لیے بے قراری سے پیر ہلا رہی تھی۔ جب دو تین منٹ تک بلیو ٹک نہیں آئی تو وہ پیچھے بستر پر گر گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے جانے کتنی دیر اسی وضع میں لیٹی رہی تھی کہ پیغام کے مخصوص اشارے پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کب اور کہاں؟'' انگریزی میں لکھے تین لفظ دیکھتے ہی اس کے اندر سکون اتر آیا۔ اسے جگہ اور وقت بتاتے ہوئے اسے یقین ہو چلا تھا کہ اب وہ خود انکار یا اقرار کیے بنا اسکول اور فاؤنڈیشن بچا لے گی۔

صاعد ملاقات کے سوال پر حیران ضرور ہوا تھا لیکن اب جب چند دن بعد ان کی شادی ہونا تھی، تو نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

درخشاں کے ہامی بھرنے کو لے کر اس کے اندر جتنے وسوسے اور اندیشے تھے، کوئی خوبصورت خیال آہستہ آہستہ انہیں پیچھے دھکیل رہا تھا۔ وہ ماننے لگا تھا کہ اتفاق یونہی نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی قسمت کا لکھا ہوتے ہیں۔ اسکول کا 'سوئیٹ اسٹوری' سے رابطہ، کیک بھولنا، وہ آگ، ان کی ملاقات، اخبارات، ٹی وی چینلز..... یہ سب شاید اسی انجام کی تمہیدیں تھیں جو درخشاں اور خاقان نیازی نے ان کے لیے چنا تھا۔

☆☆☆

کیفے کے پرفسوں ماحول میں سحر کا انتظار کرتے ہوئے اس کے ہونٹ گاہے گاہے ایک حسین تبسم میں ڈھل رہے تھے۔

بیل کی کھٹ کھٹ پر اس نے فون سے سر اٹھایا اور سحر کو آتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے قریب آ کر سلام کیا۔ جواب دیتے ہوئے صاعد نے اس کے لیے کرسی پیچھے کی۔

''تھینک یو۔'' وہ بیٹھتے ہوئے نروس تھی۔

صاعد اپنی کرسی پر واپس آ گیا۔ سی گرین اور سفید ٹراوزر اور کرتے پر اس کا مخصوص انداز میں شانوں پر پھیلا دوپٹا، سیدھی مانگ کے دونوں جانب سے بالوں کا آبشار سا اس کے کاندھے اور پشت پر پھیلا تھا، اس کے کان میں سفید چھوٹے سے 'ڈینگل' ایئرنگز چمک رہے تھے، گلابی چہرے پر پہلی بار اس نے کسی لڑکی کے لائنر کو اس قدر قریب اور توجہ سے دیکھا۔ اس نے نوٹ کیا اس کی لپ اسٹک ہمیشہ ہلکے رنگوں کی ہوتی تھی۔ وہ خاص چیز جو اس چہرے میں تھی، وہ اب تک اسے نام نہیں دے پایا تھا۔

سحر نے اپنا پرس میز پر رکھ کر اسے دیکھا۔ بغور اسے دیکھ رہا صاعد مسکرایا۔

''یہ ڈنر کا وقت ہے اور آپ نے مجھے کیفے میں بلایا ہے۔''

سحر نے گڑبڑا کر چاروں طرف دیکھا۔ ڈنر کے وقت بھی وہاں خاصی بھیڑ جمع تھی۔

''سوری..... اگر یہ آپ کے ڈنر کا وقت تھا، مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ آپ چاہیں تو قریب ہی ریسٹورنٹ بھی ہے۔''

''کوئی بات نہیں، نیکسٹ ٹائم ہم ڈنر ہی کریں گے۔'' وہ بڑے انداز سے مسکرایا۔ سحر کے اندر ملال سر اٹھانے لگا۔ وہ ان کے اس تعلق کی بنا پر یہ لطیف مذاق اور گفتگو کر رہا تھا جو وہ ختم کرنے آئی تھی۔ وہ جواباً جس طرح مسکرائی، اس پر صاعد ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''آپ نے جس مقصد کے لیے ملنے کے لیے کہا تھا، پلیز کھل کر کہیں۔'' تب ہی بیرا آ گیا۔ صاعد نے اس سے پوچھا اور دونوں کے لیے صرف کافی لانے کو کہا۔

وہ گود میں ہاتھ رکھے انگلیاں مروڑے جا رہی تھی ساتھ ہی اس کا بایاں پیر مسلسل ہل رہا تھا۔ صاعد کو صورت حال کے سنگین ہونے کا اندازہ ہوا۔

''جو بھی بات ہے، آپ بلا جھجک مجھ سے کہہ

www.pklibrary.com

سکتی ہیں۔" سحر نے اس مہربان ہستی کو دیکھا جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے خیال نے اس کے اندر بڑے خوش رنگ خواب جگائے تھے۔ اس جاذب چہرے پر پہلی نگاہ سے ہی اسے ایک نسلی اور ذہارس نظر آئی تھی۔ اب بھی اسی تاثر کا اثر تھا کہ اس نے ہاتھ گود سے اٹھا کر میز پر رکھے اور تھوڑا آگے جھکی۔

"ہیلووووو..... واٹ اے سرپرائز!" اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ اس کے پیچھے سے آبشار کی بشاشت بھری آواز گونجی۔ اس نے آگے آکر صاعد کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ صاعد نے کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا۔

"آپ بھی جوائن کریں ہمیں۔" رسمی حال احوال کے بعد صاعد نے کرسی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے دعوت دی۔

"آپ دونوں کی ڈیٹ میں میرا تھرڈ وہیل بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے سحر کو دیکھ کر انگریزی میں کہا۔

"اپنے فرینڈز کے ساتھ آیا تھا، آپ دکھائی دیے تو سوچا ہائے ہیلو کر لی جائے، آپ دونوں کنٹینو کریں میں چلتا ہوں....." جانے سے پہلے اس نے سحر کو پکارا۔

"سحر!" وہ اسے دیکھنے لگی۔

"مسٹر ترپاٹھی نے فون کیا تھا....." اس نے فاؤنڈیشن کے سی او کا نام لیا۔

"میں نے انہیں یقین دلایا ہے، شادی ہو جائے پھر سارے میٹرز سیٹل ہو جائیں گے، کچھ بند نہیں ہوگا ڈونٹ وری، بس تب تک تھوڑا برداشت کر لیں۔" اس نے یوں سکون اور یقین دہانی والے لہجے میں بات کی جیسے کوئی مسئلہ حل ہو گیا ہو اور انہیں خدا حافظ کہتا چلا گیا۔ سحر کو پہلی بار آبشار سے خوف محسوس ہوا۔

صاعد نے اسے دروازے سے باہر نکلتے دیکھنے کے بعد اپنی کرسی سنبھال لی۔

"اسکول اور فاؤنڈیشن میں کوئی ایشو ہوا ہے؟"

آبشار کی باتوں پر اس نے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں، اسمال پرابلمز تو ہوتی ہیں پھر حل بھی ہو جاتی ہیں۔" اب وہ اسے بھنک بھی پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"گڈ۔ آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" اس نے مکمل توجہ اس پر مرکوز کی، سحر کا دل چاہا رو دے۔

"میں بس آپ کے خیالات جاننا چاہ رہی تھی کہ ہماری فیملیز اتنے سال ایک دوسرے سے دور رہی ہیں اور پھر یوں اچانک..... ایک دم سے اتنا بڑا فیصلہ....."

"اوہ تو یہ بھی میری طرح ان خیالات سے دوچار ہیں۔" صاعد نے سوچا۔

"آپ ڈیسٹنی (تقدیر) پر یقین رکھتی ہیں ناں..... بس اسے وہی سمجھیں اور زیادہ نہ سوچیں....." وہ اسے وہ ہی ساری تسلیاں دیتا رہا جو اب تک خود کو دے رہا تھا اور اس کی خوش گمانیوں پر سحر کا دل رونے لگا۔

"آپ کو گھر ڈراپ کر دوں؟" آدھے گھنٹے بعد وہ باہر نکلے تو صاعد نے پیشکش کی۔

"میں ڈرائیور کے بنا گھر سے نہیں نکلتی۔" اس نے پارکنگ میں کار سے ٹیک لگائے کھڑے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! تو پھر ڈنر کے لیے میں انوائیٹ کروں یا آپ بلائیں گی؟"

"شادی کی ڈیٹ اتنی نزدیک ہے کہ ہم اب شاید اسی دن ساتھ ڈنر کریں۔" اس نے اپنی حقیقت قبول کر لی تھی۔

صاعد اس کی بات سن کر ہنس دیا۔

"چلتی ہوں۔ آنے کے لیے اور کافی کے لیے شکریہ۔"

صاعد نے بس سر ہلایا، وہ جانے لگی تھی کہ اس نے پکارا۔

"سحر!" وہ رک کر پلٹی۔

"باقیوں کے متعلق میں دعوا اور وعدہ نہیں کر

www.pklibrary.com

سکتا لیکن اپنے لیے کہوں گا، آپ مجھ پر مکمل اعتماد کر سکتی ہیں......" اس نے ذرا سا وقفہ لیا۔

"مجھے اپنے ساتھ سمجھیں۔" وہ تسلی اور تشفی جو اس کے چہرے پر نظر آتی تھی، لفظوں میں ڈھل گئی تھی۔

"تھینک یو۔" اس کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔ اس نے تیزی سے گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے صاعد کو لگ رہا تھا اس نے جس بات کے لیے بلایا تھا، وہ بات کی نہیں پھر اس نے سر جھٹک کر خود کو سرزنش کی، وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہو رہا ہے۔

☆☆☆

سات ستارہ ہوٹل میں، منعقد ایک چھوٹی تقریب میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی اور اسی دن ان کی شادی کی تاریخ کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ تقریب میں اس کے پاپا، بیوی بچوں کے ساتھ آئے تھے۔ مما نے اسے فون پر مبارک باد دی تھی۔ پاپا کی طرف والی اس کی کزن، دوستیں بھی موجود تھیں۔ صاعد کے دونوں چاچا بھی اپنے خاندان کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔

اگلے دن کے اخبارات میں بیچ تمری پر ان کی تصاویر تھیں۔ سحر نے سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے بدترین حالات کے لیے، سوچ رکھا تھا کہ ان کے لیے الیکشن لڑلے گی لیکن صاعد پر الزام والی بات کسی صورت نہیں مانے گی اور اس پر زیادہ دباؤ ڈالا گیا تو وہ باپ سے بات کرے گی۔ باپ کا سوچ کر اس کی ہمت بڑھ جاتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ کچھ کریں نہ کریں، مگر اسے مشکل میں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

صاعد جتنا درخشاں کے دل کا حال اور مقصد جاننے کی کوشش کرتا اتنا الجھتا جا رہا تھا۔ آخر وہ خود کو دلاسا دیتا کہ وہ کچھ زیادہ ہی سوچ رہا ہے۔ ہر بات میں سازش اور در پردہ محرک تلاش کرنا ٹھیک نہیں، وقت اور حالات کے ساتھ لوگ بدل بھی تو جاتے ہیں اور یہ ہی خاقان نیازی اور درخشاں کے ساتھ ہوا تھا۔ اپنی ساری خام خیالیوں اور خوش فہمیوں کے ساتھ وہ سحر کی ہمراہی ملنے پر دل سے خوش اور پرجوش تھا۔

☆☆☆

پورے تام جھام، اہتمام اور نمائش کے ساتھ بالآخر ان کی شادی ہو گئی۔ اس 'گرینڈ' شادی میں سحر کی ممی بھی تین دن کے لیے اپنی بیٹیوں کے ساتھ آئی تھیں۔ نایاب بیگم زیادہ دیر وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھیں۔ انہیں چند گھنٹوں بعد ہی گھر واپس آنا پڑا تھا، اس لیے جب دولہا دلہن گھر پہنچے تو درخشاں نے کمرے میں جانے سے پہلے انہیں ماں سے ملنے کی ہدایت دی۔ وہ دونوں ساتھ ہی ان کی دعائیں لے کر کمرے سے نکل رہے تھے کہ انہوں نے صاعد کو روکا۔

"دو منٹ بیٹا! بات سن لو۔" سحر کمرے سے نکل گئی تھی وہ دروازہ چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔

"جی مما!" وہ کچھ جز بز سی تھیں لیکن بیٹے کو آگاہ کرنا بھی ضروری لگ رہا تھا۔

"درخشاں نے ایسا کچھ کہا تو نہیں ہے لیکن تم تو ہسٹری سے واقف ہو، نئے سفر میں یہ خیال بھی ساتھ رکھو کہ یہ مختصر بھی ہو سکتا ہے۔"

صاعد کے سینے میں درد کی ایک لہر اٹھی جس کی تکلیف دبا کر، اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور سر ہلایا۔ تو اس کی خوش گمانیاں غلط تھیں، اور یہ بات پتا چلی بھی تو کب۔

"خیال رکھوں گا مما۔" اس نے بہت آہستہ سے کہا۔ راہداری میں رکی، سحر تیزی سے صاعد کے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔

سحر کمرے میں آ کر دم بخود رہ گئی۔ کمرہ بے پناہ خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ سفید سرخ گلاب اور ذرا دیر پہلے سنی نایاب بیگم کی بات...... جذبات ایک دم بدل گئے تھے۔ وہ تو خود اسکول بچانے اس کھیل کا حصہ بنی تھی مگر شاید اس کے اندر کہیں یہ ہلکی سی خوش

www.pklibrary.com

امپرفیکٹ، امپرمننٹ (غیر مستقل) اور انکمپلیٹ (نامکمل) میں حسن اور سکون پانا، اسے ہی زندگی کا اصل اور حاصل سمجھنا، اسے انجوائے کرنا، اس میں خوش رہنا، امپرفیکشن کو سلیبریٹ کرنا۔'' وہ ذرا رک کر پھر بولنے لگی۔

''مجھے خیال آیا، ہمارا رشتہ بھی تو ایسا ہی ہے غیر کامل، غیر مستقل اور نامکمل۔'' چند پل خاموشی سے آگے سرک گئے۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے بات کر رہی تھی۔ اس نے سحر کی کلائی تھام کر اس کا رخ اپنی سمت کیا۔

''اور ہمیں اسی کو ہمارے تعلق کا حسن مان لینا چاہیے، اسی میں خوشی اور حسن دیکھنا چاہیے.....''

یہ سوال تھا یا جواب، صاعد بھی اس لمحے اس کا فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔

''کیا یہ ناممکن ہے؟'' سحر نے سوال کی صورت اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

کچھ دیر اس کی شب دیجور سی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد، صاعد نے کلائی چھوڑتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''نہیں۔''

سحر واپس پلیٹ کر سامنے دیکھنے لگی۔ صاعد کی پرسوچ نگاہیں اسی پر تھیں۔

انہیں تو اپنے اگلے پل کے لیے بھی دھڑکا تھا کہ جانے کب، کون سا حکم جاری ہو جائے یا ان کی ڈور تھامنے والے، اچانک جھٹکا دے کر ان کا رخ جانے کس سمت موڑ دیں۔ ان کے لیے ہر طرف بے ثباتی تھی۔ ایسے میں اس وقت اور تعلق کو خوب صورت بنانا، اس میں خوشی تلاشنا، اس سے رفاقت کا حسن کشید کرنا ممکن تو تھا لیکن یہ دائمی نہیں ہو سکتا تھا اور یہ بے یقینی ہی اسے ڈرائی تھی۔ ذرا سی بے اختیاری اور دل کی تسکین، زندگی بھر کا افسوس، غم اور حسرت، جو اسے اپنے لیے قبول تھی مگر سحر..... وہ کیوں اسے ایک ان دیکھی زنجیر میں باندھے جو اسے آگے بڑھنے نہ دے..... اسے یہ خود غرضی منظور نہ تھی لیکن خود غرضی اس وقت تھی جب یہ صرف اس کی خواہش تھی۔

''کیا سوچنے لگے؟'' وہ اس کی خاموشی پر پوری اس کی طرف پلٹ گئی۔ صاعد یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

لیکن کل کے ڈر سے جو سامنے تھا، سچ تھا وہ اب نظر انداز بھی نہیں ہو رہا تھا۔ جو اس پل اس کی دسترس میں تھا وہ قیمتی تھا، اہم تھا، وہ ہی سب کچھ تھا۔

سارے وسوسے، اندیشے اور خوف کل کے تھے، دوسروں سے منسوب تھے اور جو ان کے بیچ ایک دوسرے سے منسوب تھا وہ، احترام، اعتماد، اتفاق، احساس اور محبت.....؟

اس سے کیوں صرف نظر کیا جائے..... کیا جائے.....؟ یہ بیش بہا وقت اور انمول ساتھ تو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر باقی عمر کے لیے یادیں بنانے کا تھا۔

ہوا کا رخ یوں تھا کہ اس کے کھلے بال صاعد کے چہرے کو بھی چھو رہے تھے۔ اس کی ارمان بھری آنکھیں صاعد پہ ٹکی تھیں۔ یہ وہ لمحے تھے جب اختیار اور احتیاط کا دامن خود ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

دونوں ہاتھوں سے اس کے بال پیچھے کرتے ہوئے صاعد کے ہاتھ اس کے سر سے پھسلتے ہوئے کنپٹیوں پر آ کر ٹھہر گئے۔

''میں سونے جیسا قیمتی تو نہیں ہوں.....''

وہ کہنا چاہتی تھی، وقت سے پہلے ہی جوڑنے کی بات کیوں.....؟ ابھی ہم جدا کہاں ہوئے ہیں، میرا دل تو اس وقت کرچی کرچی ہوگا جب ہم بچھڑ جائیں گے۔ ابھی تو ہم ساتھ ہیں، اسے تو سلیقے سے برت لینے دیں..... مگر وہ چپ رہی کہ صاعد کہہ رہا تھا۔

''اور چاہتا ہوں، تمہیں کبھی 'کن سوگی' کی ضرورت نہ پڑے.....'' اس کے ہاتھ سحر کے رخساروں پر سرک آئے تھے۔

''اور خدانخواستہ اس کی ضرورت ہو تو تمہیں

www.pklibrary.com

دنیا کا سب سے خوبصورت اور مضبوط 'کن سوگی' میسر ہو....."

"اس پل، اس لمحے اور ان الفاظ کے بعد مجھے کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی....."

وہ بہت بہادر ہوگئی تھی، سود و زیاں کے حساب کتاب سے بے نیاز۔ جب محبت اور محبوب دسترس میں ہوں تو احتیاط بزدلی ہے۔

"صاعد اور سحر وابی سابی نہیں ہو سکتے؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے زیادہ بے خوف تھی۔

"اس لمحے صاعد اور سحر سب کچھ ہو سکتے ہیں۔"

صاعد نے اسے خود سے قریب کیا۔ اس معاملے میں محبت کی حدت تھی، خود سپردگی تھی اور ان کے تعلق کے ارتقاء کی سند بھی۔

اسٹڈی ایک بار پھر پہلے کی طرح ویران ہوگئی تھی۔

☆☆☆

"کیا آپ کو کبھی خیال نہیں آتا کہ ہم سب کچھ بھول کر، چھوڑ کر کہیں گم ہو جائیں؟" سحر نے اچانک پوچھا۔ وہ گزیبو کے صوفے پر بیٹھی تھی اور صاعد ستون پر لگا بلب بدل رہا تھا۔

"یہ ہی نہیں مجھے اور بھی کئی خیال آتے ہیں۔" وہ پرانا بلب قریب رکھے کوڑے دان میں ڈال کر ہاتھ جھٹکتا ہوا پلٹا۔

"کیا؟"

"آنکھ کھلے اور یہ سب خواب ہو، تم اس گھر میں میرے کمرے میں موجود ہی نہ ہو، خاقان انکل اور آپی کی خوب دوستی ہو، کسی دن وہ ہم سے کہہ رہے ہوں کہ ہم آزاد ہیں....." وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"پھر یہ بھی کہ ہم کہیں چلے بھی جائیں تو کتنے دن خوش رہ پائیں گے؟" اس نے گہری سانس لے کر پیچھے پشت ٹکائی۔

"آپ کو کیوں لگتا ہے، آپ زیادہ دن خوش نہیں رہ پائیں گے؟"

"آپی اور مما کے بنا، آپی کو خفا کر کے، ان کی کسی بات سے انکار یا اختلاف کر کے میں کبھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ میری خوشی ان کی خوشی سے مشروط ہے۔" کچھ دیر رک کر اس نے سوال کیا۔

"اور تم..... خوش رہ پاؤ گی اگر ہم سب کو چھوڑ کر کہیں چلے جائیں؟"

"دنیا کو لگتا ہے فاؤنڈیشن اور اسکول ایک امیر زادی کا شوق ہے یا ٹائم پاس کا ذریعہ لیکن ایسا نہیں ہے یہ نانو کا خواب تھا جو انہوں نے طارق ماموں کے ایصال ثواب کے لیے دیکھا تھا جو اب ان کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہے پھر فاؤنڈیشن اور اسکول سے ان کی مدد، ان کے خواب اور مستقبل جڑے ہیں جن کے پاس بنیادی سہولتیں ہیں نہ وسائل۔ میں اتنے لوگوں کو مایوس کروں ان کو، ان کے حال پر چھوڑ دوں تو مجھ سا خود غرض کوئی نہیں ہوگا اور میری زندگی میں خود غرضی اور خوشی کی ذرا نہیں بنتی۔"

"سحر! اسکول اور فاؤنڈیشن کیوں بند ہوگا؟"

اسے اچانک اس بات پر ان کی ملاقات اور آبشار کی اتفاقیہ آمد یاد آئی اور اس کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ سحر جھٹ سیدھی ہوئی۔ وہ بلا سوچے سمجھے روانی میں بول گئی تھی۔ صاعد نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"پلیز۔" بڑی مخلص التجا تھی۔

اور وہ اس مہرباں سے کچھ چھپا نہیں پائی، آبشار کے منصوبے میں اس کا کردار بھی نہیں۔

"اسکول اور فاؤنڈیشن بچانے کے لیے میں واپس چلی جاؤں گی، الیکشن بھی لڑ لوں گی لیکن میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا آپ کو ان سب میں نہیں گھسیٹوں گی۔"

صاعد نے اسے اپنے سے قریب کیا۔

"یہ کیا کر دیا آپی آپ نے!" اسے بے حد افسوس تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ لوگ اس حد تک جا سکتے ہیں، یہ درخشاں کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں۔ خود کو ان

www.pklibrary.com

سے ،، قدم آگے سمجھنے والی بری طرح ان کے جال میں پھنسی تھیں۔ شادی کے لیے ہاں کہہ کر انہوں نے صاعد اور اپنی بربادی کو دعوت دے ڈالی تھی۔ اسے درخشاں کا مقصد پتا نہیں تھا لیکن یہ یقین بھی تھا کہ وہ ان جیسا گھٹیا نہیں ہوسکتا۔ اسے اب بھی یہی لگتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سحر کو واپس بھیجنے کا ارادہ رکھتی تھیں لیکن جو سحر کہہ رہی تھی، وہ تو ان سب کے لیے مصیبت تھا۔

''میں نے آپ کو بھی پریشان کر دیا۔'' اس کی طویل چپ پر سحر نے سرگوشی کی۔

''نہیں سحر۔'' اس نے دوسرا بازو بھی اس کے گرد پھیلایا۔

''مجھے پہلے پوچھنا چاہیے تھا، سوری میں نے دیر کر دی۔''

وہ اسے کیا تسلی دیتا اور یقین دلاتا، وہ خود بے حد الجھا تھا۔ درخشاں اور سحر دونوں اسے عزیز تھیں۔

☆☆☆

مخالف جماعت والے اس بار ملنے آئے تو ایک اور 'اندر' کی خبر لائے تھے۔

''پارٹی میٹنگ میں خاقان نیازی نے اس وارڈ کے لیے اپنی نواسی اور آپ کی بہو کا نام پیش کیا ہے، جس پر الیکشن انچارج بھی خوش ہے۔ آپ جلدی سے ہاں کہیں تو ہم آپ کے نام کا اعلان کر کے فوراً کیمپئن بھی شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ان کی پارٹی کو نواسی کے نام پر غور کرنا پڑے گا کیونکہ اس سے زیادہ مضبوط دعوے دار آپ ہوں گی۔''

اور درخشاں کے لیے جیسے اب سب کچھ واضح ہو گیا۔ انہوں نے سحر کو اس خاندان کا حصہ بنایا یعنی اسے صاعد، طارق اور درخشاں سب سے جوڑ دیا جو انہیں الیکشن میں فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ اس شادی کے پیچھے اس حلقے سے سیٹ جیتنا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ انہیں الیکشن لڑنے کو کہیں گے لیکن انہوں نے اس کام کے لیے سحر کا انتخاب کیا تھا۔ اب ان کے لیے فیصلہ آسان ہو گیا تھا اور خاقان نیازی کو شکست دینا بھی۔

☆☆☆

''ایسے اچانک؟'' درخشاں نے پوچھا۔

ابھی وہ مختلف انداز میں پوچھے گئے اسی سوال کا جواب سحر کو دے کر آیا تھا۔

''ویزا کی وجہ سے میرا یہ ٹرپ دو مہینہ ڈیلے ہو گیا ہے۔''

''آپ سے کہا تھا پہلے بھی، میرا ایک دوست یو ایس میں 'سوئیٹ اسٹوری' لانچ کرنا چاہتا ہے۔''

''وہاں کہاں بیکریوں کی کمی ہے۔'' انہیں اس کا ان سے دور جانے والا کوئی فیصلہ اچھا نہیں لگ سکتا تھا۔

''امریکہ کے ہر شہر میں انڈین کمیونٹی بستی ہے اور اس کا پلان ان ہی علاقوں کے لیے ہے۔ 'سوئیٹ اسٹوری' سے دو جنریشنز کی یادیں جڑی ہیں۔ برسوں پہلے متوسط طبقے میں برتھ ڈے کیکس 'سوئیٹ اسٹوری' نے ہی عام کیے تھے، آج بھی ہم افورڈیبل کیکس فراہم کرنے والوں میں ایک مقام رکھتے ہیں، وہ اسی ناسٹیلجیا کو یوز کرنا چاہتا ہے۔'' اس کا جواب ایک قابل بزنس مین والا تھا۔

''ریٹرن کیا ہے؟'' وہ اس بحث میں اس سے جیت نہیں سکتی تھیں۔

''نیکسٹ سنڈے کی فلائٹ ہے۔''

''ہمم۔'' وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

''تم ملک سے باہر بھی کام پھیلانا چاہتے ہو، اچھی بات ہے.....'' صاعد کو ہلکی سی حیرت ہوئی۔ پہلے ہمیشہ انہوں نے اس کی یہ خواہش رد کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ٹکٹ کنفرم کرنے کے بعد انہیں اطلاع دی تھی۔ وہ اب بھی ان کی مزاحمت اور اعتراضات کے لیے تیار تھا لیکن خلاف امید وہ اسے روک نہیں رہی تھیں۔

''شاید اسی ہفتے الیکشن کی ڈیٹس اناؤنس ہو جائیں اور وہ سحر کو الیکشن میں کینڈیڈیٹ بنانے والے ہیں، ان کا ارادہ طارق کا نام، میرے اچھے

www.pklibrary.com

کام اور اس آگ کے بعد تمہاری شہرت کا فائدہ اٹھانا تھا۔ اس کے نام کے اعلان سے پہلے ہی ہم اس سے تعلق ختم کرلیں تو اچھا۔"

انہوں نے بڑے آرام سے اس کے دل پر پیر رکھا۔ وہ نہ چیخ سکتا تھا نہ خود کو لہولہو ہونے سے بچا سکتا تھا۔

ہمیں کہہ کر انہوں نے اس فیصلے کو خود ہی مشترکہ بنا دیا تھا۔ وہ جانتی تھیں، وہ اس کی وجہ بھی نہیں پوچھے گا۔

"تم آجاؤ پھر دیکھیں گے، ابھی اس لیے کہا کہ تم سرپرائز نہ ہو جاؤ۔"

"اوکے۔" اسے یہ ہی کہنا تھا۔

"میں نے پیپرز ریڈی کرلیے ہیں۔" انہوں نے آرائشی میز سے لفافہ اٹھایا۔

اسے محسوس ہوا، جیسے اچانک کمرے سے ساری ہوا غائب ہوگئی ہے اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ درخشاں کا اگلا فقرہ ہوگا جانے سے پہلے سائن کردو اور وہ آخری سانس لے گا۔

"ابھی سائن کردو یا آنے کے بعد، جیسے مناسب سمجھو۔" انہوں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

انہوں نے اس کی سمت لفافہ بڑھایا تو اسے لینا پڑا۔

"پیکنگ ہوگئی تمہاری؟" وہ پلٹ کر الماری سے کل کے لیے ساڑھی منتخب کرنے لگیں۔

"جی۔" اس نے بمشکل سانس کھینچ کر کہا۔

"جاؤ، جلد سو جانا، صبح کی فلائٹ ہے۔"

"جی آپی۔" وہ باہر آکر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔ نایاب بیگم نے اسے اس اٹل حقیقت سے باخبر کردیا تھا، سحر کو بھی اپنے نانا کی جانب سے ایسے ہی کسی حکم کا انتظار تھا، اس موڑ سے آگاہی کے باوجود وہ چاہتا تھا، یہ رستہ کچھ دیر اور سیدھا چلتا رہے مگر کن کردان کیے دنوں کا شمار ختم ہونے کو تھا۔

وہ کمرے میں آنے سے پہلے راہداری والے دروازے سے اسٹڈی میں گیا اور لفافہ وہاں رکھ کر کمرے میں آیا۔ سحر سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

"اب سو جائیں، ارلی مارننگ فلائٹ ہے۔" اس نے بازو میں صاعد کا تکیہ درست کیا۔ وہ اپنی جگہ جانے کے بجائے اس کی طرف آکر کنارے پر بیٹھ گیا۔ سحر اس کی صورت دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"میں سوچ رہا تھا، آنکھ کھلے نہ کھلے اس رسک سے اچھا ہے۔ ہم صبح تک جاگ ہی لیتے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

کچھ دیر پہلے وہ جلد سونے کی بات کر رہا تھا۔ سحر نے اس کے تبسم کے پیچھے چھپی سنجیدگی بھانپ لی۔ صاعد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس لمس سے اس میں صاعد کا خوف اور ہجر کا دکھ منتقل ہوا تھا۔ سحر کا دل ڈوب گیا۔ وہ درخشاں سے مل کر آیا تھا اور اب ذرا دیر پہلے والا صاعد نہیں رہا تھا۔

"آپ تو فلائٹ میں سو جائیں گے اور مجھے آفس سے چھٹی کرنا پڑے گی..... چلیں۔" وہ رضامندی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"لیکن ایک شرط پر۔"

"منظور۔" صاعد نے سنے بنا قبول کرلی۔

"میں ٹیرس پر جا رہی ہوں، آپ کافی لے کر آئیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔ وہ ہنس دیا۔

"اوکے۔"

وہ چھت پر چلی آئی اور صاعد باورچی خانے میں چلا گیا۔

"وائی سائی!" اس کے لب بنا آواز ہلے تھے۔ ایک دم کھل کر رونے کا دل کر رہا تھا لیکن اسے اس کے جانے تک صبر کرنا تھا۔

"کیا پتا وہ صاعد کو دور بھیج رہی ہوں یا صاعد نے کہا ہو کہ یہ کام میری غیر موجودگی میں کریں۔"

اس پل کے لیے وہ اول دن سے تیار تھی مگر جو کسی اندازے اور تیاری کے بنا ہوا تھا، اس نے اس متوقع اور طے جدائی کو بہت تکلیف دہ بنا دیا تھا۔

صاعد کافی کے دو مگ لیے اوپر آیا تو وہ صوفے پر بیٹھی خود کو سنبھال چکی تھی۔

پھر وہ دنیا بھر کی اور یہاں وہاں کی باتیں

www.pklibrary.com

کرتے رہے۔ آج انہوں نے اپنے متعلق کوئی بات نہیں کی نہ ایک دوسرے سے ذاتی نوعیت کے سوال وجواب کیے۔

اسنیکس کے ساتھ کافی کا دوسرا دور بھی چلا۔ وہ ہنستے مسکراتے اور مسلسل بولتے رہے تھے۔

دونوں چار بجے نیچے آئے اور پانچ پینتیس کو صاعد جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

اس کے آگے بے یقینی اور تاریکی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے، اس کے بعد انہیں دوبارہ ملنے اور بات کرنے کا موقع ملے گا بھی کہ نہیں، وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی پائیں گے یا نہیں۔ دوسروں کے حکم پر سر جھکاتے جھکاتے، وہ اپنی خواہشوں کے آگے کبھی جھک گئے تھے۔ کہنے کو اتنا کچھ تھا کہ ایک لفظ اس بھیڑ اور شور سے باہر نکلنے کی جگہ نہ بنا سکا۔ وہ گھڑی پہن کر اس کی سمت مڑا تو اس بلیو جینز اور وائٹ شرٹ پر جیکٹ پہنے، خوبرو انسان کے لیے اس کا دل مچلنے لگا کہ کسی طرح اسے روک لے، اسے منا لے، درخشاں کے پیروں میں گر جائے، نانا جان کو کوئی واسطہ دے جس سے انکار ممکن نہ ہو..... لیکن وہ جانتی تھی، سارے خیال لایعنی ہیں۔ وہ جلد ہی اس پر سارا استحقاق کھونے کو تھی۔

"اسی ہفتے جانا ضروری تھا؟" اس نے پوچھا۔

"یس۔" وہ پاس آیا اور اسے آغوش میں لیا۔

"یہ ٹرپ کسی بھی ریزن سے ٹالا نہیں جا سکتا۔" اس نے حلقہ تنگ کیا اور سحر نے آنسو ضبط کیے۔

"اللہ آپ کو کامیاب لوٹائے۔" اس معانقے میں ایک دوسرے کے لمس، خوشبو اور قربت کے آخری ہونے کی شدت اور حسرت دونوں تھی۔

"آمین۔" صاعد کی سرگوشی سی آواز ابھری۔

"سحر!"

"ہمم۔"

"تمہیں وابی سابی کا خیال پہلے دن کیوں نہیں آیا؟"

سحر ہنس پڑی، ایک نم سی ہنسی۔

"شکر کریں، اس رات تو آ گیا تھا!"

اب کے صاعد کی ہنسی زخم خوردہ تھی۔

چند ساعتوں بعد اس نے شانوں سے تھام کر سحر کو سامنے کیا۔

"تھینک یو اس ان کمپلیٹ، امپرمٹ، امپرفیکٹ کو اتنا خوب صورت بنانے کے لیے۔"

"آپ لیٹ ہو جائیں گے۔" اب اور ضبط اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ صاعد نے جھک کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"تمہیں ابھی سونا ہے، آفس نہیں جانا آج۔"

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"اللہ حافظ۔" صاعد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور چلا گیا۔ اس نے باہر پورچ یا گیٹ تک چھوڑنے کا اصرار کیا نہ سحر نے ایسی کوئی پیشکش کی۔

صاعد نے فجر پڑھ لی تھی، اس کی باقی تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے، اس نے فجر پڑھی اور وہیں جائے نماز پر روتے روتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

وہ اس دن دفتر نہیں گئی تھی۔ اس نے صبح ہی آپا کو اور اپنے دفتر میں پیغام دے کر بھیج دیا تھا کہ وہ آج چھٹی کر رہی ہے۔ دوپہر کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔ اسے امید تھی کہ درخشاں گھر میں موجود ہوں گی اور اسے ایک تکلیف دہ گفتگو سے گزرنا پڑے گا مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔

رات کو وہ واپس آئیں تب سحر اور انعم لان میں بیٹھی تھیں۔ وہ عام دنوں کی طرح حال احوال پوچھ کر اندر چلی گئیں۔

اگلے کئی دن بھی معمول کی طرح گزر گئے۔ وہ سب ساتھ میں ناشتہ کرتے، ادھر ادھر کی باتیں ہوتیں اور سب اپنے کام پر نکل جاتے۔ صاعد سے بھی کال اور واٹس ایپ پر باتیں ہو رہی تھیں۔ جس دن اسے واپس آنا تھا، اس سے ایک دن قبل ناشتے

www.pklibrary.com

کے بعد درخشاں نے اسے رکنے کو کہا اور اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ قیامت کی گھڑی آ گئی تھی جس کا وہ انتظار کر رہی تھی۔

"میرے کمرے میں آؤ۔" اپنی ساڑھی کا پلو کاندھے پر درست کرتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔

کمرے میں پہنچ کر، انہوں نے الماری کی دراز سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ جس پر قصداً سیاہ مارکر سے اندر موجود کاغذات کا مقصد لکھا تھا۔

"یہ کئی دن سے صاعد کی اسٹڈی میں تھا۔ وہ سائن کرنے کے لیے میرے کہنے کا انتظار کر رہا تھا، میں اس کے سائن کردہ پیپرز تمہیں دینا چاہتی تھی مگر مجھے لگتا ہے، اس کے آنے سے پہلے تم سائن کر کے یہاں سے چلی جاؤ تو سب کے لیے اچھا ہوگا۔"

سحر نے خاموشی سے ان کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔ انہیں حیرت ہوئی کہ وہ حیران نہیں ہوئی۔

"تمہارے نانا نے بھی تمہیں ساری عمر کے لیے نہیں بھیجا تھا یہاں۔"

"ہمم۔" اس نے لفافے کو بغور دیکھتے ہوئے پرسوچ سا ہنکارا بھرا۔

"میری بس ایک الجھن دور کر دیں۔" اس نے سر اٹھا کر اس قابل ڈاکٹر، مشفق بہن، زخم خوردہ بہو اور تنہا اور افسردہ بیوہ کو دیکھا۔

"پوچھو۔"

"آپ نے نانا جان کا پرپوزل کیوں ایکسیپٹ کیا تھا؟"

"کوئی ایک وجہ نہیں تھی، میں جانتی تھی، اس کے پیچھے ان کا کوئی پلان ہے، مجھے وہ پلان خراب کرنا تھا۔" وہ اس کے سامنے اپنے پتے نہیں کھولنا چاہتی تھیں۔

وہ سر ہلا کر جانے لگی تھی کہ پیچھے سے انہوں نے کہا۔

"صاعد کل شام میں آئے گا۔"

وہ کچھ کہے بنا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا ردعمل جیسا درخشاں نے سوچا اس سے مختلف تھا اور انہیں کاغذات اسے دینے کے بعد جس سکون کی امید تھی، اس کا دور دور تک پتا نہ تھا۔

☆☆☆

کمرے میں آ کر اس نے لفافہ آرائشی میز پر رکھا اور اپنا بیگ نکال کر اس میں کپڑے رکھنے لگی۔ کام کرتے ہوئے اس کے خاموش آنسو جانے کون سا احتجاج کر رہے تھے مگر اس نے انہیں درخور اعتناء نہ جانا۔ وہ کمرے میں آئی تو ارادہ تھا اسی وقت چلی جائے گی مگر بیگ بند کرنے کے بعد، وہ ٹھنڈے دماغ سے جذبات ایک طرف رکھ کر سوچ رہی تھی۔

اس نے کل صبح جانے کا فیصلہ کیا اور پاپا کو کال کی۔

رات وہ صاعد کی جگہ لیٹی تھی جب اس کا پیغام آیا۔ وہ فلائٹ بورڈ کر چکا تھا۔ اس نے سفر بخیر ہونے اور اس کی سلامتی کی دعا بھیجی۔

"تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔" صاعد نے لکھا۔

"آپ کے لیے بھی!" اس نے روتے ہوئے کہہ دیا۔

وہ کچھ لکھتی اس سے پہلے اس نے کہا کہ اب فون سوئچ آف کرنا ہے اور وہ آف لائن ہو گیا۔

وہ بری طرح رونے لگی۔ صاعد کو بھی پتا تھا واپسی میں وہ اسے گھر پر نہیں ملے گی۔

"ہم اس سے بہتر طریقے سے بھی تو رخصت ہو سکتے تھے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا۔

"اور وہ کیسے؟" اندر سے سوال اٹھا۔

"بے وقوف! کوئی بھی جدائی اور رخصت بہتر نہیں ہوتی۔ ایک دوسرے کو روتے، ٹوٹتے بکھرتے ضبط کھوتے اور آزماتے دیکھنے سے اچھا جانتے بوجھتے انجان بن کر بچھڑ جانا ہے۔ ساتھ جتنا لمبا کھینچتا ہے، آزمائش اتنی سخت ہوتی جاتی ہے، آمنے سامنے الوداع کہنا جدائی کو زیادہ اذیت ناک بناتا ہے۔"

www.pklibrary.com

اس نے چپ چاپ، دل و دماغ کی ساری دلیلیں مان لیں جو اسے قطعی فضول لگ رہی تھیں۔

☆☆☆

"میں نے سائن کر دیے ہیں۔" صبح ناشتے سے قبل درخشاں کے کمرے میں سحر نے لفافہ ان کے بیڈ پر رکھا۔

"میری تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی، لیکن گیہوں کے ساتھ گھن تو پستا ہی ہے۔" ان کی آواز ہر جذبے سے عاری تھی۔

"میرا مشورہ ہے، اپنی ماں کے پاس چلی جاؤ، خاقان نیازی کے سائے میں کوئی خوش نہیں رہ سکتا۔"

"صاعد کو کس کے پاس جانے کا مشورہ دیں گی؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز میں کاٹ در آئی تھی۔

"کیا مطلب؟" درخشاں کی آواز میں غصہ تھا۔

"خوشی کے لیے کچھ سایوں سے دور جانا شرط ہے، تو صاعد کو بھی اس گھر سے دور چلے جانا چاہیے۔" وہ چہرہ، لہجہ، آواز کچھ بھی سپاٹ اور سادہ نہ رکھ سکی تھی۔

اس وقت درخشاں نے خود کو ڈرامہ سیریلز والی ویمپس کی طرح نفرت سے 'اپنی اوقات میں رہ' کہنے سے بمشکل روکا۔

"اگر وہ تمہاری یہ بات سن لے تو خود ہاتھ سے پکڑ کر گیٹ کے باہر چھوڑ آئے۔" تمسخر اور طنز سے کہی بات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"شاید، اور آپ کے نزدیک یہ آپ کے لیے فخر کرنے والی بات ہے؟"

"کیوں نہ ہو!" ان کی گردن تن گئی۔ "ساری دنیا میں اس کے لیے بہن سے بڑھ کر کوئی نہیں۔" انہوں نے جتایا۔

"اور بہن کے لیے؟" اس نے اطمینان سے پوچھا۔ اب انہیں اس کی جرح کے پیچھے کوئی مقصد نظر آنے لگا۔

"بھائی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔" ان سے نظر ہٹا کر وہ ہنسنے لگی۔

"آپ خود سے جھوٹ نہ بولیں کیونکہ باقی سب تو دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے لیے، نیازی فیملی سے نفرت اور بدلے سے بڑھ کر کچھ نہیں، صاعد بھی نہیں۔"

"جن باتوں کی تمہیں سمجھ نہیں، ان کے بارے میں رائے نہ ہی دو تو بہتر۔"

"تو سمجھائیں مجھے بلکہ ثابت کر دیں....." وہ ہاتھ سینے پر باندھ کر دو قدم آگے آئی۔

"صاعد کی خوشی میرے ساتھ ہے، اس کی خاطر بھول جائیں سب کچھ اور ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے دیں۔" نتیجے کی امید صفر تھی لیکن وہ آخری حد تک کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے تمہارا یہ یقین توڑنا اچھا تو نہیں لگ رہا مگر سنو....." وہ بھی دو قدم اٹھا کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"اس نے میرے ایک کہنے پر ڈائیورس پیپرز اٹھا لیے تھے کہ جب تک میں کہی، سائن کر دوں گا اور وہ اپنی خوشیوں سے اتنی آسانی سے دست بردار ہونے والا انسان نہیں ہے۔"

اس کی آنکھوں کا یقین اس وقت بھی نہیں ڈگمگایا تھا۔ چند پل انہیں دیکھنے کے بعد وہ ایک تاسف بھرے تبسم کے ساتھ پلٹ گئی لیکن دروازے کے پاس پہنچ کر مڑ کر انہیں دیکھا۔

"اللہ کرے آپ کا یہ بھرم جلد ٹوٹے اور آپ سچ دیکھ سکیں۔" وہ دروازہ کھولتی اس سے قبل انہوں نے تیزی سے پوچھا۔

"کون سا بھرم؟"

"یہ بھرم کہ آپ صاعد کو جانتی اور سمجھتی ہیں۔"

"یہ بھرم نہیں بلکہ میری اور صاعد کی زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔" انہوں نے پورے یقین سے کہا۔

www.pklibrary.com

''مگر تمہاری یہ ہی خوشی ہے تو میری دعا ہے کہ تمہارا یہ بھرم تا عمر قائم رہے۔'' سحر نے چند لمحے سوچا پھر کہنے لگی۔

''نانا جان کا مقصد زندگی سیاست ہے، انہیں مجھ سے کوئی لگاؤ اور محبت نہیں تھی اس لیے بلا جھجک مجھے استعمال کر لیا لیکن آپ..... آپ کی تو دنیا صاعد ہے، آپ کو تو ان سے ساری دنیا سے بڑھ کر محبت ہے، وہ آپ کے بھائی ہی نہیں بیٹے کی طرح ہیں پھر کیسے آپ نے انہیں استعمال کیا.....؟ آپ نے تو محبت کرنے والے کو کھویا ہے، اس کا دکھ اور اس کی جدائی جانتی ہیں آپ پھر کیسے اتنی تنگ نظر اور سنگ دل ہو گئیں کہ نفرت اور بدلہ آپ کے اپنوں سے بڑا ہو گیا.....؟ جن سے محبت ہو، ان کا امتحان تو نہیں لیتے، ان کے لیے آسانیاں ڈھونڈتے ہیں، خود سہتے ہیں اور انہیں سیرابی کی راہ دکھاتے ہیں جیسے صاعد نے کیا، اب بھی کر رہے ہیں۔ کاش! آپ سمجھ سکتیں کہ ہم الگ کیوں ہو رہے ہیں۔'' وہ رونے لگی تھی۔

'' آپ کا جو بھی مقصد تھا، مجھے اس گھر میں لانے اور صاعد کی سنگت عطا کرنے کا شکریہ۔'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

درخشاں کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

اس نے رات ہی انعم سے بات کر لی تھی۔ جس نے اپنے ڈرائیور کو رات ہی آنے سے منع کر دیا تھا۔ انعم نے اوبر بلائی جس میں سحر بیٹھ کر اپنے پاپا کے گھر گئی تھی اور سحر کے ڈرائیور کے ساتھ اس کی کار میں انعم گیٹ سے نکلی۔

سحر نے یہ احتیاط اس لیے کی تھی کہ وہ روز، بنگلے کے سامنے اسی ایک لڑکے کو دیکھتی تھی جسے اس کے آنے جانے پر نظر رکھنے کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ انعم اس کی ہدایت کے مطابق اس کی کار استعمال کرنے والی تھی۔ انعم کے پاس ڈھیروں سوال تھے لیکن وہ اسے لاجواب یا شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

سحر چاہتی تھی کہ ابھی خاقان نیازی اور آبشار یہ ہی سمجھتے رہیں کہ وہ صاعد کے گھر میں ہے۔

☆☆☆

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ اب بھی موجود ہو مگر وہ خالی تھا۔ بیگ رکھ کر وہ اسٹڈی میں آیا۔ سحر وہاں بھی نہیں تھی لیکن میز پر اس کا اسٹنج باب والا ٹوٹا مگ سالم حالت میں رکھا تھا۔ اس کے ہر جوڑ پر اس نے سنہری مارکر چلایا تھا۔ مگ پر اسٹکی نوٹ لگا تھا۔ صاعد نے مگ اٹھا کر نوٹ دیکھا۔

''یو آر مائی کن سوگی!''

''اینڈ یو آر مائن!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

وہ اس کے یہاں سے جاتے وقت موجود نہیں تھا مگر اسے اس سے دور ہونے کا بھی افسوس نہیں تھا۔ وہ جس کام کے لیے گیا، اس میں کامیاب لوٹا تھا۔ اگر وہ نہ جاتا تو اسے افسوس رہتا۔

''وہ سائن کر کے گئی ہے۔'' درخشاں نے اس سے نظریں ملائے بنا لفافہ تھماتے ہوئے کہا تھا۔

''تم بھی سائن کر دو تاکہ میں یہ پیپر زخاقان نیازی کو بھجوا دوں اور ایک بات.....'' وہ رک گئیں۔ انہیں کہتے ہوئے تامل ہو رہا تھا مگر اسے بتانے کا وقت آ گیا تھا۔

''میں مگر جلتے سے میں نے سی پی سی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''کیا؟'' اسے جھٹکا لگا۔

''وہ لوگ مجھے کب سے کنوینس کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور پھر پبلک سروس.....''

''آپی!'' اس نے فیصلہ کن انداز میں ان کی بات کاٹی۔ ''سیاست سے آپ نے ساری عمر نفرت کی ہے، یہ آپ کے بلکہ ہمارے لیے ہے ہی نہیں۔ پبلک سروس کے اور کئی راستے ہیں، مجھے آپ کا یہ فیصلہ نہ تو پسند ہے نہ قبول ہے، خاقان نیازی سے مقابلہ کرنے کے لیے اس میدان میں کودنا حماقت کے علاوہ کچھ نہیں۔ سیاسی لوگوں کی مٹی الگ ہوتی ہے ہماری الگ ہے۔ میں نے آج تک آپ کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا، لیکن اس طرح آپ کو

www.pklibrary.com

آگ میں کودنے نہیں دوں گا۔ پلیز آپ یہ فیصلہ بدل لیں۔"

"صاعد، تم....."

"پلیز آپی، میں پہلی بار آپ سے کوئی التجا کر رہا ہوں۔" اس نے لفافے پر گرفت مضبوط کی۔ ایک ہلکا سا خیال، ایک مبہم سی امید تھی، وہ بھی اس لمحے دم توڑ گئی۔

"اچھا۔ میں سوچوں گی۔" اس کا شدید ردعمل دیکھ کر درخشاں نے اس وقت بات ختم کرنا مناسب سمجھا۔

"تم اس وقت کہیں جا رہے ہو؟" وہ دفتر سوٹ پہن کر نہیں جاتا تھا بلکہ خاص موقعوں پر ہی پہنتا تھا۔

"جی ایک کریسچن فرینڈ کی شادی میں جانا ہے۔"

یہ آدھا سچ تھا۔

"خوشی خوشی جاؤ، موڈ خراب نہ کرو۔ اس موضوع پر ہم بعد میں بات کریں گے۔" انہوں نے اس کے گال تھپتھپائے۔

☆☆☆

آبشار اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوا تھا مگر اگلے ہی پل، اس کی آمد کا مقصد ذہن میں آتے ہی اس کی گردن اکڑ گئی اور ہونٹوں پر طنزیہ مسخرانہ تبسم پھیل گیا۔ انہوں نے ہی طے شدہ طریقے سے سحر کے امیدوار بننے کی خبر پھیلائی تھی۔ اندر آ کر اس سے کچھ کہے بنا ہی، صاعد کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ہماری ایسی تو کوئی دشمنی نہیں کہ پلیز نیٹو ریز بھی آوائڈ کریں؟"

"ایسی دوستی بھی نہیں۔" صاعد ذرا سا مسکرایا۔

"فیور مانگنے کے لیے تو بندے کو سب سے پہلے ہمبل ہونا چاہیے۔" آبشار کے انداز میں طاقت کا نشہ تھا۔

"اگری، اگر فیور مانگنا ہو تو!"

"اوووکے۔" آبشار نے ابرو چڑھا کے ہاتھ سینے پر باندھے اور کرسی ہلکی پیچھے کر کے خود بھی پیچھے ہوا۔ انداز یوں تھا جیسے کہہ رہا ہو،

"تو مانگو۔"

"تم کافی وقت پردیس میں تھے لیکن یہ دیسی جملے تو سن ہی رکھے ہوں گے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، جیسے کو تیسا، اینٹ کا جواب پتھر سے وغیرہ وغیرہ۔ میں اسی کی عملی تفسیر دکھانے آیا ہوں۔"

آبشار کے چہرے پر تذبذب پھیل رہا تھا۔ صاعد نے کوٹ کی اندرونی جیب سے لفافہ نکال کر میز پر پھینکا۔ آبشار نے جھپٹ کے لفافہ اٹھایا۔ اب صاعد سینے پر ہاتھ باندھ کر، کرسی کی پشت سے پشت ملا کر اس پر نظر جمائے تھا۔

لفافے سے نکلی تصاویر دیکھ کر، آبشار کی رنگت فوراً بدلی تھی لیکن وہ اتنی ہی جلد مستعمل بھی گیا۔

"میں سمجھا نہیں، مجھے یہ سب دکھا کر کیا سمجھانا چاہتے ہو؟"

وہ 'مجھے کوئی فرق نہیں پڑا، مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا' کی تصویر بننا چاہ رہا تھا لیکن بری طرح ناکام ہوا تھا۔

"اگر مجھے دھمکی دینے آئے ہو یا بلیک میل کرنے کا ارادہ ہے تو میں بتاتا ہوں، یہ فوٹوز کس چینل یا نیوز پیپر کو لیک کرو گے تو زیادہ کوریج ملے گی۔"

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔" صاعد نے ہلکے سے سر کو جنبش دی۔

"پھر کیوں میرا اور خود کا وقت برباد کر رہے ہو۔" اس بار اس کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"تمہیں پتا ہے سب سے انٹرسٹنگ بات کیا ہے؟" صاعد نے کرسی میز سے قریب کرتے ہوئے مسکرا کے سوال کیا لیکن جواب کے لیے رکے بنا بات جاری رکھی۔

"یہ تو اس فیلڈ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ خاقان نیازی، اتنے گھاگ اور شاطر کھلاڑی ہیں کہ ایسے

www.pklibrary.com

دس بیس اسکینڈلز بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے پھر بھی میں ایسا ہی ایک لفافہ انہیں دینے جا رہا ہوں۔" اس کے چہرے پر فاتحانہ تبسم تھا۔

"سوچا تمہیں پہلے بتا دوں تاکہ تم واپسی کی تیاریاں شروع کر دو۔" وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہوا۔

"ہماری اگلی ملاقات شاید تمہارے دادا کی موجودگی میں ہو۔"

"چاہتے کیا ہو؟" آبشار نے سرد آواز میں پوچھا۔

"تم اپنے دادا کے مزاج کو جتنی اچھی طرح جانتے ہو، اتنی ہی اچھی طرح یہ بھی جانتے ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" صاعد کی نظریں جیسے اس کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"اور اس کے لیے تم ہی اپنے دادا کو راضی بھی کرو گے، بالکل ویسے ہی جیسے اس شادی اور اس کے بعد کے پلان کے لیے کیا تھا۔"

آبشار کو پورا یقین تھا کہ اسکول اور فاؤنڈیشن کو بچانے کے لیے، سحر اس بات کا ذکر کسی اور سے نہیں کرے گی، اس کا یہ یقین ہی اسے لے ڈوبا تھا اور اس پر مستزاد صاعد، خاقان نیازی کو بالکل ٹھیک ٹھاک سمجھا تھا۔ ثبوت مل جانے پر اس نے جوش اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے وہ ثبوت اس کی دکھتی رگ پر رکھ دیے تھے۔

"مجھے یقین ہے، ابھی تک اسٹارٹ نہ ہونے والا اپنا پولیٹیکل کریئر تمہیں اتنا عزیز ہے کہ تم اب سحر اور اس کے کام سے کوسوں دور رہو گے۔"

وہ لفافہ اس کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ آبشار خود پر قابو رکھتے رکھتے تھک گیا تھا۔ صاعد کے جاتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

کار پارکنگ سے نکال کر، سڑک پر ڈالتے ہوئے صاعد کے چہرے پر ایک اداس لیکن مطمئن مسکراہٹ تھی۔ جس دن سحر نے اسے بتایا تھا، اسی دن سے وہ اسے روکنے کا طریقہ اور راستہ سوچ رہا تھا۔ اسی کوشش میں اس نے اپنے دو تین دوستوں سے مدد مانگی تھی جو امریکہ میں مقیم تھے۔ اسے آبشار کی کسی کمزوری، کسی لغزش یا کسی بھی قابل گرفت بات کی تلاش تھی جو وہ اس کے خلاف استعمال کر سکتا۔ جن دنوں نور بیگم زندہ تھیں ان دنوں امریکہ میں منشیات کے نشے میں، اس نے اپنے کمرے میں ساتھ رہنے والے ساتھی پر حملہ کیا تھا۔ اس کے چند دن بعد اسی نشے میں اس نے اپنی دوست کی وہ حالت کر دی تھی کہ اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

یہ سارے پولیس اور کورٹ کے معاملات اس نے اپنے وکیل کے ساتھ مل کر نپٹائے تھے، سیٹلمنٹ میں بڑی رقم خرچ کی گئی۔ اس کے بعد اس نے خود کو 'ری ہیب' میں داخل کروایا تھا۔ صاعد جب اس کے جاننے والوں، وکیل اور اس کی بربریت کا نشانہ بننے والوں سے ملا تو دو چیزیں واضح ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنی دادی کے خوف سے یہ بات گھر والوں سے چھپائی تھی، ورنہ وہ کسی حال میں اسے مزید امریکہ میں رہنے نہ دیتیں اور دوسری یہ کہ اپنے دادا کی طرح سیاست میں نام کمانا، اس کا سب سے بڑا خواب تھا۔ اتنا بڑا کہ اس کے لیے اس نے اپنے طور طریقے اور عادتیں بھی بدل ڈالی تھیں۔

پولیس ریکارڈ، تصاویر، خبریں اور مظلومین کی زخم خوردہ تصاویر، حاصل کر لینے کے بعد بھی اسے بھروسا نہیں تھا کہ اسے عام کر دینے سے سحر کو نجات ملے گی۔ تجربہ کار اور شاطر سیاسی کھلاڑی، حقائق اور ثبوتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے فائدے کے لیے استعمال کر ہی لیتے ہیں۔ یہ نہ کر سکے تو اس سے نقصان بھی نہیں ہونے دیتے۔ اس دوران اس نے بہت احتیاط برتی تھی کہ کوئی آبشار کو اس کی تفتیش سے باخبر نہ کر دے۔

خاقان نیازی کے انٹرویوز میں وہ کئی بار سن اور پڑھ چکا تھا کہ ان کے لیے، آپسی بھروسے کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ جو ایک بار ان کا اعتماد کھو دے پھر وہ کسی صورت اسے دوسرا موقع نہیں دیتے، چاہے وہ ان کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ وہ درخشاں

www.pklibrary.com

سے بھی یہ سب سن چکا تھا۔ ان کا یہ اصول اور آبشار کیے سیاسی خوابوں کو ہی اس نے آبشار کے خلاف استعمال کیا تھا۔

دفتر پہنچ کر، اس نے درخشاں کا دیا لفافہ میز پر رکھا اور جیب سے فون نکالا۔

پہلے اس کا دل چاہا سحر کو کال کرے لیکن پھر لفافے نے، اپنی موجودگی یاد دلائی تو بنا صوت رابطہ منا سب لگا۔

''اسکول اور فاؤنڈیشن کی فکر نہ کرو۔ اب کوئی اسے چھیڑنے کا سوچے گا بھی نہیں۔''

کل سے یونہی بستر میں پڑی سحر نے بے دلی سے فون اٹھایا اور تھکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیسے؟ کیا کیا؟'' اس نے فوراً پوچھا۔ اور تب ہی اسے اس کے اس قدر اچانک امریکہ جانے اور پھر آتے ہی مسئلہ حل کرنے میں ربط سمجھ میں آنے لگا۔

''وہ اہم نہیں۔ تم اب الیکشن کے لیے انکار کر سکتی ہو بلکہ اب شاید اس کی بھی ضرورت نہ پڑے۔''

''تھینک یو۔'' وہ زار و قطار رونے لگی تھی۔

صاعد کو اس شکریہ کے جواب میں کہنے کے لیے کوئی لفظ یاد نہیں آیا۔

''میں پاپا کے یہاں ہوں۔'' سحر نے اسے خبر دی۔

''گڈ! مناسب سمجھو تو اب وہیں رہو۔''

''ہمم۔''

''اپنا خیال رکھنا سحر۔ اللہ حافظ۔'' اس نے لکھ کر فون میز پر رکھ دیا اور لفافے کو گھورنے لگا۔

☆☆☆

درخشاں اب جلد سے جلد صاعد کی دوسری شادی کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے اس کے لیے انعم کا انتخاب پہلے ہی کر رکھا تھا۔

صاعد کے دستخط کے بعد، کاغذات خاقان نیازی کو دینے وہ خود جانے والی تھیں۔ وہیں انہیں اپنے الیکشن لڑنے کی خبر بھی دینا تھی۔ اس سے پہلے انہوں نے انعم کی ماں سے شادی کی بات کر لی تھی۔ لیکن سب کچھ ہمارے منصوبے کے مطابق تو ہونے سے رہا۔

انعم تن فن کرتی دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔

''آپ نے مما سے میرے اور صاعد بھائی کے رشتے کی بات کی؟''

''ہاں۔'' درخشاں نے اس کے تیور نظر انداز کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

''میں جانتی تھی، سن کر تمہارا پہلا ری ایکشن کچھ ایسا ہی ہوگا۔'' وہ قریب آ کر اس کا گال چھونا چاہ رہی تھیں کہ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

''آپ کی اجارہ داری صرف اپنے بھائی پر ہے ساری دنیا پر نہیں۔ ہر کوئی غلام کی طرح آپ کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔''

''انعم کیا بولے جا رہی ہو، اتنا غصہ بھی ٹھیک نہیں بیٹا!'' انہوں نے ایک خالی ہنسی کے ساتھ اسے پچکارا۔

''جانے وہ کون سا زعم یا اندھا پن ہے جو آپ محسن سے ظالم بن گئیں مگر سمجھ نہیں سکیں۔ صاعد بھائی کو دیکھ کر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ احسان چکانے کا بھی ایک دورانیہ اور عمر ہونی چاہیے جس کے بعد حساب برابر کا اعلان کر دیا جائے۔ ماضی کی مہربانیوں کا آئینہ دکھا دکھا کر، انسان سے اس کا مستقبل چھیننے کا عمل احسان جیسے نیک عمل کو گہن زدہ کر دیتا ہے۔''

''انعم تم! حد سے بڑھ رہی ہو اب.....''

''آج آپ سن ہی لیں، آپ کبھی دیکھ ہی نہیں سکیں کہ محبت کب فرض بن گئی جس کے بوجھ تلے صاعد بھائی کی مرضی، خواہش اور خوشی سب کچل کے رہ گئی۔ آپ نے اور طارق بھائی نے جو کیا بہت کم لوگ کرتے ہیں، آپ کا عمل تعریف کے قابل تھا۔ آپ نے بڑی بہادری سے سارے طوفانوں کا مقابلہ کیا، لیکن اس کی بہت بڑی قیمت آپ نے

www.pklibrary.com

صاعد بھائی سے وصولی ہے۔ نقد سے زیادہ سود لینے کی گناہ گار ہیں آپ۔"

"اب تم بدتمیزی کر رہی ہو بیٹا۔"

"آپ نے ہر بات اور معاملے میں صاعد بھائی پر اپنی مرضی تھوپی ہے، انہیں انجینئرنگ نہیں کرنے دی، انہیں ابراڈ نہیں جانے دیا، ان کی شادی اپنی مرضی سے کی، پھر اپنی مرضی سے الگ کر دیا۔ اب پھر ان پر سیکنڈ میرج اپنی مرضی سے لاد رہی ہیں..... یہ تو اہم اور بڑے کام گنوائے ہیں جبکہ زندگی کے ہر معمولی غیر معمولی کام میں، آپ نے ان کی پسند اور مرضی کو دیکھا نہ گنا۔ پھر بھی وہ کبھی آپ کو غلط نہیں کہیں گے، ان کی نظر میں آپ غلط ہو ہی نہیں سکتیں۔

یہ دور سے دیکھنے والا تیسرا ہی زیادہ منصفی سے بتا سکتا ہے کہ محبت کے نام پر زیادتی کون کر رہا ہے اور کون واقعی محبت نبھا رہا ہے۔ ساری دنیا کو آپ کے احسان اس قدر ازبر ہیں کہ صاعد بھائی کی کوئی ملاقات، ان کے ذکر کے بنا مکمل ہی نہیں ہوتی اور ہر بار وہ احسان مندی کے احساس سے آپ کے لیے جان تک قربان کرنے کا قصد کرتے ہیں۔" انہیں ایک دم سحر کے الفاظ یاد آئے۔

"صاعد بھائی کے لیے آپ کی کہی بات حکم کا درجہ رکھتی ہے، آپ کے لیے ان کی محبت واقعی بے غرض ہے۔ وہ آپ میں کوئی غلطی اور خامی دیکھ ہی نہیں سکتے۔ میں اسی لیے یہ آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ سمجھیں تو، ذرا تو اپنے رویے پر غور کریں، یہ غلطیاں آپ کو نظر آ سکتی ہیں، آپ انہیں سدھار سکتی ہیں لیکن صاعد بھائی کبھی بھی آپ کی کسی بات یا حکم کو زیادتی اور ظلم میں شمار نہیں کریں گے، ہاں زیادہ سے زیادہ وہ اسے آپ کا غلط اندازہ یا برا فیصلہ کہہ دیں گے بس۔ انہیں آپ کے احسانات کی واقعی اور سچی قدر ہے لیکن اب وقت ہے کہ آپ بھی ان کے اس احساس کی قدر کریں۔"

درخشاں نڈھال سی پلنگ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ صاعد بھائی ہیرے جیسے انسان سہی لیکن مجھے ایسا کٹھ پتلی شوہر نہیں چاہیے، جس کی ڈوریاں کسی اور کے ہاتھ میں ہوں..... ویسے یہ تو دوسری وجہ ہے، پہلی وجہ یہ کہ وہ سحر سے محبت کرتے ہیں۔"

درخشاں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ لڑکی کتنا سچ جانتی تھی.....!

"آپ جاننا چاہتی ہیں تو ان سے پوچھیں، وہ یوں ایسے کیوں گئے تھے۔ میں آج ہی یہاں سے جا رہی ہوں، میں نے مما کو بھی اس کی اطلاع دے دی ہے۔" وہ جس طرح آئی تھی، ویسے ہی دھاڑ سے دروازہ بند کرتی واپس چلی گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے بیگ بھرا اور باہر آئی۔ بیگ گھسیٹتی، راہداری سے گزر کر پورچ میں جاتے ہوئے نایاب بیگم کے کمرے کے سامنے وہ ٹھہر گئی۔ چند لمحے رک کر سوچا پھر بیگ دیوار سے لگا کر ان کے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" نایاب بیگم کی آواز پر وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ وہ کوئی ملازمہ یا نرس کی توقع کر رہی تھیں، اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"آؤ، کوئی کام تھا؟"

"آپ کتنے وقت سے بیڈ ریسٹ پر ہیں؟"

"تقریباً چار مہینوں سے، کیوں؟"

"اچھا، لیکن وہیل چیئر پر تو آپ پچھلے تیں سالوں سے ہیں۔" اس کے انداز اور بات پر وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ہم شاید آج کے بعد پھر کبھی نہ ملیں....."

نایاب بیگم کو جھٹکا لگا۔

"اس لیے مجھے آپ سے جو کہنا ہے، وہ کہہ کر جاؤں گی، آپ کو شاید اچھا نہ لگے، مجھ پر بہت غصہ بھی آئے لیکن سن لیں....."

صاف گوئی کی عادت کے باوجود، اس نے آج تک کسی سے بدتمیزی سے بات کی تھی نہ غصے میں آپا کھویا تھا لیکن اس وقت وہ جو کہنے اور کرنے جا

www.pklibrary.com

رہی تھی، اس میں ان دونوں خرابیوں کا اندیشہ تھا۔ بزرگ سے بات کرتے ہوئے ضمیر اسے مصلحت کا دامن تھامنے کو کہہ رہا تھا مگر وہ بنا لگی لپٹی پر ڈٹی تھی۔

"تیس سال سے صاعد مقصود کی ماں وہیل چیئر پر ہے، اس کی ممتا اپاہج ہے۔"

"آں..... میں..... تم کیا..... مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"تیس سال سے آپ صرف درخشاں آپی کی ماں ہیں، اس گھر میں صرف ان کی فکر، ان کی خوشی، ان کی مرضی، ان کے فیصلے ہی ہیں....."

"تو اس میں غلط کیا ہے؟ اس نے جو کیا، اس کے ساتھ جو ہوا، اور جیسی زندگی اس نے گزاری، اس کے بعد تو وہ اس سے زیادہ کا حق رکھتی ہے۔"

"اور صاعد بھائی.....؟"

"صاعد کیا.....؟ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس کے ساتھ درخشاں نے کوئی ظلم کیا ہے؟"

ذرا دیر قبل انہیں اس کے جانے کا دلی افسوس ہو رہا تھا مگر اس لمحے، انہوں نے شکر ادا کیا کہ وہ اس گھر سے جا رہی تھی ورنہ وہ تو بہن بھائیوں میں دراڑ ہی ڈال دیتی۔

"درخشاں آپی کے ساتھ ہوئے المیے بڑے دردناک تھے، وہ بہت اسٹرانگ لیڈی ہیں، ان کے صاعد بھائی اور آپ پر بہت احسان ہیں لیکن ان تمام صحیح باتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ بطور ماں ان کی جانب سے مکمل چشم پوشی کر لیتیں۔

اور دوسری بات جس پر مجھے آپ پر بہت زیادہ غصہ آتا ہے، وہ یہ کہ بہن کے احسان اور مہربانیاں جتا جتا اور گنوا گنوا کر آپ نے صاعد بھائی کو ان کے لیے اس قدر محتاط اور حساس کر دیا کہ وہ سانس لیتے ہوئے سوچتے ہیں کہ، اس سے آپی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی، قدم اٹھاتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ یہ آپی کی پسند کے مطابق تو ہوگا..... آپ نے اس دنیا میں ان سے ان کی جگہ چھین لی ہے، انہیں ان کا آسمان دیا ہی نہیں..... درخشاں کا آسمان ہی ان کی زندگی پر تان دیا۔"

نایاب بیگم کے چہرے کے چڑھتے اترتے تاثرات پر ذرا رک گئی، پھر بولی تو آواز میں قصداً نرمی پیدا کی۔

"آنٹی! فیملی سسٹم میں افراد کتنے بھی ہوں تین ہوں یا تیس، ایک ہیڈ ہونا ضروری ہے جس کے پاس اتھارٹی ہوتی ہے۔ یہ پاور والدین یا گرینڈ پیرینٹ کے لیے ہی ہے، بچہ کتنا بھی عقل مند ہو آپ اسے فیملی ہیڈ کا مقام دیں گی تو اس کے بہن بھائی ایک ہوں یا دس، وہ جانے انجانے اچھی یا بری نیت سے ان کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی کرتا ہی ہے۔

آپ نے درخشاں آپی اور صاعد کے ساتھ یہی کیا۔ بہت بار آپ کو درخشاں آپی کو سمجھانے اور ٹوکنے کی ضرورت تھی، وہ اس مزاج کی نہیں بھی کہ آپ کی بات سمجھتیں اور مانتیں لیکن اب انہیں اپنے درست فیصلوں اور صاعد بھائی کی فرماں برداری کا زعم غلط راستے پر ڈال چکا ہے۔"

"کیا صاعد کے ساتھ اتنی زیادتیاں ہوئی ہیں؟" ان کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"آپ صاعد بھائی سے پوچھیں گی تو ہنسیں گے کہ کیا فضول بات کر رہی ہیں آپ..... وہ جینیوئنلی درخشاں آپی کے قدرداں اور احسان مند ہیں لیکن آنٹی! احسان اور احسان مندی جتنے نیک اور اچھے اعمال ہیں، ہم اسے جتا جتا کر اور دوسرے کو اس بار سے جھکا جھکا کر یہ نیکیاں زیرو کرتے جاتے ہیں۔ یہ میں آؤٹ سائڈر دیکھ سکتی ہوں کہ احسان یہاں بطور بلیک میل یوز ہو رہا ہے۔ آپ سب کے لیے جس میں صاعد بھائی بھی شامل ہیں، یہ پرفیکٹلی آل رائٹ سچویشن ہے۔" وہ ان کے پاس آئی۔

"صاعد بھائی سحر کو پسند کرتے ہیں، ساری سچائیاں جاننے کے بعد بھی وہ ان کے ساتھ خوش تھے، آپ ماں ہیں تو کسی کو ان سے یہ خوشی چھیننے نہ دیتیں۔ صاعد بھائی کا درخشاں آپی کی مہربانیوں اور دکھوں کا احساس، قدردانی، ان سے رواسلوک کافی کیوں نہیں.....؟ احسان مندی کا احساس ہی بہت

www.pklibrary.com

قیمتی اور اہم ہے پھر ہم احسان مندی کا اظہار قربانیوں کی صورت ہی کیوں چاہتے ہیں؟ درخشاں آپی کی زندگی کی ٹریجڈیز قدرت کی طرف سے تھیں لیکن سوچیں ذرا آنٹی، صاعد بھائی کی زندگی کو ٹریجک کس نے کیا؟"

انہیں آبدیدہ دیکھ کر اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ فرش پر بیٹھ کر اس نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

ان کے بیٹے کی زندگی دوسروں کے لیے المیہ ہے، یہ بات ان کی ساری ریاضت کو مٹی کر گئی تھی۔

"ہوسکتا ہے، میری بہت سی باتیں غلط ہوں، میں نے وہ وقت نہیں دیکھا اور سہا جس کی وجہ سے آپ نے درخشاں آپی کو اتنی رعایتیں دیں، ہوسکتا ہے اب تک آپ نے جو کیا۔ وہ سب بھی درست ہو لیکن آنٹی، اس وقت جو ہو رہا ہے، وہ ٹھیک نہیں۔ صاعد بھائی اور سحر بینا کسی قصور اور غلطی کے الگ کر دیے گئے ہیں۔ وہ آپ دونوں کو مان دیتے ہوئے سب مان جاتے ہیں، اب آپ دونوں کو مان دینے کی باری ہے اپنے عزیز رشتوں کا مان رکھنے کی۔"

☆☆☆

وہ گھر پہنچا تو درخشاں ڈرائنگ روم میں اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ انعم کے گھر چھوڑ کر جانے کی خبر اسے چوکیدار نے پہلے ہی دے دی تھی۔ اس نے اسی وقت اسے کال ملائی مگر فون سوئچ آف تھا۔

"آپ سوئیں نہیں یا ہاسپٹل جا رہی ہیں؟"

اکثر دیر رات کی ایمرجنسی کالز پر وہ گھر کے حلیے میں ہی چلی جاتی تھیں۔

"تمھارا ویٹ کر رہی تھی۔ کیسی رہی شادی؟"

"جی اچھی تھی۔" اس نے شرکت ہی کہاں کی تھی، دوستوں نے تصویریں بھیجی تھیں۔

"تم نے سائن کر دیے؟" انعم کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ اس کا موقف سننا چاہ رہی تھیں۔

"آج وقت نہیں ملا آپی۔"

وہ مزید کچھ سننا چاہ رہی تھیں۔ کوئی بہانا ٹالنے کے جواز یا دوبارہ غور کرنے کی درخواست، مگر وہ ہلکی سی شرمندگی کے ساتھ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

ان کا دل اس کے لیے محبت سے بھر گیا۔ دنیا میں یکتا بھائی تھا ان کا۔ انہوں نے بہت غور بھی کیا تو کہیں، صاعد پر زور زبردستی دکھائی دی نہ زیادتی۔

وہ ایک کامیاب، پراعتماد اور خوش مزاج مرد تھا۔ اگر وہ اپنی زندگی اور حالات سے خوش نہ ہوتا تو انہیں علم کیسے نہیں ہوتا۔

"تھک گئے ہوگے، آرام کرو۔" انہوں نے اس کا بازو سہلایا۔

"آپی! آپ الیکشن اور سیاست میں جانے کا بالکل نہ سوچیں، یہ چیزیں ہمارے لیے نہیں ہیں پھر یہ فل ٹائم رسپانسبلٹی ہے اور آپ کے پاس ہاسپٹل کے بعد وقت ہی کہاں بچتا ہے۔" وہ ان کے لیے فکر مند تھا۔ اس کی رائے اور دلیل ان کے لیے تھی۔ پہلی بار وہ اختلاف کر بھی رہا تھا تو ان کے لیے۔

"ابھی میں اس بارے میں سوچ رہی ہوں۔ تم اتنی ٹینشن نہ لو۔ میں سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کروں گی۔ آرام کرو، جاؤ۔" وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

انہوں نے سوچا تھا۔ وہ خاقان نیازی سے اپنا حساب بے باق کریں گی اور انعم ان کا اسپتال سنبھال لے گی جواب ممکن نہیں تھا۔ پی سی پی والے ان کے جواب کے منتظر تھے۔ وہ جو فیصلہ کر چکی تھیں، اب اس پر آگے بڑھ کر عمل کرتے ہوئے تامل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ان کی یہ مشکل اگلے دن نایاب بیگم نے دور کر دی۔

انہوں نے درخشاں کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

"بیٹا! اس عمر میں انسان کے پاس سوچ بچار کے لیے بہت وقت ہوتا ہے اور وہ زندگی بھر کے معاملات میں خود کی غلطیاں، کمیاں اور ناکامیاں صحیح طور پر سمجھ پاتا ہے۔ ہم سب اپنے طور پر اپنے پیاروں کے ساتھ انصاف اور بھلائی کا معاملہ ہی رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی اس دھوکے میں ہم سے زیادتیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔"

www.pklibrary.com

''آپ یہ سب کیوں کہہ رہی ہیں مما؟ زندگی کسی کی بھی قابلِ بھروسا نہیں لیکن پھر بھی عمر رسیدہ لوگ ایسی باتیں کرنے لگے تو دل ہول جاتا ہے۔''

''بیٹا! خاقان نیازی سے ایک بار پھر رشتہ قائم کرنا غلطی تھی۔'' انہوں نے اس بار ماں بن کر دو ٹوک بات کی۔

''اور اب یہ رشتہ توڑ کر ہم دوسری غلطی کر رہے ہیں۔ شادی کوئی کھیل نہیں ہے، یہ ایک محترم اور معتبر تعلق ہے، صاعد کو میں نے سحر کے ساتھ خوش دیکھا ہے، جس وجہ سے یہ رشتہ ختم ہو رہا ہے، کیا وہ وجہ صاعد کی خوشی سے بڑی ہے؟'' انہوں نے بیٹی کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مجھے تمہاری سمجھ اور فیصلوں پر ہمیشہ بھروسا رہا ہے لیکن اس بار تم سے دو غلطیاں ہوئی ہیں، وقت اب بھی ہم سب کی دسترس میں ہے کہ ہم دوسری غلطی سدھار لیں۔''

''مما! خاقان نیازی نے بھی کسی مقصد کے تحت یہ شادی کی تھی، سحر نے جب ان کے کہنے پر شادی کر لی تو آگے بھی وہ ان کی انسٹرکشنز ہی مانے گی، ایسے میں صاعد بھی محفوظ نہیں ہوگا، اس غلطی کو سدھارنے کے لیے بھی انسانوں اور رشتوں کو ان کے سابقہ مقام پر پہنچانا ہوگا۔''

''تم صاعد کو اب بھی بچہ سمجھتی ہو.....'' نایاب بیگم سکون سے مسکرائیں۔ درخشاں کے دلائل نہ دینے اور بحث نہ کرنے پر انہیں اطمینان ہوا تھا۔

''وہ اپنی، اپنے رشتوں اور پیاروں کی حفاظت کر سکتا ہے، تم موقع تو دو، رشتوں کو سابقہ مقام پر واپس کرنے کے بجائے انہیں اپنے مقام پر ڈٹ کر مقابلہ اور حفاظت کرنے دو۔''

وہ بہت دیر تک چپ رہیں، انعم کی باتوں نے پہلے ہی بہت سی چیزیں صاف کر دی تھیں۔ جب وہ بولیں تو آواز رندھ گئی تھی۔

''کیا میں نے صاعد کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے مما؟ طارق کے بعد صاعد نہ ہوتا تو میں پتا نہیں کیسے زندہ رہتی..... وہ طارق کو بھی اپنے بیٹے جیسا پیارا تھا یہ بات میں کبھی نہیں بھولی۔ اس کی خوشی اور مسکراہٹ میں طارق کی خوشی دیکھی۔ اس نے بھی میری زندگی کا خلا پر کیا، میری ممتا کو تسکین پہنچائی، اس کی کامیابی، ترقی ہی تو میری زندگی کا مقصد تھا پھر کیا میں بھٹک گئی تھی؟''

''کبھی کبھی دوسرے کو خوش اور کامران دیکھنے کی ہماری خواہش ایسی شدید ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے ہم اس دوسرے کی اپنی بھی کچھ خواہشات ہوں گی یہ حقیقت بھول جاتے ہیں۔'' نایاب بیگم نے تھکے سے انداز میں کہا تھا۔

''خود سب سوچنے کے بجائے صاعد سے کھل کر اور صاف صاف بات کرو۔'' انہوں نے بیٹی کو مشورہ دیا۔

☆☆☆

اسٹڈی کا جو دروازہ راہداری میں تھا، اس پر دستک ہوئی تو وہ چونکا۔ کوئی شاذ ہی ادھر آتا تھا۔

''یس۔'' اس نے دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دروازہ کھول کر اندر آتی کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

''تم کمرے میں نہیں تھے تو سوچا، یہیں ملو گے۔'' وہ سازھی کا پلو شانے پر سنبھالتی میز تک آئیں۔

اس آمد کے مقصد نے صاعد کو ایک دم بے جان سا کر دیا۔ وہ کرسی سے اٹھ نہ سکا۔ وہ گھڑی سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ اب مزید فرار ممکن نہ تھا۔

''تم نے وہ پیپرز کھول کر دیکھے بھی ہیں یا نہیں؟'' انہوں نے بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ صاعد نے سر جھکا لیا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔

''تم یہ شادی ختم نہیں کرنا چاہتے تو مجھ سے کہتے کیوں نہیں؟'' اس نے جھٹ سر اٹھایا مگر وہاں بھی غصہ نہیں لہجے کی طرح ہی نرمی بکھری تھی۔ وہ کھڑا ہوا۔

''میں سحر کے ساتھ اپنی زندگی اکیلے نہیں جی سکتا آپی! اور نہ مما اور آپ سے الگ ہو سکتا ہوں۔ اگر میرے پاس ایسا کوئی حل ہوتا جس میں ہم چاروں ہنسی خوشی رہنے کے قابل ہوتے تو میں اس کے لیے سب کچھ کر گزرتا۔''

www.pklibrary.com

وہ صاف لفظوں میں کہتا تو اس کی خوشیاں ایسے بھی ادھوری تھیں اور ویسے بھی۔

''اگر مما اور میں دل سے سحر کو قبول بھی کر لیں تو خاقان نیازی کو سحر سے کیسے الگ کرو گے؟''

''آپ اب یہ سب کیوں کہہ رہی ہیں مجھ سے؟ آئی ایڈمٹ کہ میں سحر کے لیے اپنی فیلنگز جانتے ہوئے اپنی مرضی سے یہ سب کر رہا ہوں۔''

''صرف اس لیے کہ میں ایسا چاہتی ہوں؟''

صاعد چند پل کے لیے خاموش ہو گیا۔

''آپی!'' جب کہا تو لہجے میں بے بسی اور مزید بحث نہ کرنے کی التجا تھی۔

''اگر میں تمہاری خواہش سے غافل رہ گئی تو تمہیں تو مجھے بتانا چاہیے تھا۔'' وہ اس کی کرسی کے قریب آئیں۔

''مجھے سحر یقین دلا دے کہ وہ اپنے نانا کے ساتھ نہیں تو میں وعدہ کرتی ہوں، تم دونوں کو کچھ نہیں ہونے دوں گی۔'' صاعد بیک وقت ان کی سادگی اور وقت کی ستم ظریفی پر مسکرا دیا۔

''آپ یہاں آئیں۔'' وہ انہیں لیے صوفے پر آیا اور ساری بات بتائی۔

گو درخشاں کو یقین تھا کہ ان سب کے پیچھے ان کا کوئی مطلب ہے، پھر بھی وہ خاقان نیازی اور آبشار کا اصل منصوبہ جان کر حیران رہ گئیں۔ اس انتہا تک ان کی سوچ نہیں پہنچ سکی تھی جہاں تک وہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ صاعد نے انہیں اپنے امریکہ جانے کی وجہ اور آبشار سے ملاقات کا سچ بھی بتا دیا۔

''وہ تو تمہارے آنے سے پہلے ہی سائن کر کے چلی گئی تھی، کیا سوچ کر گئی تھی؟''

''میں نہیں جانتا تھا، وہاں مجھے کچھ کارآمد اور سالڈ ملے گا بھی یا نہیں، اس لیے میں اسے جھوٹی امید نہیں دلانا چاہتا تھا۔ اس نے شاید اپنے پاپا کی مدد لینے کا سوچا ہوگا۔''

''نہیں صاعد! باپ کی مدد تو وہ پہلے بھی لے سکتی تھی۔''

''جو بھی ہو لیکن میں نے اسے آبشار سے اپنی ملاقات کے بارے میں خبر دے دی ہے۔''

اسی وقت درخشاں کا فون بجا۔ اسپتال میں کوئی ایمرجنسی تھی۔ انہیں جانا پڑا۔

وہ فوراً سحر سے بات کرنا چاہتا تھا مگر دوسری طرف فون بند تھا۔ وہ اس وقت بہت پرسکون اور مطمئن تھا۔

اس نے دراز سے لفافہ نکالا۔ اسے کھولتے اور کاغذات باہر نکالتے ہوئے اس کے اندر کوئی ڈر اور دکھ نہیں تھا۔ صفحے پلٹتے ہوئے اس نے دستخط والی جگہوں پر دونوں کے نام دیکھے اور پھر سحر کے دستخط دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہاں کچھ لکھا ضرور تھا مگر وہ دستخط نہیں تھے۔

''آئی کانٹ! (میں نہیں کر سکتی)'' سرسری سا دیکھنے والا اسے دستخط ہی سمجھتا۔

وہ بے اختیار بڑے دل سے مسکرایا لیکن اگلے ہی پل درخشاں کی بات یاد آ گئی۔

''وہ تو تمہارے آنے سے پہلے ہی سائن کر کے چلی گئی تھی، کیا سوچ کر گئی تھی؟''

اس نے دوبارہ اسے فون کیا جواب بھی بند آ رہا تھا۔ وہ گاڑی کی چابی لیے باہر دوڑا۔ سحر کے پاپا کو رنگ جاتی رہی۔ اس نے آپا کو فون کیا اور انہوں نے بمشکل راز اگلا۔

وہ سیدھا اس کے پاپا کے یہاں پہنچا۔ دروازے پر تعارف کے بعد اس نے ملازم سے سحر کا کمرہ پوچھا۔

وہ دستک دیے بنا اندر داخل ہوا تھا۔ وہ جو مسہری پر آڑی ترچھی پڑی تھی، ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ دروازے کے پاس دو بڑے بڑے بیگ رکھے تھے۔

''تم نے سوچا، میں پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لوں گا، تم اکیلی دنیا کی سیر کرو گی اور دنیا سمجھتی رہے گی، ہمارا تعلق تو کب کا ختم ہو چکا۔'' وہ دروازہ بند کر کے اس کے مقابل آیا۔

''سب کے لیے ون ون!'' سحر سنبھل کے مسکرائی۔

وہ اس کے آنے سے پہلے رو رہی تھی اور اب

www.pklibrary.com

آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ صاعد نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے اور اسے اپنی طرف کھینچنے کے بجائے دو قدم بڑھا کر خود قریب ہو کر اسے گلے لگایا۔

"ہم مل کر دنیا کی سیر کریں گے اور سب کو علم ہوگا کہ مسٹر اینڈ مسز صاعد مقصود علی ہنی مون پر گئے ہیں۔" سحر اور تیزی سے رونے لگی۔

"ہمیں سب کو چھوڑ کر، سب بھول کر کہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے گھر میں ہی خوش رہیں گے سحر!" اس کے بالوں پر ٹھوڑی رکھتے ہوئے وہ زندگی میں پہلی بار ایسا پرسکون تھا۔

☆☆☆

درخشاں نے سی پی سی کو جواب دینے کے بجائے، ان کا پرپوزل جا کر خاقان نیازی کو سنایا اور انہیں یقین دلایا کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک مضبوط امیدوار ثابت ہوں گی، تب ہی وہ ان کے پاس آئے تھے۔

آبشار والی بات، خاقان نیازی سے مخفی ہی رکھی کہ اس کی یہ کمزوری کبھی خاقان نیازی کے علم میں نہ آئے اسی میں ان سب کا فائدہ تھا۔

جس سیاست سے طارق اور پھر انہیں نفرت تھی، آخر کار اسی کا سہارا لے کر صاعد اور سحر کا مستقبل اور خوشیاں بچانی پڑیں۔

خاقان نیازی کو اس حلقے سے اپنے امیدوار کی جیت سے مطلب تھا، پھر وہ سحر ہوتی یا درخشاں۔ آبشار کا کریئر تھوڑا اور انتظار کر سکتا تھا۔ آبشار صاعد کی دھمکی کے بعد انہیں طلاق اور جھوٹے سچے الزامات سے تو کسی طرح روک لیتا، اس کے اسکول اور فاؤنڈیشن کو نہ چھیڑتا، لیکن اس مخصوص حلقے سے خاتون امیدوار کے طور پر سحر کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔

خاقان نیازی چاہتے تو کسی بھی حال میں اسے ہی امیدوار بنا کر دم لیتے۔ اس لیے ان کے سامنے سحر کا نعم البدل پیش کرنا ضروری تھا۔

اس بات کے لیے صاعد تیار نہیں تھا کہ وہ سیاست میں جائیں، مگر درخشاں نے اسے بمشکل راضی کیا تھا۔ وہ کمزور اور بزدل عورت نہیں تھیں، خود کو سنبھالنا اور اپنوں کی حفاظت کرنا وہ بھی سیکھ چکی تھیں۔ وہ دوسروں کی پسند ناپسند اور دور دور سے دیکھ کر رائے قائم کرنے کے بجائے، اپنے طریقے سے سیاست کا تجربہ کرنا چاہتی تھیں۔

روشمی انعم بھی اسپتال سنبھالنے لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆

"کیوں آپ اس ظلم سے باز نہیں آتیں؟" صاعد بڑے ادب سے کراہا تھا۔

"لگن، محنت، مستقل مزاجی، کچھ سیکھنے کی چاہ اور جانے کیا کیا..... ان سب کو ظلم کہتے آپ کو شرم نہیں آتی؟" سحر نے اسی کے انداز میں جواب دیتے ہوئے گن اس کی طرف بڑھایا۔

"اب تو مجھے تمہاری ڈگریوں پر بھی شک ہونے لگا ہے۔" اس نے گن لیتے ہوئے کہا۔

"تھیوری اور پریکٹیکل الگ چیزیں ہیں، شکر ہے میں نے سائنس نہیں پڑھی۔"

"میں بنا چکھے ورڈکٹ سنا سکتا ہوں۔" اس نے دھواں اڑاتے سیاہ سیال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" اس نے بال پیچھے کرنے کے بعد سینے پر ہاتھ باندھے۔

"بندی میں سچ سننے کا حوصلہ وافر مقدار میں ہے۔" اس نے متانت سے ذرا سا سر خم کیا۔

"اور اس بندے کا معدہ اس ٹارچر سے آزار میں ہے۔"

"کافی ٹھنڈی ہو جائے تو بھی مزہ بگڑ جاتا ہے۔" سحر نے گن کو ہاتھ لگا کر اوپر کیا۔

"مزہ ہو تو بگڑتا ہے۔"

"صاعد! آپ زبان کا ذائقہ بدل لیں یا مجھے اچھی کافی بنانا سکھا ہی دیں یا پھر....." وہ شروع ہو گئی تھی۔

یہ ہر کچھ دن بعد کی کہانی تھی اور سائیڈ میز پر سنہری لائنوں سے جڑا 'اسٹیج بوب' آج کی قسط دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

☆☆

www.pklibrary.com

تہنیت آفرین ملک

ماں جائے تو خاک برابر

وہ ادھورا مصنف تھا۔ اندرون لاہور کی تنگ گلیوں سے گزرتا، کلچے نہاری سے لطف اندوز ہوتا اور دروازوں کے آگے براجمان بوڑھی عورتوں کی جانچتی نظروں سے کتراتا وہ ہر روز ان گلیوں سے گزرتا تھا۔ منڈیروں سے اڑتے کبوتروں اور جھانکتے لوگوں کی صدائیں وہ فراموش کرنا بھی چاہتا تھا لیکن نہ کر پاتا۔ کیونکہ وہ خود کو ادھورا مصنف کہتا تھا۔ خدانخواستہ کوئی جسمانی عارضہ ہرگز نہ لاحق تھا۔ فقط اتنا ہی کہ وہ کہانیاں مکمل نہیں کر پاتا تھا۔ درد اس کے دل میں اور ہی طرح وارد ہوتا تھا اور پھر قلم لکھنے سے انکاری۔

اندرون لاہور کی گلیاں اس کے لیے شہرزاد جیسی تھیں۔ ہزار کہانیاں سناتیں۔ وہ ہر کہانی پہ کان دھرتا اور پرجوش لوٹ جاتا۔ لیکن ڈھلتی شام کا اندھیرا پھیلتے ہی لاحاصل کا کرب جاگ جاتا۔ وہ اٹھ کر چراغ کی لو بڑھانا چاہتا لیکن ناکامی اس کا مقدر بنتی۔ ادھوری کہانیاں ٹھنڈی آہ بھرتیں اور یادیوں میں کھوئے مصنف کو تکتی رہتیں۔

"ارے میاں ذرا سائیڈ ہو لے راستے میں کاہے کو کھڑا ہے۔" بھاری توند والے چچا کو شاید یوں ان کے کلچے نہاری کی دکان کے آگے کھڑا ہونا ناگوار گزرا تو ڈپٹ دیا۔

وہ گھبرا کر عینک ناک پہ جماتا مڑنے ہی لگا تھا کہ سبزی کی ٹوکری اٹھائے بوڑھی ماں سے ٹکرا گیا۔ اماں جی نے سارے لاہور کی گرمی آنکھوں میں بھر کر دیکھا تو وہ رو دینے کو ہو گیا۔ آدھے لاہوریوں کی نظریں جیسے اس پر جمی تھیں۔

"اٹھا یہ ساری سبزی اور لے کر آ میرے پیچھے پیچھے۔"

آخر ماں جی نے گھورنا موقوف کیا۔ وہ سبزیاں اٹھائے تنگ گلیوں سے گزرتا سبز رنگ کے گیٹ کے آگے رک گیا۔

"ارے رکا کاہے کو، اندر لے کر آ۔"

وہ سختی سے بولیں۔

اس نے صحن میں قدم رکھا۔ چھوٹا سا تنگ سا صحن۔

"اب کیا میں جاؤں۔" ڈری آواز میں بولا۔

"کیوں بیٹا انہیں دھوئے گا کون؟ میں بوڑھی نمانی۔ شرم کر تیری ماں اس عمر میں کام کرتی تو کیا تو برداشت کرتا؟ نہیں ناں؟ اٹھ ساری سبزی دھو کے رکھ۔"

جتنی دیر میں وہ سبزی دھوتا رہا وہ چائے بنا کر لے آئیں۔

"نہیں ماں جی میں چلتا ہوں۔"

"ارے کاہے کو، یہاں بیٹھ مجھے بتا کیوں گزرتا ہے تو روز ان گلیوں سے۔ کیا کھویا ان گلیوں میں۔" ماں جی نے گول شیشوں کی عینک صاف کر کے آنکھوں پہ لگائی۔

اس کے تو گویا ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔

"اب بول بھی۔" ماں جی نے غصے بھری آواز میں کہا وہ بھی بولنا چاہتا تھا لیکن آواز کو گلا

www.pklibrary.com

پکڑے بیٹھا تھا۔

"ماں جی! وہ میں کہانیاں لکھتا ہوں ادھوری۔ کہانی ڈھونڈ رہا ہوں۔" وہ بامشکل بول سکا۔

"پھر ادھواری کیوں چھوڑتا ہے کہانیاں؟"

"پتا نہیں۔" وہ اکتا سا گیا۔

"تو آج کل کیا موضوع ہے تیرا؟" ماں جی نے منڈیر پہ بیٹھے کبوتروں کو اڑایا تو وہ پھر کی آواز سے اڑے۔ سرما کی دھوپ نے صحن کو سنہری کر دیا تھا۔

"لاحاصل" وہ تیزی سے بولا۔

ماں جی نے مڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تو اس لیے ہیں تیری کہانیاں ادھوری..... اس پہ کیا لکھے گا تو ہاں..... اس پہ بھلا کیا بنے گی کہانی۔"

"وہ ہی تو ڈھونڈ رہا۔" وہ اداس سا ہوا۔

www.pklibrary.com

"سیدھی بات ہے پتر۔" ماں جی نے ٹانگیں چارپائی پہ رکھیں۔ "جو نہ ملے وہ حاصل اور جو مل جائے وہ لاحاصل....."

"ارے نہیں ماں جی جو نہ ملے وہ لاحاصل اور جو مل جائے وہ حاصل۔"

ماں جی نے قہقہہ لگایا۔ وہ ہنس دیا۔ بزرگ جب کھل کر ہنستے ہیں تو بہت پاکیزہ اور معصوم لگتے ہیں۔

"ہا کیسا مصنف ہوا تو۔" ماں جی نے ایسی ٹھنڈی آہ بھری کہ گویا اس کا اچھا لکھاری نہ ہونا لاہور کے لیے ناقابل تلافی نقصان تھا۔ مصنف نے برا سا منہ بنایا۔

"چل منہ نہ بنا۔ سنے گا مجھ سے ایک کہانی۔"

"ہاں جی ضرور۔"

اس نے کندھے سے بیگ اتارا اور قلم ہاتھ میں تھام کر مڑے تڑے کاغذوں کو ہاتھ سے سیدھا کرنے لگا۔

☆☆☆

"ماں ماں! آخر آپ میری بات مان کیوں نہیں لیتیں۔"

"آپ ایک دفعہ ابا سے بات تو کرو۔" آمنہ نے ماں کا کندھا ہلایا۔

"آمنہ تو کیوں میرے اور اپنے باپ کے سروں میں خاک ڈالوانا چاہتی ہے۔ دیکھ میری دھی اب یہ ممکن نہیں اگر یہ بات تیرے بھائیوں تک پہنچی تو وہ تیرے ٹکڑے کردیں گے۔" ماں نے پیار سے باغی شہزادی کو سمجھانا چاہا۔ بڑھتے سورج کی تابندگی لیے چہرے نے خفگی سے سر جھٹکا۔

"ماں! آپ خود بات کروں گی ابا سے یا میں" وہ باغی سرکش لہجے میں بولی۔

"کیا واقعی محبت انسان کو اتنا نڈر بنا دیتی ہے؟"

"کیا بات کرنی ہے تو نے ابا سے؟"

دروازے کی اوٹ میں کھڑا بھائی عین دروازے کے سامنے آیا۔ باہر سے دوسرے بھائیوں کے بھی بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

ماں کے ہاتھوں سے چاولوں کی پرات زمین پہ گری۔ وہ قیامت کی گھڑی۔ جس کا انہیں ڈر تھا کیا وہ آن پہنچی۔

"کچھ نہیں پتر! بچی ہے ضد کرتی ہے۔" ماں نے تیزی سے بیٹے کے کندھے پہ ہاتھ رکھنا چاہا لیکن اس نے جھٹک دیا۔

"مجھے اتنا بھی بھولا نہ سمجھ ماں! تیری شہزادی کا یہ لہجہ مجھے سب باور کروا رہا ہے بتا کون ہے وہ" صفوان تیزی سے اس کی سمت لپکا۔ وہ بے خوف کھڑی رہی۔

وہ عین اس کے سامنے رکا۔ معصومیت بھرا نڈر چہرہ دیکھ کر وہ ٹھہرا۔ اس کا دل پگھل سا گیا۔ شاید دنیا کے سارے بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں باہر سے سخت اور دل کے بے حد نرم۔

"میری بہن۔" صفوان نے اسے گلے سے لگانا چاہا لیکن آمنہ نے ہاتھ جھٹک دیا۔ صفوان نے دکھ سے نظریں اٹھائیں۔

"کیا کہتی ہے یہ ماں"

"رشتہ توڑنا چاہتی ہوں میں، مجھے نہیں کرنی عبدالرحمان سے شادی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"کیوں؟ فارس نے کمرے میں قدم رکھا۔ ماں کا دل دہل گیا۔

"کیوں وجہ بتا مجھے؟" فارس نے اس کا بازو تھاما۔

"اوئے ہاتھ مت اٹھانا۔" صفوان نے اس کا ہاتھ روکا جو بھی تھا چاروں کی اکلوتی لاڈلی بہن تھی جان دیتے تھے سب۔

"نہیں مجھے پوچھنے دیں وجہ بتا کون ہے وہ؟"

"احمد!" ماں کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"وہ مظہر چچا کا بیٹا، لاہور والا شرم نہیں آتی تجھے بچپن سے ہی منسوب تھی آخر امانت میں

www.pklibrary.com

خیانت کیسے کرسکتی ہو تم۔" صفوان دکھ سے بولا۔
"فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے، اب جب شادی کے دن رکھے جاچکے ہیں تو تجھے یاد آئی ہیں ساری باتیں۔" قاسم سے غصے سے بولا۔
"میں شادی کروں گی تو صرف احمد سے ورنہ خودکشی کرلوں گی۔" وہ باغی لہجے میں جھنجلا کر بولی۔
"ٹھیک ہے منتخب کر ہم سب یا وہ احمد۔" نواز خفگی سے بولا۔
"احمد" وہ بے خوف لہجے میں بولی۔
"ٹھیک ہے ماں! احمد کو پیغام بھیج دے، اس جمعہ کو بیاہ کرلے جائے لیکن۔" صفوان ایک لمحے کو ٹھہرا۔
"لیکن اس کے بعد تمہارا ہم سب سے تعلق ختم منظور؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
"منظور؟" وہ خوشی سے چہکی۔

☆☆☆

"اور جب حاصل ہو جائے تو خاک برابر۔" ماں جی نے اپنی عینک کے شیشوں کو صاف کیا۔ اور پھر میں بڑے مان سے بیاہ کر آئی احمد کے ساتھ۔"
"تم میری زندگی کا حاصل ہو آمنہ تم واجب محبت ہو۔" احمد نے محبت سے اس کو تھاما۔
"مجھے ماں جی بہت یاد آرہی ہیں۔" دکھ اس کے لہجے میں تھا۔
"مت غم کرو میری محبت سب بھلا دے گی۔"
لیکن آہ وقت کے ساتھ وہ اسے بھی بھول گیا۔ وہ محبت کا دعوے دار یوں بدلا کہ وہ حیران رہ گئی۔
وہ جو میرا ہر غم بھلانا چاہتا تھا وہ وقت کے ساتھ مجھے بھی بھول گیا۔
"اور جب حاصل ہو جائے تو قدر کون کرتا۔ چلا گیا چھوڑ کر اور میں اس گھر میں اکیلی رہ گئی۔" ماحول پر سوگواریت چھا گئی۔
"پتر! چکور دیکھا ہے کبھی تو نے چاند کی سمت لپکتا؟" ماں جی نے پوچھا۔
"دیکھا ضرور ہے لیکن چاند کی سمت لپکتا نہیں۔" وہ مصنوعی ہنسی ہنسا، ماحول کی سنجیدگی ختم کرنے کے لیے۔
"راز بتاؤں، یہی حاصل ہے کہ وہ چاند کی سمت جانا۔ محبت کی سمت نئی اڑان...... ہر روز نئے ارادے کے ساتھ نئی چاہت لے کر لیکن راستے میں ہی اس کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں۔ وہ تھک جاتا ہے اور جسم کے بال اکھڑنے لگتے ہیں لیکن وہ مسلسل چاند پہ نظر جمائے اڑتا ہے اور...... آخر کار۔" وہ ایک لمحے کو ٹھہری۔
"آخر کار مر جاتا ہے محبت دل میں بسائے۔ دل میں رہنا ہی تو اصل حاصل ہے ساتھ رہنا تو لاحاصل ہے۔"
"ہاں ماں، بالکل ایسا ہی ہے تو ہے۔" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔
"اگر چکور چاند پہ جائے تو کیا ہوگا اس کا سانس رک جائے گا۔ چکور چاند کو بے وفا سمجھے گا حالانکہ اس میں قصور ہرگز چاند کا نہیں، بس اس کے پاس آکسیجن نہیں۔ مرتو جائے گا لیکن دل میں محبت نہ ہوگی تو یہ کیسا حاصل ہوا۔"
"سمجھ گیا۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔
"اب جاؤ اور جا کر مکمل کرو کہانی کو۔"
مصنف مسکرایا اور مضبوط قدموں سے اٹھا اور اندرون شہر کی گلیوں سے گزرتا ہوا کالے بھاری گیٹ کے سامنے رکا لیکن مڑے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ سمجھ چکا تھا لاحاصل ہی حاصل ہے، محبت دل میں رہے یہ ہی حاصل ہے۔
بوڑھی کی جانچتی نظروں پہ مسکراتا وہ ہر لمحہ دور ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆

www.pklibrary.com

شبانہ اسلم

تماشا ہے دل

ہوا ساکن، فضا ساکن، روح مردہ، دل مردہ، بے کفن لاشہ، وحشی نگاہیں وجود پہ اک جمود سا طاری کیے وہ کنویں کے سرے پہ جا کھڑا ہوا۔ پانی کی اوپری سطح پر اس کے عکس پہ ایک اور عکس ابھرا تھا۔

"سلونی۔" لبوں سے سرسراہٹ نکلی۔

"ہاں۔ میں ہی ہوں سلونی۔ تیری سلونی سانوریا۔"

وہ درد بھری مسکان سے بولی۔

"کہاں کھو گئی تھی تو سلونی؟ تجھے کتنا ڈھونڈا میں نے۔" وہ بے قرار سا ہوا۔

"تو نے ہی تو اپنے ہاتھوں گنوایا تھا تو پھر اب ڈھنڈیا کیسی رے۔" اس کے چہرے پر زمانے بھر کا حزن طاری ہوا۔

"نہیں ری تو تو زندگانی ہے میری....."

"زندگانی کو بھلا کون موت کے حوالے کرے ہے دلبر۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا ری پگلی! تو بھول جا سب باتیں اور آ لگ میرے سینے سے اور اس جدائی کی تپش کو ٹھنڈا کر دے۔ تیرے گلے لگانے سے میرے سارے ملال دھل جاویں گے پیاری۔"

"ہاں میں تو تیرے پاس ہی ہوں۔ لے تھام لے۔" اس نے سلونی کلائی اس کی طرف بڑھائی۔

"ہاں تو ہمیشہ سے میری ہے، جانتا ہوں۔ کیا تو نے مجھے معاف کر دیا؟ میں تیرا احسان مند ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"معاف کرنا تو نہیں تھا پر ہماری اولاد کی خاطر۔ جسے تو نے میرے ساتھ ہی موت کی وادی میں دھکیل دیا۔"

سلونی کا چہرہ وحشت ناک ہو گیا۔

"نہیں نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تجھے غلط فہمی ہو گئی ہے پگلی۔"

"پگلی ہی تو تھی جو تیرے اندر کے کنڈلی مارے ناگ کو نہ پہچان سکی جو کب سے پھن پھیلاوے میرے کو ڈسنے کو تیار بیٹھا تھا۔ تو میرا تو دشمن بن ہی گیا تھا پر میرے کو یہ نہیں پتا تھا کہ تیرے اندر کا ناگ اپنے ہی انڈے بھی نگل ڈالے گا۔"

"کہا نا ایسا مت سوچ۔ تیرا وہم ہے سلونی! بخشو صرف تیرا ہے۔ اور تو میری۔ اور بھلا اپنی اولاد کو بھی کوئی مارتا ہے۔" وہ صفائیاں دیتے ہوئے اسے بازو کے شکنجے میں جکڑنے لگا۔

"جھوٹ مت بولو جھوٹے آدمی۔" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"نہیں میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" اس نے سچ کو لہجے کی غراہٹ سے دبانے کی کوشش کی۔

"تو انسان نہیں ہے۔ درندہ ہے ظالم ہے وحشی ہے قاتل بھی ہے۔" وہ اپنا آپ چھڑاتے ہوئے بولی۔ اس کوشش میں اس کا سانس پھولنے لگا۔

مگر اس نے ہمت کر کے خود کو سنبھالا اور زمین پر تھوک کر مزید کہا:

"اور اب دکھاوا نہ کر بے اعتبار کہیں کے۔ تو

www.pklibrary.com

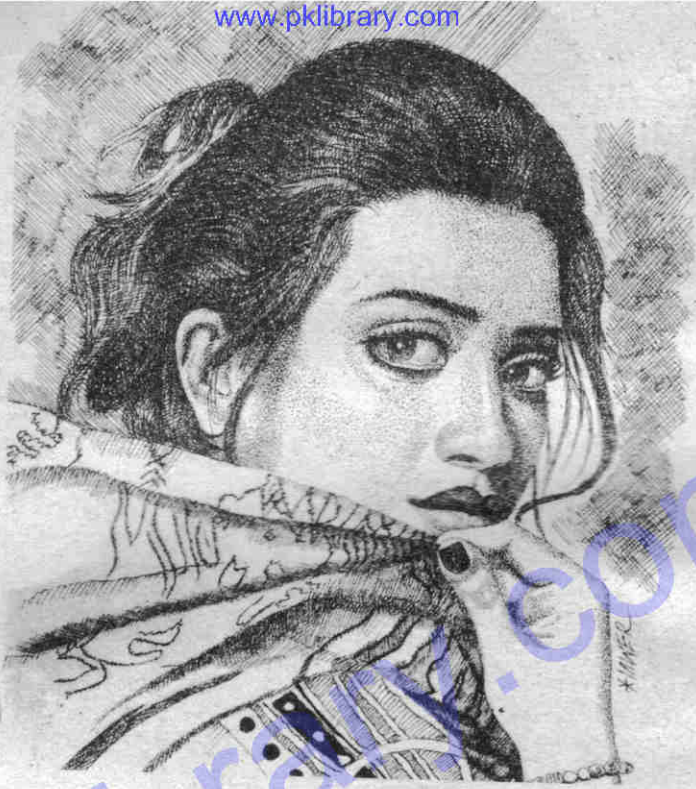

نے مارا تھا مجھے اور اس معصوم کو بھی۔" ۔وہ پیٹ پہ ہاتھ رکھ کر چلائی

"ہاں میں نے ہی مارا تھا۔لیکن تو پھر سے کیسے لوٹ آئی؟ رسلی کو پتا چلا تو وہ تو میرا جینا دوبھر کر دے گی۔نہیں تو میری سکھ بھری زندگی میں نہیں لوٹ سکتی ہرگز نہیں۔" اس کے چہرے سے شیطانیت ٹپکنے لگی۔

سلونی قہقہے لگانے لگی،اس نے اس پر گرفت ڈھیلی کی اور ایک زور کا دھکا دے کر اسے کنویں میں گرادیا ایک بھیانک چیخ گونجی اور چھپاک کی آواز کنویں کی دیواروں سے منڈیر تک گونجتی چلی آئی۔وہ ہاتھ پاؤں چلا کر اسے مدد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر وہ طنزیہ مسکراہٹ لیے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

وہ اسے غوطے کھاتا دیکھتا رہا اور لطف لیتا رہا۔بے رحم موت کا کھیل کچھ ثانیے جاری رہا۔

زندگی کی بجھی بجھی سانسوں نے موت سے جنگ جاری رکھتے ہوئے خود کو بچانے کی بھتیری کوشش کی۔وہ سطح آب پر ڈوبتی ابھرتی رہی اور غوطے کھاتی رہی۔

کنویں کی اندرونی سطح پہ تلاطم سا برپا تھا۔پانی ہچکولے کھاتا دیواروں سے ٹکراتا اور پھر بقا کی جدوجہد کرتے وجود سے واپس جاملتا۔

توانائی کم ہونے لگی۔اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور اک زخم خوردہ سی نگاہ اس مجسم بیوفائی پہ ڈالے وہ غرقاب ہو گئی جو کنویں کی منڈیر پہ کھڑا اس آخری تماشے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"شکر ہے بلا ٹلی۔" اس نے ہاتھ جھاڑے اور کنویں پہ اک الوداعی نظر ڈالی۔

"ہیں یہ کیا؟ یہ دوپٹہ سلونی کا تو نہیں ہے۔"

www.pklibrary.com

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے پانی میں پڑے اوندھے وجود کو بغور دیکھا۔

"رسیلی۔"

وہ تڑپ کر چیخا اور لڑکھڑاتا ہوا کنویں سے پرے گر گیا۔ اس نے اپنی گالوں پہ ہاتھ رکھ کر خوف زدگی سے اطراف میں دیکھا اس کی نظر کچھ فاصلے پہ موجود اس چھابے پر پڑی جس میں شاید رسیلی اس کے لیے مکئی کی روٹی اور ساگ لے کر آئی تھی کہ دونوں مل کر کھائیں گے۔ مگر اس کے نصیب میں لقمہ زندگی اور نہ تھا کہ وہ اب خود لقمہ اجل بن چکی تھی۔

"یہ سب کیسے ہو گیا؟ یہ۔ ی۔ ہ۔ یہ کیا کر دیا میں نے؟"

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور بار بار اپنا دل تھام رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے عجیب سی وحشت ٹپکنے لگی تھی۔ یادوں کی آندھی چلی اور وہ ماضی کے کنویں میں غوطہ زن ہو گیا۔

"سلونی۔۔۔؟"

اس نے شہد آگیں لہجے میں پکارا۔

"جی سانوریا۔" وہ نرمی سے بولی۔

"مجھے تجھ سے بہت پیار ہے ری۔"

وہ اس کے ہاتھ تھامے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔

"جانتی ہوں میں۔" وہ شرمائی۔

"اتنا پیار کہ کسی اور کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔"

وہ اس کی شریر لٹوں کو انگلیوں پہ لپیٹتے ہوئے بولا۔

"یہ بھی جانتی ہوں اور اب تو تیری پریت میں اور بھی اضافہ ہونے والا ہے۔" مسکائی شرمائی۔

"اچھا وہ کیسے؟" وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ہماری اولاد..... ہاں سانوریا ہماری اولاد آنے والی ہے۔" وہ دوپٹے کا کونا منہ میں دابے لجا کر بولی۔

"کیا؟"

حیرت و استعجاب سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اب اسے احساس ہوا۔ اس کے چھریرے بدن میں کچھ تبدیلیاں واضح نظر آرہی تھیں۔ جس پہ اس سے پہلے بختو کا دھیان بھی نہیں گیا تھا۔

"کیوں تمہیں باپ بننے کی خوشی نہیں ہے بختو؟" وہ حیرت و استعجاب سے تکتے ہوئے بولی۔

"نن۔ نن۔ نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے بولا۔

"جانتی ہوں میں۔ تیرے کو تو میرے سے زیادہ ہی خوشی ہوگی۔ آخر کو تو باپ بننے جا رہا ہے پہلی دفعہ۔"

وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

"ہاں سلونی۔" وہ پھیکی سی ہنسی سے بولا، جسے سلونی اپنی شادمانی میں دیکھ ہی نہ سکی۔

☆☆☆

"ہم شادی کب کر رہے ہیں۔" رسیلی نے بختو کے گلے کا ہار بنتے ہوئے لاڈ سے پوچھا۔

"رسیلی میں اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ اس کے بازو ہٹا کر نرمی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" تیکھے چتونوں سے جواب طلبی ہوئی۔

"مطلب کہ میں سلونی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ اس میں رد کیے جانے لائق کوئی بات نہیں ہے۔ گنی ہے خوب صورت ہے، تابع فرمان بھی ہے اور سب سے اہم بات اب وہ ماں بننے والی ہے۔" بختو نے صاف گوئی سے کہا۔

"مجھ سے دل اوب گیا ہے نا۔ تب ہی تو تم یہ بودے سے جواز گھڑ رہے ہو۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"رسیلی۔ سمجھنے کی کوشش کرو میں خود پریشان ہوں۔ اسے چھوڑنا بھی آسان نہیں اور تمہیں پانا بھی۔" وہ مغموم لہجے میں بولا۔

"مار دو اسے بختو۔" وہ ہذیانی انداز سے چلائی۔

"کیا کہہ رہی ہے؟" اس کے پسینے چھوٹنے لگے۔

www.pklibrary.com

''نہیں تو مجھے مار دے۔'' ریلی نے ایک دم اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے گلے کے گرد رکھ کر دبائے تھے۔

''میں بھلا اپنی زندگی کو کیسے مار سکتا ہوں؟ بات نہ کر مجھ سے۔''

وہ برہم سے انداز میں کہتے ہوئے رخ موڑ گیا۔

''تو پھر اس زندگی کو بحال رکھنے کے لیے اس موئی زندگی کا خاتمہ ضروری ہے۔'' وہ کیا جتانا چاہ رہی تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

''ٹھیک ہے ریلی۔ تیری خاطر یہ بھی سہی۔''

وہ حتمی انداز میں بولا تھا۔

☆☆☆

سلونی نے گنگناتے ہوئے نین کٹوروں کو کجلے سے بھرا۔ عطر کی شیشی پکڑ کر چھوٹی انگلی سے عطر انڈیلا اور کان کے پیچھے لگایا، سرخ رنگ کی لپ اسٹک سے ہونٹوں کو سجایا گیا اور پھر چنی کو سلیقے سے اوڑھتے ہوئے چھپایا اور دوسرے ہاتھ سے چھاج کی گڑوی پکڑی۔ اب وہ بختو کے لیے دوپہر کا کھانا لے جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

''بختو تو آج میرا اور بھی دیوانہ ہو جائے گا۔'' وہ الوداعی نظر سنگھار میز کے شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے اترا کر بولی۔

''ہائے اور با۔'' اسے ایک دم لجا سی آئی۔

وہ شیشے سے پرے ہٹ گئی اور دروازے سے باہر نکل آئی اب اس کا رخ کھیتوں کی طرف تھا جہاں اس کے من کا میت کھانے کا منتظر تھا۔ بختو شاید کام کر کے وقفہ لینے لگا تھا۔ اس نے پگ اتاری، گارے سے سنے جوتے اتارے اور کنویں کی منڈیر پر جا پہنچا۔ ابھی اس نے ڈول نیچے کیا ہی تھا کہ سلونی کی جھلک دکھائی دی۔ اس کا جی مکدر ہو گیا۔ اس نے دانستہ رخ موڑے رکھا اور یوں ظاہر کیا جیسے اسے سلونی آتے ہوئے دکھائی نہیں دی۔

سلونی جان دار سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے قریب آن پہنچی تھی۔

''بختو۔ ارے او بختو۔'' سلونی والہانہ انداز سے پکارتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ اور ہی ہے۔ بختو نے سلونی سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں اور آج قدرت نے اس کے گھناؤنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پورا پورا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''بختو۔''

''ہاں۔'' اس کے دوبارہ پکارنے پر وہ چونکا اور پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاتھ منہ دھو کے کھانا کھا لے پھر بیٹھ کر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔'' وہ شرمگیں مسکراہٹ سے بولی۔

بختو نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ سلونی پہ الوہی سا روپ آیا ہوا تھا۔

''کس بارے میں؟'' بے ساختہ منہ سے نکلا۔

''اپنے آنے والے بچے کے بارے میں اور کس بارے میں۔'' سلونی کو اس کے کھوئے کھوئے لہجے سے الجھن ہوئی۔

''ب۔ بب...... بچے کے بارے میں۔'' وہ پریشان ہوا۔

''سلونی! مجھے تیرے کو اک بات بتانی ہے۔'' وہ پراسرار انداز اپناتے ہوئے بولا۔

''کون سی بات؟'' سلونی نے چونک کر بختو کو دیکھا اور اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

''وہ دیکھ۔'' اس نے کنویں کی منڈیر سے اندر کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا؟'' وہ تھوڑا سا جھکی اور پھر بختو نے ایک لمحے کی بھی دیر نہ لگائی اور اس زور کا دھکا سلونی کو دیا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور کنویں میں گر گئی۔

''بختو۔''

وہ شدید غصے اور نفرت بھری آواز میں چلائی تھی۔

www.pklibrary.com

"یہ کر دیا تو نے بدبخت۔ یہ کیسا مذاق ہے۔ نکال مجھے یہاں سے۔"

لیکن وہ خاموش طنزیہ نگاہیں اس پہ جمائے کھڑا رہا۔

"بختو۔" اس کی آنکھوں میں غم و غصے کی لہر دوڑی۔

"میرا نہیں تو اپنے بچے کا ہی کچھ خیال کر لیتا۔"

وہ پانی میں ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔" وہ قطعیت سے بولا۔

اگر تجھے زندہ چھوڑ دیا تو رسیلی مر جائے گی اور وہ میری زندگی ہے۔" وہ اس کے غوطے کھانے کے نظارے سے لطف اندوز ہونے لگا۔

ڈوبتی ابھرتی کیفیت میں کپکپاتے لبوں سے لرزتی ہوئی بددعا نکلی:

"وہ بھی ایسے ہی مرے گی۔ تیرا دل اس کی طرف جھک گیا ناں۔ تماشا بنا دیا تو نے محبت کو۔ پہلے میرے دل سے کھیلا پھر اب تیرا دل رسیلی کی طرف جھک گیا ہے۔ اس تماشائے دل کے ہاتھوں..... وہ بھی ایسے ہی مرے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے پھولتے دم سے سطح آب پر ہاتھ پاؤں مارے، اک الوداعی نگاہ بختو پہ ڈالی اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ لاحاصل قوت مدافعت کا کیا فائدہ تھا۔

"ہونہہ آئی بڑی مست ملنگنی۔"

وہ حقارت سے کہہ کر پیچھے ہٹ گیا۔

☆☆☆

گوریوں کی کلائیوں کی چوڑیاں کھنکیں اور پازیب کی جھنکار سے کھلا کہ نسوانی چال اس کے عقب سے ہی بلند ہو کر قریب آتی جا رہی ہے۔ اس نے پیچھے مڑے بغیر ہی پرکھ لیا کہ گاؤں کی گوریاں پانی بھرنے آ پہنچی ہیں۔ وہ ایک دم سے مڑا تھا۔

چنری کا پلو منہ میں دابے مٹک کر چلتی نیناں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ پانی یوں آنکھوں میں بھر آیا تھا جیسے سخت جلن سے اس کے دیدے دھندلا گئے ہوں۔

"نیناں۔ میری بہن۔ تو نے دیکھا تھا کیسے میں سلونی کی موت پہ رویا تھا۔ کیسا تڑپا تھا ری کیسا لوٹا تھا زمین پہ۔ کیسے لپٹا تھا اس کی کھاٹ سے۔ پگلی اس وقت تو بھی نہ جان سکی۔ کوئی بھی نہ جان سکا۔ ہاہاہاہا۔ کوئی نہ جان سکا۔ سب ناٹک تھا۔ سب ناٹک تھا۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔"

اس نے سوتے شعور پر جنون کے بید مارنے شروع کیے تو سچ خود بختو اس کی زبان پہ چلا آیا جسے وہاں موجود سب نے سنا تھا۔ اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی اور فلک شگاف نعرے اور قہقہے پورے گاؤں میں سنائی دینے لگے۔ گوریوں کے کولہوں پر ٹکے خالی گھڑے نیچے گر کر ٹوٹ گئے اور وہ ٹھیکریاں روندتی واپس بھاگ گھڑی ہوئیں۔

اس نے قہقہوں کے درمیان میں ہی دھاڑیں مارنا شروع کر دی تھیں۔ آہ و بکا کے انداز میں چہرہ پیٹتے پیٹتے وہ ایک دم چپ ہوا اور گاؤں کے لوگوں کو بھاگ کر اپنی طرف آتے دیکھتے ہوئے ابھی تک وہیں پر کھڑی نیناں کی طرف آیا۔

"شش" اس نے جنون خیزی سے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھی اور نیناں کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر بولا:

"کسی کو بتانا مت۔ رسیلی کو بھی میں نے سلونی کی طرح کنویں میں دھکا دے کر مار دیا ہے۔ مار دیا ہے۔"

وہ تماشائے دل کا تماشہ گر اپنے جنوں میں رقص کرنے لگا اور گاؤں کے لوگ تنتناتے ہوئے اس کی طرف لپکے تھے۔

"فکر نہ کر۔ تو نے بھی میرے پاس ہی آنا ہے۔" نادیدہ سلونی کی واضح آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ گاؤں والوں کی لاٹھیوں اور لاتوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆

www.pklibrary.com

دسویں قسط

مکمل ناول

صوفیہ بٹ

احد

pklibrary.com

www.pklibrary.com

"دیگ والے چاول کھا رہا ہوں..... کرارے ..... ٹانگ کی بوٹی رکھ کر..... دیسی مرغی نہیں ہے۔"
اس نے ٹیکسٹ کیا۔ اور ریپلائی کا انتظار کرنے لگا۔ چوہدری نگر سے کیا گیا میسج کبھی تو فوراً پہنچ جاتا، کبھی کچھ دیر بعد۔ یہ بھی غنیمت ہے، کال کی طرح اس کے لیے اونچی جگہ نہیں جانا پڑتا تھا۔ مگر مومنہ کو پیغام بھیجنے کے بعد جواب کا انتظار مشکل لگتا تھا۔
"ہمایوں کتنے کمینے ہو تم ..... کل سے بھوکی ہوں۔ میس کا کھانا دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا۔ اس وقت تو ماں کے ہاتھ کے پکے ہوئے آلو بینگن بھی کھا لوں میں..... تم دیگی چاولوں کی بات کر رہے ہو۔"
چھ بار موبائل دیکھا تو اس کا جواب آیا۔ وہ ہنس دیا۔
"مزے کے ہیں؟" دوسرا میسج فوراً آیا تھا۔
"بو۔و۔و۔و۔ہت۔"
"کھاؤ مرو....." اس کا ریپلائی آیا تو وہ ہنستے ہوئے دیگ کے پاس آیا۔
"فخرے..... ایک ٹرے میں تین چار پلیٹ چاول الگ سے نکال دو۔ بوٹیاں ذرا اچھی سی ڈالنا۔"
ہدایات دے کر اس کی انگلیاں پھر کی پیڈ پر چلنے لگیں۔
"وین والے کو ایک شاپر دوں گا۔ وہ لے کر مومنہ کو پہنچا دینا۔ آج ہی..... یاد سے..... چاول ہیں خراب نہ ہو جائیں۔"
اسود کو ٹیکسٹ کیا۔ اور فخرے کی طرف متوجہ ہو کر مومنہ کی پسند کی بوٹیاں ڈلوانے لگا۔

☆☆☆

"ہیپی ہولی۔" روم نمبر فورٹین کی شانہ نے اسے وش کیا تو وہ مسکرا بھی نہ سکی۔ "سچی میرا بھی بڑا دل چاہتا ہے ہولی منانے کو..... کتنا اچھا لگتا ہے ناں کلرز، میوزک، فن مستی..... ہمارے ڈپارٹمنٹ میں بھی کل ہولی کھیلی گئی مگر افسوس میں گھر گئی ہوئی تھی۔"
وہ شاید اور بھی کچھ بات کرتی مگر احتل ایکسکیوز کر کے وہاں سے ہٹ گئی۔
"بہت پراؤڈی ہے۔" روم فورٹین کی شانہ نے اس کی کالے بالوں کی لمبی چوٹی کو گھورتے ہوئے سوچا۔ "پیسے والی ہے ناں اس لیے۔ سنا ہے روم میں فریج بھی ہے، واٹر ڈسپنسر بھی ہے۔ لکی ہیں بھئی اس کی روم میٹس تو..... مگر پتا نہیں انہیں اپنی چیزیں استعمال کرنے دیتی بھی ہوں گی یا نہیں۔"
اس کی سوچ سے بے خبر احتل کے لیے یہ بڑی اچنبھے کی بات تھی کہ یونیورسٹی کے کئی ڈپارٹمنٹس میں ہولی منائی جاتی ہے۔ اور مسلم طلبا بھی بڑے جوش خروش کے ساتھ اس تہوار کو مناتے ہیں۔ ایک دوسرے کو پکڑ پکڑ کر رنگوں میں نہلاتے ہیں۔ دیسی ولایتی میوزک پہ ناچتے ہیں۔ ایک دوسرے کو گریٹ کرتے ہیں۔ تصویریں بنائی جاتی ہیں اور ہیش ٹیگ ہیپی ہولی کے ساتھ فخریہ اپ لوڈ بھی کی جاتی ہیں۔ سیاست دان بھی کفار کے مذہبی تہواروں پہ ہونے والی تقاریب میں شامل ہو کر سیاست چمکاتے ہیں۔ ہاسٹل میں بھی لڑکیوں کے منہ پہ آج "ہولی ہولی" تھا۔ شاید یہ بھائی چارے اور محبت کی کوئی مثال تھی مگر اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
اس سال بھی میشوری پیلس میں بڑے پیمانے پہ ہولی منائی گئی تھی۔ اس سال بھی اس کے کان میں ایک ہی کلمہ گونجتا رہا تھا۔
مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ
اس کے اندر بے چینی بھرتی رہی تھی۔ اسے اکساتے تھے کہ وہ انہیں ڈھا دے۔ ان پہ بلڈوزر چلا دے۔
بس یہ من کی اکساہٹ تھی، ورنہ تھی اس میں اتنی ہمت اتنی جرات؟
نہیں..... بزدل تھی وہ بہت۔
"رباب..... یار تم ناں بھابی بن کر ذرا مزے کی نہیں رہی ہو۔" مومنہ کی آواز کان میں پڑی تو وہ چونکی۔ مڑ کر دیکھا تو وہ اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر رکی۔

www.pklibrary.com

''اچھا...... ٹھیک ہے۔ سلیمانہ کی شادی پہ اب زیادہ دن کے لیے آ جانا۔۔۔ نہیں نہیں تمہاری نہیں حاشر کی یاد آ رہی ہے۔'' ساتھ ہی اس نے اعتل کو آنکھ ماری۔ وہ مسکرا دی۔

''اچھا ٹھیک ہے...... میں ذرا درگا سے مل لوں بھئی...... اعتل...... او کے اللہ حافظ۔''

موبائل کان سے ہٹا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اب ہاسٹل میں تمہیں درگا کہنا پڑتا ہے تو وہی منہ پہ چڑھ گیا ہے۔ اس دن ماں کے سامنے بھی کہہ بیٹھی۔ ماں کے ایکسپریشنز ایک دم چینج ہو گئے۔''

''اس میں تمہارا قصور نہیں۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''ہیپی ہولی درگا......'' سامنے سے جو دو لڑکیاں چلی آ رہی تھیں، ان میں سے ایک نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

''ہندو لڑکیوں سے یک جہتی۔ شو کرنے کے لیے ہاسٹل میں بھی ہولی منا رہے ہیں کل۔ آج چندہ مانگنے آئی تھیں دو لڑکیاں۔'' مومنہ نے اسے بتایا۔

اس نے تاسف سے سر ہلایا۔

کیا پیار محبت اخوت بھائی چارے کے اظہار کے لیے یہ ضروری تھا؟

اسے جواب نہ ملا تو سر جھٹک کر مومنہ کے موبائل میں حاشر کی نئی تصویر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

سلیمانہ کا مایوں تھا کل اور مومنہ ہاسٹل میں بیٹھی تھی۔ بدین سے فون بار بار آ رہے تھے۔

نہیں نہیں...... وجہ مومنہ کی محبت نہیں، وہ حیدرآبادی چوڑیاں تھیں جو شاپنگ کے دوران رہ گئی تھیں اور مومنہ نے بعد میں خریدی تھیں۔ اب لڑکیوں کی کلائیاں بھلا اچھی لگتی ہیں مایوں مہندی میں بنا چوڑیوں کے۔

''تم لوگوں کو اپنی چوڑیوں کی پڑی ہے بس۔ میری پرواہ ہی نہیں۔ میری کمی ہی کسی کو محسوس نہیں ہو رہی۔'' چوتھی بار جب شاہانہ کا فون آیا تو وہ روہانسی ہو گئی۔ پھوپھو فردوس نے اپنے پوتے کا عقیقہ بھی اس کے بغیر کر لیا تھا۔ اس کے مڈٹرمز تھے ان دنوں۔

''تمہیں ہی بڑا شوق تھا اعلا تعلیم حاصل کرنے کا...... اب مس تو کرو گی بہت سے موقعے۔''

شاہانہ کا انداز شاہانہ تھا۔ کہہ ویسے وہ سچ رہی تھی۔ اسٹوڈنٹس کو ایسی قربانیاں دینی پڑتی ہیں خاص طور پر ہاسٹل میں رہنے والے طلبا کو۔

''مروسب...... میں نے بھی نہیں آنا شادی پہ اب۔''

''یہ دھمکیاں ہمایوں پہ چلتی ہیں۔'' مہرتاب ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''دیکھو چوڑیاں ضرور بھیج دینا۔'' دلہن کی آواز بھی کہیں سے ابھری۔ کمینیوں نے اسپیکر آن کیا ہوا تھا۔

''دفع ہو سب۔''

اس نے کال ختم کی اور اسود کا نمبر ملایا۔ مومنہ کو اس کے ساتھ جانا تھا گھر اور اسے فرصت مل نہیں رہی تھی۔ اس نے تو کل بڑے آرام سے کہہ دیا تھا کہ چلیں گے ناں مہندی والے دن۔ حد ہی ہو گئی ناں یہ تو۔

''بھائی! میں عبیرہ کے ساتھ بدین چلی جاؤں۔''

اسود جو اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے ٹیوشن کے ایک بچے کے نوٹس پہ نظر ڈال رہا تھا، سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''عبیرہ کے ساتھ بدین...... کیوں؟''

''کیونکہ آپ نے اس ویک اینڈ جانے سے منع کر دیا اور میں نے شاہانہ کے مایوں میں جانا ہے۔''

اسود تو کزن کا مایوں، مہندی، ڈھولکی مس کر سکتا تھا مگر وہ نہیں۔

''نہیں...... کسی کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ہمایوں سے کہتا ہوں۔''

www.pklibrary.com

"وہ نواب زادہ بڑی بہت ہے۔ شادی کے سارے انتظامات کر رہا ہے۔ عبیرہ مل کے جی ایم کی بیٹی ہے۔ سارا شہر اسے جانتا ہے۔ اس کے ساتھ جانے میں کیا حرج ہے..... ورنہ پھر میں احتل سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ اپنی گاڑی سے مجھے گھر بھیج دے۔"

"نہیں یہ مناسب نہیں۔"

"بھائی پھر عبیرہ کے ساتھ جانے دیں۔ آپ جانتے تو ہیں ان کی فیملی کو۔"

"چلو میں دیکھتا ہوں..... اگر جا سکا تو تمہیں چھوڑ آؤں گا۔ ورنہ پھر بتاتا ہوں۔"

اسود متامل تھا مومنہ کو یوں کسی کے ساتھ بھیجنے میں۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ پھر ابو نے بھی غصہ کرنا تھا۔ ٹیوشن والے بچوں کے ایگزامز تھے۔ انہیں وقت دینا ضروری تھا۔ اس کا ارادہ صرف شادی پہ جانے کا تھا۔ مگر مومنہ کو چھوڑنے کے لیے اسے خود ہی جانا پڑا۔

"تم جب چاہے چوہدری نگر جا سکتے ہو، بدین جا سکتے ہو۔ مگر جاتے نہیں ہو۔ مجھ سے تو کوئی وہاں جانے کو کہے ہر مصروفیت ترک کر کے ہوا کے دوش وہاں پہنچ جاؤں۔" ملیر سے بچھڑی ماروی نے اس شام اسے حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ کچھ بول نہ پایا تھا۔

"سب کی شادی مس کر رہی ہوں میں..... لیکن یاد رکھو اسود..... تمہاری شادی میں مجھے ضرور آنا ہے۔ بھلے بھاؤ بعد میں میری ٹانگیں کاٹ دیں۔"

وہ دھیرے سے ہنسا۔

"تمہارے بنا میری شادی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔" اس نے آستین موڑتے ہوئے کہا۔ مومنہ نے بہت غور سے بھائی کی طرف دیکھا۔ پھر مسکراہٹ روکنے میں ناکام ہوتے ہوئے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ہاں..... کر کے دکھانا میرے بنا شادی۔" وہ اس کے لہجے کی گہرائی کو محسوس کیے بنا کہہ رہی تھی۔ اسود نے اس کی طرف دیکھا۔

ہلکے پیلے رنگ کے لباس میں وہ بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ جب اتنے سالوں بعد پہلی بار اس نے اسے دیکھا تھا تو بہت مرجھائی ہوئی تھی۔

"ہی ہی ہی....." مومنہ کو پتا نہیں کیوں ہنسی آ رہی تھی۔

اسود نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں شرارت محسوس کر کے بہتر جانا کہ اب نکلنا چاہیے۔ اس نے قطار میں لگے رکشوں میں سے آگے والے کو اشارہ کیا۔

"اے احتل..... اگر اپنے بھاؤ سے ٹانگیں کٹوانے کا حوصلہ ہے تو ابھی کیوں نہیں چلتیں ہمارے ساتھ..... سچ اتنا مزا آئے گا۔" شادی پہ چلنے کا اصرار وہ کئی دن سے کر رہی تھی، جاتے جاتے پھر رکی۔

"نہیں..... اسود کی شادی مجھے اپنی ٹانگوں پہ چل کر اٹینڈ کرنی ہے۔" اس نے اداسی کی لہر محسوس کرنے کے باوجود بشاش لہجے میں کہنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے رکشہ کی جانب دھکیلا۔

وہ دونوں چلے گئے اور احتل وہیں کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی جب تک رکشہ بڑی سڑک پر جا کر نگاہ سے اوجھل نہ ہو گیا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی آنکھوں کو بھیگنے سے نہ بچا پائی تھی۔ اگر ماں اس کے آنے کے ساتھ "ممی کی اجازت" سے مشروط نہ کرتیں تو کتنا آسان ہوتا اس کا ان کے ساتھ ہی رکشہ میں بیٹھ جانا۔

☆☆☆

"تو فاطمہ اب تم اسکائپ پہ آ جاؤ اور ہمیں بتاؤ کہ ہم کیسی لگ رہی ہیں؟" مومنہ نے میسج بھیجا اور آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"ویسے فاطمہ کے بتانے کی ضرورت نہیں..... آئینہ ہی کہہ رہا ہے کہ میں کتنی حسین لگ رہی ہوں۔" اس نے ہر زاویے کے ساتھ خود کو دیکھتے ہوئے اپنی تعریف کی۔

www.pklibrary.com

''دلہن میں ہوں ..... میری تعریف کا وقت ہے۔ خود کو دیکھتی رہو تم سب۔'' سلیمانہ نے بیوٹیشن کی آڑ میں سے اسے گھورا۔

یعنی کہ دلہن کو لفٹ ہی نہیں .....'' شاہانہ اپنی ایک کزن سے ہیر اسٹائل بنوانے میں لگی ہوئی تھی۔ حدیقہ میک اپ کر رہی تھی۔ مہرتاب کو ہیل والے سنہری جوتے کاٹ رہے تھے، اس کا اپنا رونا تھا۔ مومنہ بی بی خود ستائشی میں مبتلا تھیں۔

''دیں گے ..... تمہیں بھی وقت دیں گے۔ جب تمہارے ساتھ تصویر بنوانی ہوگی۔'' مومنہ نے آئینے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

فاطمہ نے اسکائپ کیا تو آب دیدہ ہوگئی اور لڑکیوں کو بھی جذباتی کر دیا۔ سب جو ابھی زور و شور سے تیار ہو رہی تھیں۔ ایک سے ایک عمدہ ڈائیلاگ بولنے کو سامنے آ رہی تھیں۔

''تمہارے بنا عراجی نہیں آ رہا۔'' یہ مہرتاب بی بی تھیں۔

''کل مہندی پہ بھی تمہیں بہت مس کیا۔'' آنسہ شاہانہ بھی پیش پیش تھیں۔

سلیمانہ بھی ایک بھرپور قسم کا جملہ بولنے کا ارادہ رکھتی تھی مگر بیوٹیشن کے موڈ نے اس کا منہ بند رکھا۔

''ڈرامے بازیاں دیکھ رہی ہو ان کی ..... یقین نہ کرنا۔'' مومنہ آنکھ میں آیا آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ فاطمہ مسکرا دی۔

''تصویریں جلدی بھیج دینا۔ ابھی تم لوگوں نے مہندی کی بھی نہیں بھیجیں۔

''ہاں ..... ہاں ..... احتل کے بھی بہی میسج آ رہے۔ دونوں کو بھیج دوں گی ..... پیچ کروالیا ہے۔'' وعدے وعید کرتے ہوئے مومنہ نے اسے اللہ حافظ کہا۔

''ہائے ..... سلیمانہ آپی کتنا پیارا لہنگا لگ رہا ہے۔ میک اپ کے بعد تو آپ بھی بہت پیاری لگیں گی۔'' گل چہرہ کمرے میں داخل ہوئی تو بے اختیار بولی۔

چلو جی دلہن کو کسی حد تک تو پذیرائی ملی۔ سلیمانہ نے فوراً دلہن والا پوز دیا۔ بیوٹیشن کا موڈ آف ہوا۔ ایک تو پہلے ہی کمرے میں اتنی لڑکیاں۔ وہ دل جمعی سے دلہن کو تیار کر نہیں پا رہی تھی۔ اوپر سے ان کے مشورے ..... اوپر سے ایک اور آ گئی۔ چار دفعہ وہ کہہ چکی تھی کہ دلہن اور اس کو اکیلا چھوڑ دیں۔ مگر اس کی سنتا کون۔ لڑکیوں نے اس ہال کمرے میں مایوں کے دن چار آئینے لگوائے تھے، اسی لیے کہ آرام سے تیار ہو سکیں۔ اور پھر سلیمانہ پہ نظر رکھنا بھی تو ضروری تھا۔ کہیں مشاطہ اسے کوئی چمکیلی سی شے نہ بنا ڈالے۔

''دلہن بن کر تو تم بھی بہت پیاری لگتیں مگر تم نے چانس مس کر دیا۔'' مومنہ نے لپ اسٹک ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ گل چہرہ کا منہ بن گیا۔ انس کے رشتے کے لیے منع کیا جا چکا تھا مگر مومنہ آپی اس کو تنگ کرنا نہیں چھوڑتی تھیں۔

''میں بتانے آئی تھی کہ بارات آدھے گھنٹے میں پہنچنے والی ہے۔ بھائی کہہ رہے ہیں سب ہال میں پہنچ جائیں، گاڑیاں کھڑی ہیں باہر۔''

لڑکیوں میں کھلبلی مچ گئی ..... اتنی جلدی ..... بارات کو وقت کی پابندی لازمی تھی کیا۔

''تم سب جاؤ ..... میں دلہن کے ساتھ آؤں گی۔'' شاہانہ تو ابھی ہیر اسٹائل سے ہی مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

''دلہن کے ساتھ پھوپھو یا کیمن آئیں گی۔ باقی سب پہلے ہال پہنچیں۔''

''ایسے ہی ..... پھوپھو دلہن کی ماں ہیں ان کو پہلے وہاں ہونا چاہیے۔ میں اور شاہانہ آئیں گے دلہن کے ساتھ۔ دونوں طرف سے دلہن کو تھام کر۔'' مومنہ نے گل چہرہ کا بازو پکڑ کر انداز دکھائے۔ مہرتاب اور حدیقہ کی آنکھیں ماتھے پہ پہنچیں۔

''ہم بھی دلہن کے ساتھ جائیں گی۔'' اعلان ہوا۔

''جو مرضی کریں ..... میں نے میسج دینا تھا، دے دیا۔'' گل چہرہ ناک سکوڑ کر بولتی ہوئی باہر چلی

www.pklibrary.com

گئی۔

''آسیہ مامی یہ نہیں چلی گئی یہ؟'' مہرتاب نے لپ اسٹک کا شیڈ میچ کرتے ہوئے کہا۔

''واؤ سلیمانہ..... تم تو واقعی پیاری لگ رہی ہو۔'' بیوٹیشن سرخ دوپٹہ مختلف اسٹائل میں رکھ کے دیکھ رہی تھی۔ جب ایک پلو کو پیچھے کی جانب ڈالا تو مومنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''ویٹ.....'' اس نے بیوٹیشن کو روکا۔ ''ایک تصویر لے لوں ذرا۔''

''برائیڈ ریڈی کر دوں پھر لیجیے گا۔'' بیوٹیشن نے دوپٹہ ہٹاتے ہوئے اسی خراب لہجے میں کہا۔۔۔ پر اس کی پہلے کسی نے سنی تھی جو اب سنتا..... جب تک مومنہ تصویر لے چکی تھی۔

''فاطمہ اور احمل کو بھیجتی ہوں۔'' مومنہ نے سب سے پہلے دلہن کی رونمائی کرنے کا کریڈٹ حاصل کرنا چاہا۔ ساتھ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی تصاویر بھی بنائیں۔ شاہانہ اور مہرتاب کی طرف بھی کیمرا کیا۔

''مومنہ پلیز..... میری کوئی تصویر احمل کو نہیں بھیجنا۔ پھر آگے سے آگے جاتی ہے تصویر۔ لڑکیوں کو احتیاط کرنی چاہیے۔'' مہرتاب نے فوراً کیمرہ کے آگے ہاتھ کیا۔

مومنہ اور شاہانہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''پھوپھو فردوس یہ نہیں چلی گئی یہ؟'' مومنہ بولی۔

ایک قہقہہ پڑا۔ مہرتاب نے بمشکل اپنے چہرے کے تاثرات نارمل رکھے۔ دروازہ بجا تو حدیقہ دروازے کی طرف گئی۔ ہمایوں تھا۔

''کتنی خواتین ہیں ہال میں؟

''اوں ۔۔۔'' حدیقہ نے اندر نظر دوڑائی۔ ''سات۔''

''سب نے دلہن کے ساتھ جانا ہے؟'' اس کی اپنی جنرل نالج کے مطابق تو دلہن کسی اور کو اپنے ساتھ بیٹھنے نہیں دیتی تھی کہ لہنگے دوپٹے کو جگہ چاہیے ہوتی ہے۔

''نہیں۔''

''تو چلو ناں پھر..... دو گاڑیاں کھڑی ہیں۔ کسی ایک میں جا کر بیٹھو۔'' ہمایوں نے جھنجلا کر کہا۔

شاہانہ، سلیمانہ اور حدیقہ کا بھائی کوئی نہیں تھا مگر جس طرح ان دنوں ہمایوں نے سارے کام اپنے سر کر رکھے تھے، بھائی کا کردار خوب ادا کر رہا تھا۔ سلیمانہ کی خواہش کے عین مطابق مایوں مہندی کے انتظامات کیے تھے اور لڑکیوں کو آج کل مطمئن کرنا آسان کب ہوتا ہے۔ سوشل میڈیا پہ پتا نہیں کیا کیا دیکھ لیتی ہیں۔ پھر چاہ کرتی ہیں کہ ان کی شادی بھی ویسے ہی ہو۔ پھوپھا آفتاب کی استطاعت کے مطابق ہمایوں نے بہتر انتظام کر دیا تھا۔ مایوں کی کرسی، مہندی کا جھولا اور باقی سجاوٹ سے لے کر کھانا کھلانے تک، پھر رات میں مہمانوں کے بستر پورے کر کے انہیں سلا کر، بجلی آنے جانے کی صورت میں جنریٹر بند کروانا پھر چلوانا، پھر صبح مرد مہمانوں کو ناشتا کروانا..... بھلے ساتھ اطہر تھا۔ چوہدری نگر سے آیا فخرے تھا، دو اور ہاری بھی تھے مگر ذمہ داری سے سب کام کروانا بھی تو کمال ہے..... اور اس کمال میں خود تین راتوں سے سو نہیں پایا تھا۔ تھکا ہوا لگ رہا تھا کافی۔

حدیقہ نے آنکھوں آنکھوں میں سب کو چلنے کے لیے کہا۔

سلیمانہ، شاہانہ اور بیوٹیشن کو چھوڑ کر وہ چاروں باہر نکل آئیں۔ باہر نکلتے ہی ہونٹ دانتوں تلے دبائے۔ پھوپھو فردوس، گلابی لپ اسٹک لگائے بغل میں سنہری پرس دبائے، معتبری بنی سامنے ہی کھڑی تھیں اور لڑکیوں کو کڑی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں جن کی تیاریاں ہی نہ ختم ہوتی تھیں۔ رباب رات یاسر کے ساتھ گھر چلی گئی تھی۔ اسے سیدھا شادی ہال پہنچنا تھا۔

''اِناں کڑیاں دے تے سُرخی پوڈرا ای نئیں مُکدے۔ (ان لڑکیوں کے تو سرخی پاؤڈر ہی ختم نہیں ہوتے)۔'' وہ بڑبڑائیں۔ ''ہمایوں سارے کمریاں

www.pklibrary.com

نوں جندرے مار کے نکلیں۔ (سب کمروں کو تالے لگا کر نکلنا)'' نکلتے نکلتے انہوں نے مڑ کر تاکید کی۔

''فکر نہ کریں پھوپھو..... میرا دوست ہے۔ خیال رکھنے کو۔''

''دوست ای پاندے نے ڈاکے (دوست ہی ڈالتے ہیں ڈاکے)'' انہوں نے بھتیجے کی کم عقلی پہ ماتم کیا۔'' اکو کمرہ کھلا رکھ۔ باقیاں نوں جندرے مار۔ (ایک کمرہ کھلا رکھو، باقی کو تالے لگاؤ)۔''

''جی۔'' اس نے سعادت مندی کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے ایک گاڑی کا ان کے لیے دروازہ کھولا۔ اطہر آگے بیٹھا تھا۔ مہرتاب کو بھی ان کے ساتھ روانہ کر کے وہ دوسری گاڑی کی طرف آیا۔ حدیقہ اور اس کی کزن گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں۔ مومنہ موبائل پہ احمل کا میسج دیکھتے ہوئے بیٹھ رہی تھی۔ دوپٹہ سر سے سرک کر نیچے آرہا تھا۔

''دوپٹہ لو سر پہ۔'' وہ اس کے پاس آکر سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

''تمہیں باپ بننے کا بڑا شوق ہے۔'' اسے گھورتے ہو، مومنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ تھی تو پھر پھوپھو فردوس کی بھتیجی ناں۔

''نہیں..... اس سے پہلے کچھ اور بننے کا۔'' وہ جو تھکا ہوا سا تھا۔ جھنجلایا ہوا سا تھا۔ ایک دم تر و تازہ لہجے میں بولا۔

مومنہ کا چہرہ میک اپ کی تہوں میں چھپا تھا، ورنہ اس پہ آئی لالی ہمایوں سے چھپی نہ رہتی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے دوپٹہ سر پہ ٹھیک کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ دروازہ بند کر کے آگے فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ ابھی انہیں شادی ہال چھوڑ کر اسے دلہن کو لینے آنا تھا۔

☆☆☆

''نی..... توں چوہدریاں دی نکی نُو اے ناں۔ (تم چوہدریوں کی چھوٹی بہو ہو؟)'' ایک خاتون ماتھے پہ ہاتھ رکھے ارم کی میز پہ آرکیں۔

ارم نے عروہ کو چپس کا پیکٹ، کھول کر دیتے ہوئے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

''ہا ہائے..... پھول گئی اے انی توں تے۔ ۔۔ کنے نیانے نیں تیرے ((ہاہ..... تم تو موٹی ہو گئی ہو اتنی۔ کتنے بچے ہیں تمہارے؟)'' خاتون کا والیوم اتنا ضرور تھا کہ دو چار نے مڑ کر ارم کی طرف دیکھا۔

''تین۔'' مسکراہٹ ہونٹوں سے غائب ہو چکی تھی۔ جب کوئی موٹاپے کا طعنہ دے ڈالے، تو موڈ تو خراب ہوتا ہی ہے۔

''کڑیاں ای اے نان ورگوں کہ منڈا وی اے کوئی؟ (تند کی طرح لڑکیاں ہی ہیں یا لڑکا بھی ہے کوئی؟)'' ہاتھ سے عروہ کو پرے ہٹا کر اس کے پاس پڑی کرسی پہ ہی بیٹھ گئیں۔

''دو بیٹیاں ایک بیٹا ہے ماشاء اللہ۔'' بیٹا پیدا کر کے عورت کئی سوالوں اور مشوروں سے بچ جاتی ہے..... ارم نے سوچا۔

''ایک ہور کر لیندی..... جوڑی رل جاندی۔ (ایک بیٹا اور ہو جاتا تو بھائیوں کی جوڑی ہو جاتی)'' نہ جی..... مفت کے مشورے میں کمی آتی ہے بھلا۔

ارم نے صدق دل سے دعا مانگنی شروع کر دی کہ اب کی بار بھی بیٹا ہی ہو۔ پھر کسی کی طرف سے کوئی سوال، کوئی مشورہ، کوئی اعتراض نہ رہے۔ یہ بھول بھی نادان کی۔

''چاچی..... میں نے کل جو ائیر رنگز اتارے تھے..... آپ کے پاس رکھوائے تھے؟'' مومنہ پریشان چہرے کے ساتھ اس کی طرف آئی۔

''نہیں تو۔''

''اللہ.....'' اس نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ کدھر چلے گئے؟ امی نے تو میری جان نکال دینی ہے۔ امی کی جہیز کی جھمکیاں تھیں بڑی بڑی۔ آج کل فیشن تھا تو مہندی کے جوڑے کے ساتھ پہن لیں۔ پھر رات اتاریں کہاں..... یاد ہی نہ آرہا تھا۔ پورا پرس کھنگال ڈالا۔ امی کا بھی چپکے سے چیک کر لیا۔

''رحیمہ بابی سے پوچھا؟'' ارم نے اس کی

www.pklibrary.com

پریشانی دیکھ کر پوچھا

"جی۔"

"آسیہ باجی سے پوچھو۔" ارم کے کہنے پہ مومنہ آسیہ چاچی کی طرف چلی گئی۔

"اے رفعت دی تیی سی ناں؟ (یہ رفعت کی بیٹی تھی ناں)" خاتون کی متجسس نظریں اب کالے کپڑوں والی لڑکی پہ تھی۔

ارم نے سر ہلایا۔ ساتھ ہی ساتھ دوسری میز کی تلاش جاری تھی جس پہ وہ اٹھ کر جا سکے۔

"واوا سوہنی جوان ہوگئی اے۔ منگی نئیں رفعت نے ہجے کتے؟ (خوب سوہنی جوان ہوگئی ہے۔ رفعت نے ابھی کہیں رشتہ نہیں کیا)"

"نہیں ابھی یونی ورسٹی میں پڑھتی ہے۔"

جواب دے کر ارم نے اپنا پرس، چادر، بچوں کی چیزیں اٹھائیں۔ "یاسمین آپا سے پوچھوں کوئی کام تو نہیں۔" اس نے کھسکنے کا بہانہ ڈھونڈا اور جا کر سامان رحیمہ بھابھی کے پاس رکھا۔ اور باجی یاسمین کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔ موٹاپے کا طعنہ دینے والا ہمیشہ کے لیے دل سے اتر جاتا ہے...... کاش یہ جان پائے کوئی۔

"کیا ہوا ملے نہیں؟" آسیہ کے پاس سے پریشان چہرے کے ساتھ پلٹتی مومنہ کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔ مومنہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی ایک کرسی پہ جا بیٹھی۔ چپکے چپکے ایک نگاہ امی پہ ڈال لیتی۔ سب کو منع کیا تھا کہ ابھی امی کو نہ بتانا۔ پر جب پتا چلے گا تو؟

امیوں کو تو رضائی، پیٹی یہاں تک کہ جٹو وٹے کے ساتھ بھی پیار ہوتا ہے۔ یہ تو پھر سونے کی جھمکیاں تھیں۔

"مومنہ جلدی آؤ، سلیمانہ آگئی۔" مہرتاب اطلاع دے کر حدیقہ کے ساتھ جلدی سے خواتین ہال کے داخلی دروازے تک گئی اور دلہن کو ایک طرف سے تھام لیا۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ کل کتنی لڑائی ہوئی تھی سب کے بیچ کہ "دلہن کا بازو ایک طرف سے میں نے پکڑ کر ہال میں اینٹری دینی ہے۔" دلہن کا دن تو ہوتا ہی ہے لیکن یہ دلہن کی بہن، سہیلی اور کزن کا دن بھی ہوتا ہے۔

ایک دم اسے کوئی خیال آیا، وہ باہر کو لپکی۔ ہمایوں خواتین کے ہال سے باہر کھڑا ابھی، ڈرائیور کو ہی کوئی ہدایات دے رہا تھا۔ وہ جلدی سے اس کے پاس آئی۔

"ہمایوں...... مجھے پھوپھو کے گھر جانا ہے۔"

ہمایوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ماتھے پہ شکن آئی۔ وہ بغیر دوپٹہ سر پہ اوڑھے باہر نکل آئی تھی۔ یہ لڑکیاں شادی بیاہ کے موقع پر اتنی بے پرواہ کیوں ہو جاتی ہیں۔

"دوپٹہ لو سر پہ۔"

یہ آگے سے سنانے کا وقت نہیں تھا۔ منانے کا وقت تھا۔ اس نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ لیا۔

"مجھے پھوپھو کے گھر چھوڑ کے آؤ۔"

"کیوں؟"

"ہمایوں! امی کی جھمکیاں مل نہیں رہیں۔ میں نے چیک کرنا ہے۔ شاہانہ کی الماری میں رکھی ہوں شاید۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"بعد میں کر لینا چیک۔ ابھی نکاح کا وقت ہے۔" وہ مردانہ ہال کی طرف مڑا۔

"نکاح کون سا تمہارے ساتھ ہونا ہے۔ ہر جگہ باپ نہ بنا کرو۔ مجھے لے کے چلو۔"

"امی صحیح کہتی ہیں...... پھوپھو فردوس پہ چلی گئی ہو تم...... بیٹھو۔" اس نے گاڑی کا دروازہ اس کے لیے کھولا۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔" وہ جلدی سے بھاگ کر ہال میں واپس گئی۔ پھوپھو یاسمین سے الماریوں کی چابیاں لیں اور واپس بھاگی۔ پھوپھو یاسمین کے گھر پہنچ کر اس نے شاہانہ، سلیمانہ سب کی الماریاں چیک کر ڈالیں۔ جھمکیاں نہیں تھیں۔ شاہانہ کے بیڈ کی آخری دراز سے بھی جھمکیاں نہ ملیں تو وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

ہمایوں کمرے سے باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

www.pklibrary.com

اور بار بار گھڑی بھی دیکھ رہا تھا۔ پھوپھا آفتاب کے فون آرہے تھے۔ وہ اسے لڑکی کی طرف سے گواہ بنانا چاہ رہے تھے مگر یہاں سے نکلتا تو وہاں پہنچتا ناں۔

"نہیں ملیں؟" اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔ پھر کوئی جواب نہ پا کر کمرے میں داخل ہوا اور ٹھٹک گیا۔ وہ رو رہی تھی۔

"کیا ہو گیا؟" وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھا۔

مومنہ کے آنسوؤں میں مزید روانی آئی۔

"پاگل ہو گئی ہو..... ایک بالیوں کے لیے رو رہی ہو۔ میں تمہیں بنوا دوں گا نئی۔" کس کا نکاح، کون سا گواہ..... وہ سب بھول گیا۔

"موبائل تو اچھالے نہیں سکے..... بالیاں بنوا دو گے۔" اس نے ہاتھوں سے چہرہ اٹھا کر اسے گھورا۔

سنہری پانیوں سے بھری آنکھیں۔

چوہدری ہمایوں سلیمان کا دل ان جھیلوں میں ڈوبا۔

"موبائل کے پیسے تمہاری بالیوں کے لیے جو بچا رکھے ہیں۔"

"ہونہہ..... میری نہیں بھئی امی کی جھمکیاں تھیں وہ۔ خفا ہوں گی۔ ابو کو بھی بتائیں گی۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ میں تامی کو سمجھا دوں گا۔ فکر نہیں کرو۔ چلو اٹھو..... مجھے ہال واپس پہنچ کر کھانا لگوانا ہے۔ لڑکے والوں کے لیے کھانا بھی پیک کروانا ہے۔" ہمایوں نے مومنہ کا سر تھپتھپایا۔

"یہ تم نے ٹھیکہ لے رکھا ہوتا ہے سب کا؟" وہ کچھ دیر کے لیے جھمکیوں کا غم بھلا کر اس کے پیچھے پڑی۔

"باپ بننے کا شوق جو ہے مجھے۔" وہ ہنسا۔ وہ آنکھیں صاف کرتی ہوئی چپ سی اس کے پیچھے چلی آئی۔

☆☆☆

کھانے کا دور چلنے کے بعد، دولہا اسٹیج پہ دلہن کے ساتھ آکر بیٹھا تو کئی مہمان جوڑی کو دیکھ کر تبصرے کر کرا کر سلامیاں دے کر چلے گئے۔ جب صرف خاندان کے افراد بچ گئے تو مرد رشتہ دار بھی خواتین کے ہال میں آ گئے۔ اب جوڑیوں کا، فیملیز کا فوٹو سیشن چل رہا تھا دولہا دلہن کے ساتھ۔

"لوگ تو ہم سے میچنگ کرنے لگے ہیں بھئی۔" ہمایوں اس کے کان کے پاس آ کر بولا۔ مومنہ نے آنکھیں نکالیں۔ تو ذرا غور سے دیکھنے کا موقع ملا۔

سیاہ شلوار قمیص میں تمیز کے ساتھ تیار تیار اچھا لگ رہا تھا۔

اس نے نظریں پھر اسٹیج کی طرف کیں، جہاں سفیان چاچو اور ارم چاچی اپنے بچوں کو لیے دولہا دلہن کے پاس بیٹھے تھے۔

"بن جاؤ گی..... بن جاؤ گی تم بھی دلہن۔ دل چھوٹا نہ کرو۔" وہ پھر اس کے کان میں بولا۔

"تم ناں جا کر شاہانہ کے ساتھ کھڑے ہو۔ کیونکہ جو تم نے اتنی خدمت گزاریاں کی ہیں ناں شادی میں۔ پھوپھا جی کی نظریں تم پہ خاص ہو گئی ہیں۔ اور ابھی وہ جو عینک والی خاتون بیٹھی ہیں ناں کونے میں ماں کے پاس۔ میں نے سنا..... یاسمین پھوپھو سے کہہ رہی تھیں۔ "تیرے پراء کیوں نہیں لیندے تیری کوئی کڑی۔ وڈے نے فردوس دی کوی لے لی۔ نکا تیری تیمی لے لے (تیرے بھائی کیوں نہیں لیتے تیری کوئی بیٹی۔ بڑے نے فردوس کی لڑکی لی ہے۔ چھوٹا تیری بیٹی لے لے)..... بات ڈال دی اس نے پھوپھو یاسمین کے دل میں۔" وہ ہنستے ہوئے اس خاتون کی نقل اتار کر بتا رہی تھی۔

ہمایوں بے مزا ہوا۔

"بتاؤں تامی کو بالیوں کا؟"

"بلیک میلر۔" اس کی ہنسی سمٹ گئی تھی۔

وہ ہنستا ہوا آسیہ کی طرف آیا جو اسے اشارے سے بلا رہی تھیں۔ وہ فیملی اسٹیج کی طرف آئی۔ امی ابو، دلہن دولہا کے پاس۔ وہ تینوں بہن بھائی صوفے

کے پیچھے جا کر کھڑے ہوئے۔ گل چہرہ بیچ میں تھی۔ ہمایوں اور بابر اردگرد۔

مومنہ نے حاشر کو گود میں لیتے ہوئے دور سے دیکھا۔

واقعی آج تو اچھا لگ رہا تھا۔

"مومنہ اسود سے کہو ...... پاء جی کو بلائے۔ سلیمانہ کو پیار دیں اور فیملی فوٹو بنوائیں۔" پھوپھو یاسمین اس کی طرف آئیں تو اس نے اسٹیج پہ سے نظریں ہٹائیں۔

"جی پھوپھو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اسود کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

اسٹیج سے اتر کر، پیچھے میز کی جانب جاتے ہوئے ایک آواز ہمایوں کے کان میں پڑی تھی۔ اور وہ کچھ پل ہل نہیں پایا تھا۔

"ہاہ ہائے ...... اے آسیہ نوں کی ہو گیا ...... اے تے چن ورگوں چمکدی سی جدوں چوہدریاں دی نُوہن کے آئی سی۔ (ہاہ ...... یہ آسیہ کو کیا ہو گیا۔ یہ تو چاند کی طرح چمکتی تھی جب چوہدریوں کی بہو بن کر آئی تھی۔"

ہمایوں نے آہستہ سے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ وہی خاتون تھیں جن کی طرف پہلے مومنہ اشارہ کر رہی تھی۔ وہ پیچھے ایک کرسی پہ آبیٹھا۔ وہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اس کو وہ آسیہ امی یاد آرہی تھی جو بہت خوب صورت ہوتی تھیں۔ جسے اس نے بچپن میں دیکھا تھا۔

اس کی نظر اس آسیہ پہ گئی جو یاسمین پھوپھو کی نند کے ساتھ کوئی بات کر رہی تھیں۔

چہرے پہ چھائیاں ...... مرجھائی ہوئی رنگت۔

یہ وہ آسیہ نہیں تھیں جن کے حسن کا چرچا تھا۔

اس کی نظریں بے اختیار مومنہ حیدر پہ اٹھیں جو اسٹیج پہ چڑھ کر اب پاں کا ہاتھ تھام کر، انہیں اوپر آنے میں مدد دے رہی تھی۔ وہ سیاہ کام دار جوڑے میں دمک رہی تھی۔ اس کی کلائیاں جن میں کالی چوڑیاں تھیں، چمک رہی تھیں۔ کالے سینڈل میں سے جھانکتے اس کے پیر اتنے صاف تھے کہ لگتا تھا کبھی زمین پہ اتارے نہیں۔ وہ سرتاپا روپ رنگ میں چاندنی تھی۔

☆☆☆

یہ چوہدری ہمایوں سلیمان کا محض خیال ثابت ہوا کہ وہ تائی کو سمجھا لے گا۔ ان جھمکیوں کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی تھی۔ وہ مومنہ کو بخشنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھیں۔

"کوئی بات نہیں ...... چھوڑو اب بچی کو۔"

رحیمہ احمد نے سر جھکائے بیٹھی مومنہ کو دیکھا تو آنسو بہاتی دیورانی سے کہا۔

"میری ماں کی آخری نشانی تھی وہ جھمکیاں۔"

"آخری نشانی تو وہ سوٹ تھا ویلوٹ کا نیلے رنگ کا۔" مومنہ نے پست آواز میں یاد کروانے کی کوشش کی۔

"بکواس نہ کر۔" مانا کہ رفعت جہاں بڑی مہذب خاتون تھیں بھلا اولاد رہنے دیتی ہے ماں باپ کو مہذب۔

اس دم پھوپھو فردوس گھر میں داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں کوئی پرچی تھی۔

"پابی ......" وہ جوش کے ساتھ رفعت جہاں کی طرف بڑھ رہی تھیں جب عروہ پہ نظر پڑی۔ "چل نی ...... پوریاں بانواں پاء۔ گٹے وی ٹک۔ چھمراں دا کھوہ پرن دی بڑی ریج اے۔ آپ پانویں منجھی تے پے جائیں (چلو ...... پوری آستین پہنو۔ ٹخنے بھی ڈھانپو۔ چھمروں کا پیٹ کے کنواں بھرنے کا بڑا شوق ہے۔ خود بھلے چارپائی پہ پڑ جاؤ۔)

عروہ ڈانٹ کھاتے ہی اندر کو بھاگی۔ بابر جو صحن کی طرف آرہا تھا، واپس مڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ ارم نے خود کو کچن میں مصروف کر لیا۔ اپنے کمرے میں بیٹھی گل چہرہ نے جلدی سے کتابیں کھول لیں۔

"پابی ......" پھوپھو فردوس اب پھر اسی جوش و ولولے کے ساتھ رفعت جہاں کی طرف مڑیں۔

"میں فال کڈوالی اے۔ دیکھو اے ناں نکلیا اے

www.pklibrary.com

چوردا۔ (بھابی! میں نے فال نکلوالی ہے۔ دیکھیں یہ نام نکلا ہے چورکا)۔"

رفعت جہاں نے جلدی سے پرچی پکڑی۔ مومنہ نے بھی امی کے ہاتھ پر سے جھانکا۔ رحیمہ احمد نے تاسف سے سر ہلایا۔

"امجد...... اے کون اے؟" رفعت جہاں نے نام پڑھ کر حیرت سے پوچھا۔

"یاسمین دی نناں دا منڈا (یاسمین کی نند کا لڑکا)۔"

"تو اب میں اپنی اولاد کی لاپرواہی کا الزام دوسروں کے بچوں پہ لگاؤں ...... رہنے دیں آپا۔" رفعت جہاں نے پرچی پرے پھینکی۔

"ہاں ...... میری ہی غلطی ہے۔ میں نے ہی پھینک دیں آپ کی جھمکیاں ادھر ادھر ...... میں ہی مجرم ہوں۔ ایک نہیں بارہ ایسی جھمکیاں بنوادوں گی آپ کو...... وعدہ ہے مومنہ حیدر کا۔" وہ ایک دم سے کھڑی ہوگئی۔

"حد ہے ڈاتتی ہی جا رہی ہیں سب کے سامنے۔ اب جان لیں گی کیا بچی کی۔" ابو نے سمجھایا، اسود بھائی نے سمجھایا۔ ہمایوں نے بھی اپنی کوشش کرلی۔ پھر بھی معاف کرنے کو تیار نہیں۔

"ہاں ......بنوا کردو گی تم بارہ جھمکیاں ...... کسی بادشاہ سے بیاہ ہونا ہے ناں تمہارا۔" رفعت جہاں نے ہاتھ جھلایا۔

"بادشاہ ہو نہ ہو ...... احتل کے بھائی جیسا کروڑ پتی ضرور ہوگا۔" بڑی خرابی تھی اس میں۔ جو منہ میں آتا بول دیتی۔ کون سن رہا ہے، کون دیکھ رہا ہے، کون کیا معنی نکالے گا...... اسے پرواہ نہ ہوتی تھی۔

وہ تنتناتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پیچھے سب کچھ دیر کے لیے بھونچکا سے بیٹھے رہ گئے تھے۔

"میں تے پہلے ای کیندی ساں ...... اس ہندنی نوں واڑ لیا فیر گھر...... پین گے نوے سیاپے۔ (میں تو پہلے ہی کہتی تھی ہندنی کو لے آئے پھر گھر ...... ہوں گے شروع نئے مسئلے)۔" پھوپھو فردوس سینہ پیٹنے لگیں۔

باورچی خانے میں کمروں میں چھپے افراد گھبرا کر باہر نکلے۔ رفعت جہاں کو اپنی جھمکیاں بھول گئی تھیں۔

"ہائے پراء کھالیا اس کلپنی نے میرا...... ہون میرے بچے تیکی پیچھے پئی اے۔ (میرا بھائی کھا گئی وہ منحوس ...... اب میرے بھتیجے بھتیجی کے پیچھے پڑی ہے)"

رحیمہ احمد کے اعصاب شل تھے۔ چوہدری احمد یعقوب ساتھ نہ تھے۔ جو بہن کی زبان ایک دبکے سے روک لیتے۔ انہیں اس دم اپنا آپ تنہا محسوس ہوا۔

"چپ ہوجائیں۔"

ایک رعب بھری آواز آئی اور پھوپھو فردوس کی زبان ایک دم رکی۔

رحیمہ احمد غلط تھیں۔ وہ تنہا نہ تھیں۔ چوہدری احمد یعقوب نہ رہے تھے مگر کوئی تھا جو سینہ کوبی کرتی اس عورت کو چپ کروا سکتا تھا۔ انہوں نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسود کو دیکھا جو پوڑھی (سیڑھیاں) اتر کر نیچے آیا تھا۔ رحیمہ احمد کی آنکھیں بھیگیں۔

"پھوپھو! آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا احتل کے بارے میں ایسے بات کرنے کا۔" وہ چھت پہ چڑھا موبائل پہ شعیب سے بات کر رہا تھا جب پھوپھو کے بین سن کر جلدی سے نیچے اترا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ نیچے کیا ہوا۔ مگر ان کا آخری جملہ سن کر اسے سمجھ میں آگیا کہ بات احتل کے بارے میں ہو رہی ہے۔

رحیمہ احمد کی آنکھ میں آیا آنسو لڑھک کر چہرے پہ آیا۔

چوہدری احمد یعقوب، نہ رہے تھے مگر کوئی تھا جو ان کی امت الاحد کے لیے لڑ سکتا تھا۔

پھوپھو فردوس نے کھڑے ہوتے ہوئے دوپٹہ سر پہ لیا اور گیٹ کی طرف بڑھیں۔ دو قدم اٹھا کر پھر مڑیں۔ انگلی کا اشارہ کیا۔

www.pklibrary.com

"وڈ دو میری جب ...... پر یاد رکھو ...... پھو
گے تسی (کاٹ دو میری زبان ...... مگر یاد رکھو
...... بھگتو گے تم)"

اسود نے سر جھٹکا اور رحیمہ احمد کی طرف آیا۔ ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

رفعت جہاں نے، دونوں کو دیکھا اور قیامت مچا کر کمرے میں بیٹھ جانے والی بیٹی کے بارے میں سوچا۔ انہیں لگا کہ آپا فردوس صحیح پیشن گوئی کر گئی ہیں۔

☆☆☆

آج انہیں ہاسٹل جانا تھا۔ مگر امی، مومنہ کو جانے نہیں دے رہی تھیں۔ اصل بات کیا تھی، وہ بھی نہیں بتا رہی تھیں۔ بیٹیوں کی الٹی سیدھی باتیں، باپ بھائیوں کو بتانے والی تھوڑی ہوتی ہیں۔ اسود خود ہی مومنہ کے پاس آ گیا تھا یہ پوچھنے کہ آخر اس نے کیا، کیا ہے۔ مومنہ نے ساری بات بتا دی۔

"تم نے کیوں کہا امی سے ایسے؟" اسود نے سنجیدگی کے ساتھ چھوٹی بہن سے پوچھا۔

"وہ جو اتنی دیر سے مجھے سب کے سامنے ڈانٹے جا رہی تھیں۔ مجھے غصہ آ گیا۔ ایک احل ہے...... اس کے پاس ڈیڑھ سو تولے سونا ہے۔ ایک میری امی ہیں، جھمکیوں پہ اتنی خفا ہو رہی تھیں۔"

"ملی ہو کبھی جگدیش میشوری سے؟" وہ ابھی بھی سنجیدہ تھا۔

مومنہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اسود کے سینے سے گہرا سانس خارج ہوا۔

"ملنا بھی نہیں ...... اچھا بندہ نہیں ہے وہ۔"

مومنہ نے سر ہلایا۔

"چلو امی سے سوری کہو۔"

"زیادتی وہ کر رہی ہیں، سوری میں کروں۔"

"مومنہ ...... غلط بات تم نے کی ہے ...... بڑے ڈانٹیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ بھی بول دیں ہم ...... ابھی تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے پھوپھو فردوس کتنا فساد برپا کریں گی۔ ابو کے سامنے کیا کیا کہیں گی۔ احل بے چاری خواہ مخواہ لپیٹ میں آ رہی ہے ...... پھر ماں کتنی پریشان ہوئیں اس کا اندازہ ہے تمہیں؟"

"پھوپھو کو میری فکر زیادہ نہیں، آپ کی ہے۔ مہر کے لیے نظریں رکھے بیٹھی ہیں وہ آپ پر۔"

مومنہ نے جھکا سر اٹھایا۔

اسود نے سر ہلاتے ہوئے بہن کو دیکھا۔ جب سے ساتھ یونی ورسٹی آنے جانے لگی تھی، زیادہ بے تکلف ہونے لگی تھی۔ پہلے پھر بھی بڑے بھائی کے لحاظ میں رہتی تھی۔

"اگر آج تمہیں میرے ساتھ ہاسٹل جانا ہے تو امی کو راضی کرو۔ میں چار بجے نکل جاؤں گا۔" وہ اسی سنجیدگی کے ساتھ کہتے ہوئے اس کے کمرے سے چلا گیا۔

وہ کچھ دیر یونہی پلنگ پہ بیٹھی رہی پھر ایک دم اٹھی اور اپنے کمرے سے نکل کر باہر آئی۔ امی اپنے کمرے میں نہیں تھیں۔ وہ باورچی خانے کی طرف آئی۔ وہاں بھی نہیں تھیں۔ پھر وہ ماں کے کمرے کی طرف آ گئی کہ شاید وہاں ہوں۔ امی تو نہیں تھیں وہاں بھی مگر ماں کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ ان کا سر جھکا ہوا تھا اور ان کے ہاتھ میں، چوہدری احمد یعقوب کی تصویر تھی۔ اس کے آنے پہ جو سر اٹھایا تو اس نے دیکھا کہ وہ رو رہی تھیں۔ چہرے پہ آنسو تھے، آنکھوں میں سرخی تھی۔ کل سے وہ نادم نہیں تھی مگر اس پل ہوئی۔

"کیا ہوا ماں ...... کیوں رو رہی ہیں۔" چوری بن کر پوچھا۔

"یونہی ...... چوہدری صاب یاد آ رہے تھے۔" ان کی آنکھوں سے مزید قطرے گرے۔

"اور احل بھی۔"

"ہاں۔" آنسوؤں میں مزید روانی آئی۔

بچوں نے انہیں بہت کم روتے دیکھا تھا۔ ہمیشہ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کے لیے مشکل تھا ماں کو یوں دیکھنا۔

www.pklibrary.com

"ماں...... پھوپھو فردوس نے خواہ مخواہ اتنا رولا ڈال دیا۔ آپ کو پتا ہے ان کی تو عادت ہے۔ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔" وہ ان کے قریب آ بیٹھی۔

"انہوں نے تو پہلے بھی امت الاحد کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا، تم نے اس کے بھائی کی بات کر کے انہیں مزید موقع دے دیا۔" وہ حقیقتاً متفکر تھیں۔

"فکر نہ کریں...... آپ کی امتل پہ کوئی بات نہیں آئے گی۔ میں تو کبھی اس کے بھائی سے ملی تک نہیں۔"

رحیمہ احمد نے چہرہ صاف کرتے ہوئے اس کی طرف غور سے دیکھا...... جیسے جانچنا چاہ رہی ہوں کہ وہ سچ ہی کہہ رہی ہے ناں۔

"سچ کہہ رہی ہوں ماں۔" مومنہ ان کی نظر سمجھ کر بولی۔ "میں اس کے بھائی سے کبھی نہیں ملی...... ہاں اس کی ممی سے ملی ہوں۔"

رحیمہ احمد ذرا ٹھٹکیں۔

"کہاں؟"

"ہاسٹل میں...... جس دن حاشر ہوا تھا۔ مجھے پانچ ہزار بھی دے کر گئی تھیں خرچ لی۔"

"تم نے بتایا کیوں نہیں مجھے؟"

"اسود بھائی نے منع کیا تھا۔"

"یعنی اسود بھی مجھ سے باتیں چھپانے لگا۔" وہ دھیمی آواز میں بڑبڑائیں لیکن مومنہ نے سن لیا۔

"ہاں...... کلاس لیجیے گا ان کی۔"

"مجھے پوری بات بتاؤ۔" وہ آنسوؤں پہ قابو پا چکی تھیں اور کچھ ریلیکس بھی ہو گئی تھیں۔ یہ سن کر کہ امت الاحد کے بھائی سے مومنہ کبھی ملی نہیں۔ ان کو تو رات سے جانے کیا کیا وہم ستا رہے تھے۔

مومنہ نے انہیں پوری بات کہہ سنائی کہ کب امتل کی ممی سے ملی۔ کیا کیا باتیں ہوئیں۔

"پھر وہ امتل کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ میں نے دیکھا گیٹ سے...... نہیں ویسے تو امتل کے بھائی سے میں کبھی نہیں ملی...... لیکن گیٹ سے دیکھا۔ کیا تو گاڑی تھی ماں اس بندے کی۔ بندہ اس میں بیٹھ کر لگتا ہے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتا ہو گا۔ میں نے گوگل کی، اس گاڑی کی قیمت...... ڈھائی کروڑ ماں......" ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے اسے جگدیش مہیشوری کی شان دار گاڑی یاد آئی۔

"کبھی امت الاحد سے پوچھا ہے کہ اسے اس ڈھائی کروڑ والی گاڑی میں بیٹھ کر کیسا لگتا ہے؟"

"اس کو چھوڑیں، اس کو تو پیسے کی قدر ہی نہیں۔" مومنہ نے ہاتھ جھلایا۔

"پیسے کی قدر الگ بات ہے اور پیسے کے پیچھے بھاگنا دوسری بات...... پیسے کے پیچھے کبھی مت بھاگنا بیٹا۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے مگر ماں خواہشیں بھی تو ہوتی ہیں ناں انسان کی...... کروں گی میں پھر بھی کسی کروڑ پتی کے ساتھ شادی۔" وہ ہمیشہ والے انداز میں بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دعا کرو کہ اللہ تمہارے باپ کی زمین میں اتنی برکت ڈالے۔ سب خواہشیں پوری ہوں تمہاری۔"

"جی ماں...... اور اب آپ نے پریشان نہیں ہونا۔"

رحیمہ احمد ہلکا سا مسکرائیں۔ اب واقعی وہ پہلے جیسی پریشان نہ تھیں۔

"باپ کی زمین میں برکت...... پانی ہے نہیں۔ آدھی سے زیادہ زمین بنجر پڑی ہے...... برکت کہاں سے آنی ہے۔ ہمایوں بھی لگتا ہے ماں پہ چلا گیا۔ خواب ہی دیکھتا ہے بس۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی ان کے کمرے سے نکلی تو دیکھا وہ سامنے کرسی پہ بیٹھا پانی پی رہا تھا۔

پتا نہیں یہ شیطان ہے یا اس کی عمر لمبی ہے۔

اس نے سوچا۔

ہمایوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر گلاس

www.pklibrary.com

میں بوتل سے پانی انڈیلنے لگا۔اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"ہیں..... اسے کیا ہوا۔"

وہ بڑبڑائی۔ ایسا کم بہت ہی کم ہوتا تھا کہ وہ اسے دیکھے اور چپ رہے۔اس سے پہلے کہ وہ اس کی خاموشی پہ توجہ دیتی، اس نے دیکھا کہ امی صحن کی طرف سے چادر اوڑھے چلی آرہی تھیں۔

"آپ کہاں گئی تھیں؟"

امی نے پہلے تو جی بھر کر اسے گھورا، پھر طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"تمہاری پھوپھی کے پاس..... تم بہن بھائی نے جو رات کو منہ سے پھول برسائے ہیں ناں، اسی کا ازالہ کرنے۔"

وہ کمرے کی طرف بڑھیں۔

آسیہ نے بیٹے کو جتاتی نظروں سے دیکھا۔

دل جلا ہوا تھا ان کا۔ ساری شادی میں کام کرتا رہا ان کا بیٹا۔ ہر انتظام کیا۔ کھانے کی پرواہ کی نہ سونے کی۔ اور نکاح کے وقت، یاسمین کے شوہر نے گواہ بنا ڈالا یاسر کو۔ جو بس مہندی کے دن آئے اور شادی کھا کر واپس ہو گئے۔ جلتے کلیجے یہ ٹھنڈ پڑی تھی رات والے تماشے سے۔ ہمایوں کے گھر آتے ہی پوری بات بتائی تھی اس کو..... ضروری تھا بہت ضروری تھا۔

"آپ کیوں چلی جاتی ہیں معافیاں مانگنے..... آپ کا بیٹا داماد ہے ان کا..... لڑکے والے ہیں ہم..... دبا کر رکھا کریں انہیں۔" مومنہ امی کے پیچھے کمرے میں گئی۔

"بکواس نہ کر..... تمہارے باپ کو کہہ سنا دیا ناں انہوں نے کچھ..... تو گھر بٹھا لینا ہے چوہدری صاب نے تجھے۔" انہوں نے ڈانٹا۔

"ہاں ہاں..... کیا بتا دیتیں وہ ابو کو..... ہم بہن بھائی تو کریکٹر لیس ہو گئے..... ہے ناں..... افسیر چل ہے ہیں ہمارے۔۔ ہے ناں۔" اسے غصہ ہی تو آگیا۔ کیا کہہ دیا تھا آخر اس نے کہ کل سے عدالت لگی ہوئی تھی۔

اس کی آواز باہر برآمدے میں بیٹھے ہمایوں تک بھی گئی۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھرنے لگیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور برآمدے سے نکل کر گیٹ کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"منہ بند کرتی ہے کہ لگاؤں ایک۔" اندر امی جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے سوری۔" وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ امی ہاتھ نیچے کر کے پلنگ پہ جا بیٹھیں۔

"ابو تک بات جائے گی تو وہ مجھے گھر بٹھا لیں گے..... یہی کہا تھا ناں آپ نے..... اس کا مطلب آپ تو مجھے گھر نہیں بٹھا رہیں ناں..... پیکنگ کر لوں میں؟"

رفعت جہاں نے ماتھا پکڑا۔ انہیں اپنی پیاری فاطمہ یاد آئی۔ کبھی نہ ستایا تھا اس نے انہیں۔ اور ایک یہ..... پتا نہیں کس پہ چلی گئی۔۔۔ ہاں ہاں..... دادکوں پہ ہی گئی ہوگی۔

"اچھا..... پھر موڈ کیسا ہے اب پھوپھو فردوس کا؟"

"موڈ کیا ہونا ہے..... پہلے تو پتا نہیں کیا کیا بولتی رہیں۔ پھر جب میں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ تو احمل کے بھائی نے اس کے لیے ڈیڑھ سو تولے سونا لے رکھا ہے..... اس لیے مومنہ کے منہ سے اس کا نام نکلا..... تو پھر ڈیڑھ سو تولے کی قیمت پوچھنے لگیں۔ کوئی سیٹ چوڑیاں بنائی ہیں یا سونے کی اینٹیں لے رکھی ہیں اس کے بھائی نے..... یہ پوچھا۔ اب میں کیا بتاتی انہیں۔"

مومنہ کو ہنسی آگئی۔ امی نے اسے گھور کر دیکھا۔

اچھی تو نہیں لگ رہی تھی اس وقت یوں ہنستے ہوئے۔ ان کی ماں کی آخری نشانی گم کر ڈالی۔ اوپر سے ساری رات بے سکون کر رکھا۔ پھر نند کو جا کر منانا سب سے مشکل کام۔

☆☆☆

"چوہدری صاحبہ! دو پیاز تو دینا۔"

www.pklibrary.com

مومنہ نے کتاب ہاتھ سے رکھی اور پیاز والی ٹوکری کی طرف چلی گئی۔ یہ دوسری یا تیسری لڑکی تھی جو آج اس سے پیاز لینے آئی تھی۔ اور کم و بیش روز اتنی ہی لڑکیاں آتی تھیں۔ کبھی لہسن کبھی پیاز کبھی دیسی گھی لینے۔

"بڑی خوش قسمت ہو چوہدری صاحبہ ...... خالص دودھ، دہی، مکھن کھاتی ہو۔" لڑکیاں اس سے کہتی تھیں۔ اور جو نعمتیں پہلے کبھی نعمتیں نہیں لگی تھیں، ان کی قدر یہاں آ کر ہونے لگی تھی۔

جامعہ سندھ ایسی یونی ورسٹی ہے جہاں ہر طبقے کا طالب علم آتا ہے۔ کروڑ پتی ماں باپ کی اولاد بھی اور روپیہ روپیہ گن کر خرچ کرنے والے کے بچے بھی۔ درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والے زیادہ طالب علم تھے۔ ہاسٹل میں بھی گرچہ ہر طبقے کی لڑکی تھی لیکن مڈل کلاس اور لوئر کلاس سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں زیادہ تھیں۔ ان میں کچھ ایسی تھیں جو میس کا بل تک دے نہ سکتی تھیں، اس لیے آدھا کپ چاول پکا کر، کبھی دو آلو ایک پیاز ایک ٹماٹر کے ساتھ سالن بنا کر گزارا کرتی تھیں۔ ان لڑکیوں کو قدر تھی ایک ٹماٹر، ایک پیاز، لہسن کے کچھ جووں، چاول کے ایک کپ، گھی کے چند چمچ کی۔

وہ چیزیں جو ماں اور امی زبردستی اس کے ساتھ روانہ کر دیتی تھیں، ان چیزوں کو یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ لڑکیاں اسے "چوہدری صاحبہ" کہتی تھیں اور جن لڑکیوں کو پتا تھا کہ ان کی دوڈھائی سوا یکڑ زمینیں ہیں، وہ تو مزید مرعوب ہو جاتی تھیں۔ اور مومنہ کو یہ اچھا لگتا تھا۔ اس کو عجیب سی تسکین ملتی تھی۔

زبیدہ کو پیاز دے کر اس نے پھر کتاب اٹھائی ہی تھی کہ اسود کا میسج آ گیا۔

"گیٹ پر ہوں۔ جلدی آؤ۔"

وہ ایسے ہی آتا تھا ہمیشہ جلدی میں۔ اکثر تو ہاسٹل کے اندر بھی نہیں آتا بس باہر ہی سے مل کر چلا جاتا تھا۔ آج بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے سر پہ پیار دیا۔ اور جیب سے چند نوٹ نکال کر، اس کی طرف بڑھائے۔

"مجھے ابو نے دیے تھے پیسے۔" وہ بولی۔

"ہاں...... مگر ضرورت پڑ جاتی ہے۔" اس نے نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ مومنہ جان گئی۔ آج اس کو ٹیوشن فیس ملی ہو گی۔ وہ اس میں سے مومنہ کو ضرور حصہ دیتا تھا۔

"امل کیسی ہے؟" وہ اس کا حال بھی ضرور پوچھتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اسود کے منہ سے اس کا نام سن کر مومنہ کے چہرے پہ شرارتی سی مسکراہٹ آ جاتی تھی اور اسود نگاہ چرا جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بہن بھائی اس کے لیے کیا سوچتے ہیں مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امی اس کے لیے کیا سوچتی ہیں۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ فاطمہ سے کہے کہ وہ امی کو منائے۔ پھر سوچتا کہ امی کو تو وہ بھی منا ہی لے گا۔ اصل مسئلے تو کچھ اور ہیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ملک سے باہر چلا جائے۔ ہاں ...... یہ ہی ایک حل نظر آتا تھا اسے۔

"امل سے مل کر جایئے گا ورنہ وہ بعد میں خفا ہوتی ہے کہ آپ اس سے مل کر نہیں گئے۔"

"پھر آؤں گا۔ آج کچھ کام ہے۔"

وہ چلا گیا تو مومنہ اندر آئی۔

"مومنہ...... مومنہ۔"

وہ اپنے دھیان میں جا رہی تھی جب اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی۔ اس نے لان کی طرف دیکھا۔ وہ عبیرہ تھی جو اسے بلا رہی تھی۔ وہ اس بینچ کی طرف چلی آئی جہاں عبیرہ کھڑی تھی۔

"میرے پاپا۔" اس کے قریب آنے پہ عبیرہ نے بینچ پہ بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کیا۔

مومنہ نے انہیں سلام کیا۔ وہ بہت باوقار اور بارعب لگ رہے تھے۔ پھر اس نے اپنی ممی اور چھوٹے بھائی کا تعارف کروایا۔

"عبیرہ اکثر ذکر کرتی ہے آپ کا۔ اس نے بتایا کہ کافی زمینیں ہیں آپ کی۔" عبیرہ کی ممی نے

www.pklibrary.com

مسکراتے ہوئے کہا۔
"جی۔" اس نے سر ہلایا۔
"ماشاءاللہ...... زمینداروں اور مل والوں کا بڑا تعلق ہوتا ہے۔" ممی ہنسیں۔
"ظاہر ہے...... ہم ان کا گنا نہیں لیں گے تو کون لے گا...... ویسے کیا نام ہے آپ کے فادر کا؟"
عمیرہ کے پاپا نے پوچھا تو اس نے ابو کا نام بتا دیا۔ چند اور باتیں کر کے وہ احمل کے بلاک کی طرف آ گئی۔
اسے عمیرہ کی ممی اور بھائی اچھے لگے تھے۔ البتہ پاپا کچھ زیادہ نہیں۔

☆☆☆

کچھ لڑکیاں سانپ اور نیولے کی لڑائی دیکھنے کے لیے اور کچھ مٹی کے رنگ برنگے برتن خریدنے کے لیے باہر ہی رک گئیں۔ باقی اس شہر خموشاں میں داخل ہو گئیں جو تاریخی، عالمی اور ثقافتی ورثہ ہے۔ مکلی...... دنیا کے بڑے قبرستانوں میں سے ایک۔
پتا نہیں جائے عبرت لوگوں کے لیے تفریح کا سامان کیوں بننے لگی تھی۔ تصویریں بن رہی تھیں، ہنسی مذاق ٹھٹھا چل رہا۔ یہ کسی طور صحیح نہ تھا۔ البتہ یہ مہربانی کہ زیادہ تر لڑکیوں نے سر ڈھانپ لیے تھے۔
"کیسے کیسے لازوال کرداروں کا مدفن ہے یہ زمین۔" حفصہ نے بہادر اور شجاع سپہ سالار مبارک خان کا نام پڑھتے ہوئے کہا، جسے دنیا دولہا دریا خان کے نام سے جانتی تھی۔
تہمینہ مزاروں کے آرکی ٹیکچر میں کھوئی ہوئی تھی۔ مومنہ کو یہاں سے نکل جانے کی جلدی تھی...... ہر طرف قبریں ہی قبریں، مزار ہی مزار۔ اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ احمل کی البتہ وہ کیفیت نہیں تھی جو آج سے کچھ سال پہلے تھی جب وہ فیملی ٹرپ پہ مکلی آئی تھی۔ تب اسے اپنا آپ بھی مکلی لگتا تھا...... اب نہیں...... اب وہ پُر حیات راہوں کی مسافر تھی۔ آج اسے قبروں کے بیچ وحشت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر وہ کسی سوچ میں ڈوبی لگتی تھی۔

"یار...... میم سے کہو اب کینجھر چلیں ناں...... مجھے بوٹنگ کرنی ہے۔" مومنہ نے دہائی دی۔
"ہاں اور مجھے نوری جام تماچی کے مزار پہ بھی جانا ہے۔" حفصہ بولی۔
نوری جام تماچی کی آخری آرام گاہ، جھیل کے بیچوں بیچ بنی ہے۔ ایک جمنا کنارے تاج محل اور ایک کینجھر کے بیچ نوری کا مزار...... دونوں کی بناوٹ کا کوئی موازنہ نہیں۔ ایک دنیا کا مہنگا ترین اور دوسرا سادہ ترین مقبرہ۔ مگر دونوں کے ساتھ محبت کی امر ہو جانے والی داستان جڑی ہوئی ہے۔
"تم گھنٹہ بھر سے ایک قبرستان میں گھوم رہی ہو...... ابھی بھی تمہیں مزار پہ جانا ہے۔" مومنہ نے اسے گھورا۔
"تم کیا جانو لڑکی! نوری اور جام تماچی کی محبت، ایک حکمران اور ایک مچھیرن کا عشق۔"
"مجھے لو اسٹوریز میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" اس نے بے نیازی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے احمل کی طرف دیکھا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو امت...... درگا۔"
وہ چونکی، جواب کوئی نہیں دیا۔ وہ انہیں کیا بتاتی کہ وہ سوچ رہی ہے۔
"کتنے لوگ ہیں جو روز آتے ہیں، صبح شام آتے ہیں، اور ان قبروں پہ دعا مانگتے ہیں۔ میری قبر پہ بھی کوئی آیا کرے گا؟ کیا دنیا کو کبھی خبر پڑے گی کہ وہ کوئی دیوی نہیں ایک احمل ہے۔ میری قبر بنے گی یا...... یا راکھ؟" اس کی آنکھوں میں نمی اتری اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر اس نمی کو بہتے آنسو بننے سے روکتی۔
"یہ دیکھو...... لوگ مزاروں کو بھی نہیں چھوڑتے۔" تہمینہ ایک دیوار پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی، جس کی ٹائلز جانے کون اکھاڑ کر لے گیا تھا۔
"ہاں تو چرسی موالی بھی لڑھکے ہوتے ہیں ان بیچا قبروں کے پاس۔ جب داؤ چلتا ہے [illegible]

www.pklibrary.com

ہے تو دکھا دیتے ہیں ہاتھ۔ حکمران، شاعر، مفکر، جنگجو جانے اور کون کون دفن ہے یہاں۔ یونیسکو نے اس قبرستان کو ورلڈ ہیریٹیج قرار دیا ہے۔ اور ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔'' حفصہ نے افسوس سے سر ہلایا۔

نوری کے مزار پہ پہنچ کر ایک پرانی شام اجل کی نگاہ میں اتری۔

پچھلی بار جب وہ لوگ آئے تھے، اس جیل پہ تو محبت کی یادگار نوری جام تماچی کے مقبرے پہ گئے تھے۔ اس جگہ جہاں لوگ منت مانگتے ہیں اپنی محبت کو پانے کے لیے، اس جگہ موٹر بوٹ میں اس نے جلدیش میشوری کو دیکھا تھا جو لاجونتی کے ساتھ ماضی کے ان عشقیہ کرداروں سے ملنے اوپر نہیں گیا تھا۔ وہ موٹر بوٹ میں بیٹھا رہا تھا اپنی سالی کے ساتھ جسے اوپر چڑھتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ اور اس کی دو کزنز بھی اوپر نہیں گئی تھیں۔ کزنز فوٹو گرافی میں لگ گئی تھیں۔ وہ بھی بے دلی کے ساتھ تصویر بنوا رہی تھی جب ہوا سے بے قابو ہوتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ یونہی مڑی تھی۔ وہیں، اس وقت اس نے دیکھا تھا جلدیش میشوری اور اس کی سالی کو نازیبا اشارے کرتے ہوئے۔

وہ ششدر رہ گئی تھی۔

وہ شخص جس نے لاجونتی کے خاندان بھر سے لڑ کر، اس کی پہلی منگنی ختم کروا کر، اس کے عشق میں پاگل ہو کر اس سے شادی کی تھی۔ وہ شخص جس کی وہی بیوی منت مانگنے محبت کی یادگار پہ گئی ہوئی تھی، وہی شخص اسی بیوی کی بہن کے ساتھ.....

بھاؤ اس کو کبھی اچھے نہیں لگے تھے مگر اس پل اسے ان سے گھن آئی تھی۔ اور آج جب لاجونتی بہک رہی تھی بھٹک رہی تھی تو اسے اپنے بھاؤ کے لیے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ پتا نہیں اسے لاجونتی اچھی نہ لگ رہی تھی یا بے وفائی۔

☆☆☆

''بت تو مسلمانوں نے بھی بنا لیے۔''

اس کے ذہن میں پنڈت شو مہاراج کی کہی گئی یہ بات کئی دن تک رہی۔ اسے تب سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر اب سمجھ میں آنے لگی تھی۔ وہ ششدر رہی، دکھی تھی۔ مکلی سے واپسی پہ اس کا دل بوجھل تھا۔ اور اب اس نے کئی اولیاء کے مزاروں کی وڈیوز دیکھی تھیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ اللہ کے نیکوکاروں کو، اللہ کے چاہنے والوں کو بعد میں دنیا والوں نے کیا بنا ڈالا۔

قبر پہ سجدہ..... اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ اس نے کئی ایسی ویڈیوز دیکھی تھیں جو یوٹیوب پہ موجود تھیں۔ اس میں اس نے لوگوں کو قبروں کو سجدہ کرتے پایا۔ کسی درگاہ کسی مزار پہ بیٹھے مجاور نے کسی کو ایک بار بھی اس عمل سے منع نہیں کیا۔

مسلمانوں کے بت پتھر کے صنم نہ تھے۔ ان کے بت قبروں میں پڑے مردے تھے۔ جن سے وہ منتیں مانگتے تھے۔ جن کے لیے انہیں گمان تھا کہ وہی ان کی ہر تکلیف دور کریں گے۔ وہی اولاد عطا کریں گے، وہی صحت دیں گے، وہی ہر بگڑی سنواریں گے۔ انسان اپنی کم عقلی میں حد پار کر گیا۔ اس نے اللہ کے ولیوں، اللہ کے نیک بندوں کو وسیلہ بنانے کے بجائے کیا بنا ڈالا۔ اسلام میں تو تعظیمی سجدہ تک جائز نہیں۔ جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو کیا۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے والد اور بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا۔ جو صرف تعظیم کی غرض سے تھا عبادت کی نیت سے نہیں۔ دینِ اسلام میں وہ بھی جائز نہیں۔

اب اس پہ ہر وقت جلدیش میشوری اور پری کی نظریں نہ رہتی تھیں۔ وہ بہت ساری ایسی کتب کا مطالعہ کر سکتی تھی، جو اس کے لیے کبھی ممنوع تھیں۔ اس کے لیے اسے لائبریری جانا نہیں پڑتا تھا۔ اس کا موبائل کافی تھا۔

اس نے پڑھا تھا۔ کئی روایات اور احادیث ثابت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے سختی سے منع فرمایا گیا۔

www.pklibrary.com

اور کچھ دن بعد احتل کو پتا چلا کہ صرف قبر کو بت نہ بنایا گیا تھا۔ یہاں تو زندہ پیروں، عاملوں، روحانی پیشواؤں کو سجدہ کیا جا رہا تھا۔ یہ اس دن کی بات ہے جب وہ مومنہ کو ڈھونڈتی ہوئی ٹی وی ہال میں آئی تھی۔ مومنہ ایک لڑکی کے ساتھ بات کر رہی تھی۔ اس نے اسے پانچ منٹ انتظار کرنے کا کہا۔ اس دوران اس کی توجہ ٹی وی پہ چلتے پروگرام پہ مبذول ہوئی۔

''میری پانچ بیٹیاں ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ مجھے بیٹا دے گا۔'' کوئی عورت آنسو پونچھتے ہوئے اپنی غمگین داستان سنا رہی تھی۔ وہ ایک جعلی عامل کے ہاتھ زیادتی کا شکار ہوئی تھی یہ یقین رکھ کر کہ اس عامل کی نظر کرم سے اسے بیٹا نصیب ہوگا۔

اے میرے اللہ.....

احتل سے سانس لینا دشوار ہوا۔

یہاں تو لوگ جعلی عاملوں کو بھی حاجت روا مانے بیٹھے تھے۔

پھر بات یہاں تک نہ رہی۔ وہ مزید گہرائی میں گئی تو اس نے یہ جانا کہ یہ آج کل کے بنے دین کے علم بردار، روحانی پیشوا بت بنے بیٹھے تھے۔ اس نے ایسی ویڈیوز دیکھی جہاں ان کے آگے جھکا جا رہا تھا۔ وہ منع کرنے کے بجائے ان کے سر پہ ہاتھ رکھتے تھے۔ انہیں ان کا ہر غم ان کی ہر تکلیف دور ہونے کی نوید دیتے تھے۔ وہ کھلے عام کہتے تھے کہ ان کی طرف آؤ اور من کی ہر مراد پاؤ۔

او..... رہا..... وہ لڑکی وہ ایک احتل ششدر تھی کہ مسلمانوں کے، پتھر مٹی کے صنم یا سونے چاندی کی مورتیں نہ تھیں۔ ان کے بت انسان تھے۔ قبروں میں پڑے مردے تھے، جعلی عامل تھے، دین کو ٹکڑوں میں بکھیرنے والے سطحی پیشوا تھے، کرسی پہ بیٹھے طاقت ور تھے، خزانے کے منہ پہ بیٹھے دولت مند تھے۔

بت..... آہ..... بت ہی بت تھے ہر طرف۔

☆☆☆

دو آنکھوں نے مسلسل اسے دیکھا تھا۔ اس کرسی پر وہ آ کر بیٹھا تو اس نیت کے ساتھ تھا کہ جو چند گھنٹے فرصت کے ملے ہیں، ان میں کچھ پڑھ لے۔ مگر اب کتاب پہ نظر جمائے رکھنا محال ہوا۔ کھڑکی سے نظر آتی لڑکی اسے ہمیشہ ہی مشکل میں ڈالا کرتی تھی۔ وہ اسے سامنے پا کر کوئی اور کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف ڈالی اور کمرے سے نکل کر اس کے قریب آیا۔

وہ باتیں کر رہی تھی۔ اسے حیرت نہ ہوئی۔ یہ اس لڑکی کی پرانی عادت تھی۔ پہلے اسے لگتا تھا کہ یہ خود کلامی ہے پھر آہستہ آہستہ بھید کھلا کہ وہ خود کلامی نہیں کرتی وہ کسی سے باتیں کرتی ہے۔ کس سے کرتی ہے۔ یہ اسرار بھی اسرار نہ رہا۔ یہ راز بھی دھیرے دھیرے کھلا کہ وہ کس نام کی مالا جپتی ہے۔ اور وہ بے مزا ہوا۔

اسے اس ہستی، اس ذات میں کوئی دلچسپی نہ تھی جو دیوی کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ ایسی کوئی ذات ہے ہی نہیں۔ وہ بت پرست بھی نہ تھا۔ اس نے کسی برہما، کسی وشنو، کسی شو کی پوجا بھی کبھی نہ کی تھی۔ اگر کہا یہ جاتا کہ وہ بے دین ہے تو شاید مناسب رہتا۔

اگر کوئی بھگوان، کوئی خدا، کوئی گاڈ ہوتا تو زمین پہ انسان کا وہ حال ہوتا جو ہو رہا ہے؟

اس کا دین، دھرم، ایمان یہ لڑکی تھی جو اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ دنیا صرف اس لیے بنی کہ اس میں اس لڑکی نے رہنا تھا۔ مسکراہٹ صرف اس لیے بنی کہ اسے ان ہونٹوں پہ سجنا تھا۔ آنسو اس لیے بنے کہ انہیں ان آنکھوں میں جھلملانا تھا۔ وہ اس سے زیادہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کم سے کم اس لڑکی پہ نظر پڑنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے بالکل پیچھے آ کھڑا ہوا۔ کہنا تو وہ چاہتا تھا جو کہہ نہیں پاتا تھا۔ پتا نہیں کیوں۔ ڈرتا تھا اس سے، اس کے ردعمل سے۔

www.pklibrary.com

وہ اس کا غصہ تو سہہ جاتا، اگر وہ خفا ہو جاتی تو کیا کرتا۔ خیر امتحان اس سے بھی کٹھن درپیش تھا۔ وہ اپنی اوقات نہیں بھولتا تھا۔

ہاں وہ بزدل تھا اور بزدلی کے سبق دیتا تھا۔ اسی بات پہ خفا ہو کر اس کے کمرے سے نکلی تھی ناں وہ اس دن۔ کیا کرے۔ غلام زادہ تھا، کوئی تھا شودر تھا۔ اسے آقا زادی سے محبت کرنے کا کیا حق تھا۔ حق تو راجیو کے پاس تھا جو آقا تھا، رائے تھا، برہمن تھا۔ یا شاید حق اسود کے پاس تھا جو چوہدری تھا۔ آقا نہ تھا برہمن نہ تھا مگر اس کی سلطنت وہ نگر تھا جو ماروی کا ملیر تھا۔ یہاں آ کر وہ سب پہ سبقت لے جاتا تھا۔ وہ چوہدری نگر کا چوہدری سوریا بن بیٹھتا تھا جو دیوی کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

وہ۔ رام کوئی۔ آسمان سے تارے توڑ لاتا، وہ پہاڑوں کا سینہ چیر کر نہریں کھود ڈالتا، وہ مٹی ہو جاتا خاک ہو جاتا پھر بھی دیوی کی نگاہ میں سما نہ پاتا۔

وہ ایک دفعہ پھر حوصلہ ہار کر پلٹنے لگا۔ جب اس کے کان میں دیوی کی آواز پڑی۔ وہ ششدر رہ گیا۔ وہ اپنے احد سے کیا کہہ رہی تھی، کیا مانگ رہی تھی؟ رام کوئی اسی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"تم ایسا کرو کہ عیرہ کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"ہیں؟" اسے لگا، اس نے غلط سنا ہے۔ اسود نے پھر اپنی بات دہرائی۔

"ابو تو غصہ نہیں ہوں گے؟"

"نہیں۔ میں اور ابو عیرہ کے فادر سے مل چکے ہیں، اچھی فیملی ہے۔ تم بھلے چلی جاؤ ان کے ساتھ۔ میں ہمایوں سے کہتا ہوں کہ وہ ابو کو بتا دے اور تمہیں شہر سے لے لے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ خوش ہوئی۔ آج تو غیر متوقع سی بات ہو گئی تھی یہ اس کے لیے۔

پورا ہاسٹل خالی ہو رہا تھا۔ سمسٹر ایگزامز کے بعد زیادہ تر لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئی تھیں۔ جن لڑکیوں کے پریکٹیکل یا پروجیکٹ رہ گئے تھے، صرف وہی نظر آ رہی تھیں۔

امثل بھی آج چلی گئی تھی۔ وہ اپنے آخری پریکٹیکل تک رکتی مگر ممی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے چلی گئی۔ کل اس نے بھی فری ہو جانا تھا مگر اسود اب انٹرن شپ کے لیے کراچی میں ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ IELTS کی تیاری بھی کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے آسٹریلیا، کینیڈا یا امریکہ کے لیے اسکالرشپ مل جائے۔ اس کی مصروفیات آج کل بہت بڑھ گئی تھیں اس لیے جب وہ فارغ ہوتا تھا تب ہی مومنہ بھی گھر جا چکی تھی۔ مگر اب ہاسٹل خالی ہو رہا تھا۔ وہ رک نہیں سکتی تھی۔ اور اسود کا کل IELTS کا ٹیسٹ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ابو یا ہمایوں کو ہی بلانا پڑے گا مگر اسود نے خود ہی اسے عیرہ کے ساتھ جانے کے لیے کہہ دیا۔ اور عیرہ کو جب اس نے بتایا تو وہ بہت خوش ہوئی۔

"تو تمہارے بھائی کو اعتبار آ ہی گیا مجھ پر۔"

"نہیں۔ اعتبار کی بات نہیں۔ ابو نے مجھے یونیورسٹی ہی اس شرط پہ آنے دیا تھا کہ اسود بھائی میری پوری ذمہ داری اٹھائیں۔" اس نے شرمندہ سا ہوتے ہوئے وضاحت دی۔

"آئی نو یار۔ مذاق کر رہی ہوں۔" عیرہ نے چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے کہا۔

اگلے دن وہ اس کے ساتھ بدین آئی تھی۔ عیرہ کا بھائی اسے لینے آیا تھا۔ مومنہ، عیرہ کے ممی ڈیڈی اور چھوٹے بھائی سے پہلے مل چکی تھی۔ عامر سے وہ پہلی بار مل رہی تھی۔ ہاں ذکر خوب سن چکی تھی۔ وہ آرمی میں تھا۔ کیپٹن تھا۔ اس سے مل کر مومنہ مرعوب سی ہوئی۔ اس کی شخصیت جاذب نظر تھی۔ اور پھر جو اس کے نام کے ساتھ "کیپٹن" لگا تھا تو مزید پرکشش لگنے لگا تھا۔

"بھائی! مومنہ کو آرمی والے بڑے اچھے لگتے ہیں۔" عیرہ بھائی کو بتا رہی تھی اور وہ شرمندہ سی ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ جبکہ عامر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

www.pklibrary.com

"اس کا مطلب ہے کہ مومنہ کی فیملی سے کوئی آرمی میں نہیں ہے۔"

مومنہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ کیسے جانتا تھا۔ واقعی ان کے خاندان میں کوئی بھی آرمی یا کسی بھی دوسری فورس میں نہیں تھا۔

"بھئی وہی دیتے ہیں اتنی عزت۔ جہاں آدھا خاندان آرمی میں ہو، وہاں کیا قدر۔ کیپٹن بننا تو جیسے معمول کی بات تھی۔ نہ ڈیڈی کی ایکسائٹمنٹ نہ خاندان بھر کی طرف سے کوئی شاباشی۔"

"کہہ تو ٹھیک رہے ہیں آپ بھائی۔" عمیرہ ہنسی۔ "افسردہ نہ ہوں۔ قدر کرنے والے بیٹھے ہیں آج آپ کے ساتھ۔ یہ بتائیں کرنچ کہاں سے کروا رہے ہیں آپ۔"

"جہاں کہو۔" اس نے جواب دیا۔

عمیرہ مختلف جگہوں کے نام گنوانے لگی۔

"عمیرہ۔ کھانا گھر جا کر کھائیں گے۔ دیر ہو جائے گی۔" مومنہ کہیں رکنا نہیں چاہتی تھی۔ پتا نہیں کیوں اسے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی شاید اس لیے کہ پہلی بار باپ بھائی کے بنا سفر کر رہی تھی۔ ہمایوں کے ساتھ بھی وہ سفر کر چکی تھی مگر اس کے ساتھ گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی۔

"فکر نہ کریں۔ آپ سے مل نہیں لیں گے۔" جواب عامر کی طرف سے آیا تھا۔

"نہیں۔ ایسی بات نہیں۔" اس نے ہاتھ آپس میں ملتے ہوئے کہا۔

بیک ویو مرر سے اسے دیکھ کر وہ جانے کیوں ہنس دیا تھا۔

وہ لوگ کینٹون چائنیز ریسٹورنٹ چلے آئے تھے۔ عمیرہ نے مینو کارڈ اس کے سامنے رکھ کر اس کی رائے لی مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ اپنی مرضی سے آرڈر کر دیں۔ اور جب ان کی مرضی کی ڈشز سامنے آئیں تو ایک امتحان پیش آیا۔

جھینگے وہ کھاتی نہیں تھی۔ چکن چاؤمن کھانا امتحان تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ایسی کسی جگہ پہلی بار آئی تھی۔ جب بھی حیدرآباد آنا ہوتا تھا یا سر کے پاس کراچی۔ باہر سے اور اچھی جگہ سے وہ کھانا کھاتے تھے۔ مگر ان کے ساتھ وہ جھجک محسوس نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ ان میں وہ ان جیسی تھی۔

ہاسٹل آنے کے بعد اعتل اور ہاسٹل کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ بھی دو تین بار ایسے ریسٹورنٹس آنا ہوا۔ مگر وہاں بے تکلفی تھی۔ کوئی لڑکی چھری استعمال کرتے ہوئے کانٹے میں پرو کر پیزا کھا رہی تھی تو کوئی سکون کے ساتھ ہاتھ سے پیزا کا ٹکڑا اٹھا کر کھانے لگتی۔ چکن چاؤمن میں نوڈلز کچھ گرتے کچھ منہ میں جاتے آدھے منہ سے باہر لٹکے رہ جاتے۔ مگر وہ سب ہنستیں، کھاتیں، گراتیں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر یہاں مسئلہ تھا۔ اعتل، حفصہ یا کسی بھی دوسری لڑکی کے سامنے وہ خود کو پینڈو محسوس نہیں کرتی تھی مگر کیپٹن عامر کے سامنے محسوس کر رہی تھی جو اطمینان سے کھا رہا تھا۔ ان بہن بھائیوں سے وہ مرعوب ہوتی جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے مومنہ! تم کچھ کھا کیوں نہیں رہی ہو؟" عمیرہ اس کی مشکل سے آگاہ نہیں تھی، اس لیے بار بار اصرار کر رہی تھی۔

"کھا رہی ہوں۔" اس نے فرائیڈ رائس کے ساتھ تھوڑا سا چکن منچورین لیا تھا، وہی دانہ دانہ چگ رہی تھی۔ پلیٹ صاف ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا ہمایوں کو بتا دوں کہ مجھے دیر ہو جائے گی۔" وہ موبائل لیے ذرا پرے چلی گئی۔ عامر نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مومنہ کو لگ رہا تھا کہ کھانا ختم ہوا تو شرمندگی بھی ختم ہوئی۔ مگر ایسا کب تھا۔ ایک اور شرمندگی تھی ناں چوہدری ہمایوں سلیمان۔

عامر نے پیشکش کی تھی کہ وہ اسے اس کے گھر تک چھوڑ دیں گے مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ گھر کوئی مہمان کیا آجاتا تھا۔ ایک کے بعد ایک ملنے چلا آتا تھا اور مہمان چاہ کر بھی تعداد گن نہیں پاتا تھا۔ اور ہر

www.pklibrary.com

ایک کا تعارف ایک الگ مرحلہ۔ یہ میری یہ چچی یہ میری وہ چچی۔ یہ اس چاچو کا بیٹا۔ یہ اس چاچو کی بیٹی۔ اوپر سے گاڑی میں آئے مہمانوں کا سواگت کرنے تو پھوپھو فردوس بھی دوڑی چلی آتی تھیں۔ ناں بھئی۔ اسکول کالج کے تجربے بہت تھے۔ ہر چند کہ دو تین کہتیں کہ انہیں اس کے گھر آکر سب سے مل کر بہت مزا آتا ہے۔ اسے لگتا تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہیں۔

اس نے عیرہ اور عامر کو منع کر دیا اور گاڑی اس طرف لے جانے کو کہا جدھر ہمایوں موٹر سائیکل لیے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اس پہ پہلی نظر پڑتے ہی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ منہ کہاں چھپائے۔ یا چوہدری ہمایوں سلیمان کو چچا زاد ماننے سے ہی انکاری ہو جائے۔ کہہ دے کہ یہ جو سلیٹی رنگ کے عام سے قمیص شلوار میں ملبوس پسینہ پسینہ ہوتا شخص کھٹارا سے موٹر سائیکل سے اتر کر ان کی طرف بڑھ رہا ہے، جس کے پیروں میں پڑے سینڈل مٹی سے اٹے پڑے ہیں۔ وہ اسے نہیں جانتی۔

مگر دیر ہو چکی تھی۔

چوہدری ہمایوں سلیمان اخلاق کا پیکر بنا بڑے جوش کے ساتھ کیپٹن عامر حبیب اللہ سے مصافحہ کر رہا تھا۔

☆☆☆

"جانتی تو ہو تم۔ آج کل دھول مٹی کا جھکڑ چل رہا ہے پھر نہر کے کچے رستے پہ موٹر سائیکل دوڑاؤ تو ایسے ہی جوتے مٹی سے بھر جاتے ہیں۔" ہمایوں مومنہ کی خفگی دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کوشش میں اپنی امی کو خفا کر رہا تھا۔

"ایک تو صبح شام ان سب کے فرمان جاری رہتے ہیں۔ ہمایوں! یہ کرنا ہے وہ کرنا ہے۔ میرا بیٹا نہ ہوا غلام ہی ہو گیا ان لوگوں کا۔ اپنے بیٹوں نے زندگیاں سنوار لیں۔ ایک کراچی چلا گیا بیوی کو لے کر۔ دوسرے نے باہر چلے جانا ہے۔ اور میرے بیٹے کو انہوں نے شہر سے گوٹھ اور گوٹھ سے شہر کے چکر ہی لگواتے رہنا ہے پوری عمر۔ اوپر سے اس شہزادی کے نخرے ایسے کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔ باپ سے کہتی کار بھیج دیتا، جہاز بھیج دیتا اسے لینے کے لیے۔ میرے بیٹے کو کیا سنا رہی ہے۔"

آسیہ نے جی ہی جی میں تلملاتے ہوئے مومنہ کو دیکھا۔ انہیں ہمایوں کی منکسرانہ اور ان کی اپنی نظر میں "غلامانہ" سوچ بالکل نہیں بھاتی تھی۔ جتنا وہ کماؤ پوت تھا۔ اس لحاظ سے تو اسے راجہ بنا کر تخت پہ بٹھانا چاہیے تھا۔ پر ناں جی۔ کسی کو چھینک بھی آجاتی تو ہمایوں کی طرف دیکھتا کہ اب وہ شہر جائے اور گولی (ٹیبلٹ) لے کر آئے۔

آسیہ سب کے سامنے تو کچھ نہیں کہتی تھیں مگر اپنے بچوں کے سامنے بڑبڑاتی رہتی تھیں۔ اس کا اثر ہمایوں اور بابر پہ تو نہ ہوتا تھا البتہ ان کی سوچ کسی حد تک گل چہرہ میں بھی منتقل ہوئی تھی۔ اسے بھی لگتا تھا کہ اس کے بھائی نے سب کے کام آ آ کر اپنی قدر و قیمت ہی گھٹا ڈالی ہے۔

یاسر بھائی یا اسود بھائی جو آتے تھے تو سب ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ ان کی خدمت کرتے تھے۔ ان سے کوئی کام نہیں کہتے تھے۔ اسے پھر بھی یاسر اور اسود سے اتنی چڑ نہ تھی کیونکہ وہ ہمایوں کے اچھے دوست تھے۔ اور ہر کام میں اس کے مشورے کو اہمیت بھی دیتے تھے۔

اسے بری مومنہ لگتی تھی جو اس کے بھائی کے ساتھ بڑا ہتک آمیز رویہ رکھتی تھی۔

"چلو، مٹی بھرے جوتوں کی وجہ تو آپ نے بتا دی۔ اب یہ ہاریوں جیسے کپڑے پہن کر آنے کی کیا ضرورت تھی، یہ بتانا پسند کریں گے آپ؟" مومنہ کا غصہ تھا کہ ختم ہونے کو نہ آرہا تھا۔ کتنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی اسے عیرہ اور اس کے بھائی کے سامنے، وہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔

"چلو آئندہ دو دن پہلے بتا دینا۔ درزی سے نیا سوٹ سلوا کر پہن کر آؤں گا۔"

"آئندہ مجھے لینے مت آنا۔" مومنہ نے ہاتھ اٹھا کر انتباہ کی۔

www.pklibrary.com

"ایک دو مہینے تک گاڑی لے رہا ہوں۔ پھر بھی لینے نہ آؤں۔" اس نے جیسے کسی بچے کو لالی پاپ پیش کیا۔

"ہیں بھائی۔ آپ گاڑی لے رہے ہیں؟" مومنہ نے تو کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا البتہ گل چہرہ اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"ان شاء اللہ۔" ہمایوں نے لاڈلی بہن کی آنکھوں میں چمک دیکھ کر دل سے کہا۔

"رہنے دو۔ لے ہی نہ لے تمہارا بھائی گاڑی۔ موبائل تو ابھی تک ڈھنگ کا لے نہیں پایا اور لینے چلا گاڑی۔"

عاصم والی بات اور اس کو اپنا موبائل آفر کرنے کے بعد بھی کئی بار وہ اسے موبائل کا طعنہ دے چکی تھی مگر اب ہمایوں کا دل نہیں دکھتا تھا۔

اسے مومنہ کے عاصم سے کہے گئے وہ جملے یاد آجاتے تھے جو اس کے لیے مان تھے، مرہم تھے یا شاید محبت تھے۔ احمل کے بھائی کے حوالے سے کہا گیا اس کا جملہ بہت جلدی اس کے حافظے سے نکل گیا تھا۔ وہ مومنہ کے لیے کوئی بھی رنجش زیادہ دیر تک دل میں رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

"دوسروں کے خرچے پورے ہوں تو میرا بیٹا اپنے ارمان پورے کرے ناں۔ کبھی کسی کی شادی آجاتی ہے، کبھی کسی کی فیس آجاتی ہے۔ کبھی کسی کی زچگی آجاتی ہے۔ پہلے رباب اب یہ بی بی۔"

آسیہ نے کڑھ کر ارم کی طرف دیکھا جو پھر امید سے تھی۔ اور تینوں بچوں کی طرح اس بچے نے بھی بڑے آپریشن (سی سیکشن) کے بعد دنیا میں آنا تھا۔ اور ہر بار سفیان مانگے نہ مانگے، بڑے بھائی ڈاکٹر کی فیس اور اسپتال کے تمام اخراجات کی رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے تھے۔

مومنہ اور آسیہ میں ایک قدر مشترک تھی۔ دونوں کو جوائنٹ فیملی سسٹم پسند نہیں تھا۔ مومنہ کھل کر اظہار کرتی تھی اور آسیہ ایسا کر نہ سکتی تھیں کیونکہ انہیں شوہر کا ڈر تھا۔ جب بھی انہوں نے الگ ہونے کی بات کی، ان کا غصہ دیکھا۔ کئی کئی دن تک خفگی دیکھی۔ انہیں گلہ تھا کہ ان کے شوہر نے کبھی ان کے دل کا حال جاننے کی کوشش نہ کی۔ سائبھی نہ بنے بس چوہدری بنے رہے۔ بیوی کی رائے کو کبھی اہمیت نہ دی، بیوی کی خواہشات کو کبھی اہم نہ جانا۔ ان کے لیے بھائی بھابھیاں زیادہ خاص تھے۔ اور اب انہیں ڈر تھا کہ اولاد بھی ان پہ ہی نہ چلی جائے۔

"گاڑی والی امیر دوستیں اور ان کے بھائی۔ پائی صاب نے بڑی آزادی دے دی ہے بیٹی کو۔" آسیہ کی بڑبڑاہٹ گئی گئی ہمایوں کے کان تک۔

☆☆☆

گاڑی حیدرآباد سے جامشورو کے رستے پہ بھاگ رہی تھی اور رابعہ تسیم ڈائری کھولے اس پہ تیزی کے ساتھ نظریں دوڑا رہی تھی۔ گھنگریالے بالوں والی وہ بے نیازی سی لڑکی کتابوں میں کھوئی رہتی تھی۔ بات کم ہی کرتی تھی اور اگر کرتی بھی تھی تو اس میں کپڑوں، جوتوں، میک اپ، ہیر اسٹائل، فیشن کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ چیونٹیوں کے بل کے پاس بیٹھ کر وہ آٹے کی چٹکی ڈالتی تھی، ان سے باتیں کرتی تھی۔ لڑکیوں کو وہ عجیب لگتی۔ کچھ کو لگتا کہ مختلف نظر آنے کے لیے وہ ہمہ وقت کتاب کے ساتھ یا عجیب حرکتیں کرتی نظر آتی ہے۔

جو بھی تھا۔ اس وقت کار کی پچھلی نشست پہ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی سندھو دریا کے پل کی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اگر رابعہ تسیم اسے نہ ملتی تو وہ پنڈت شو مہاراج سے کیسے ملتی، جو ہر سال کسی پوجا میں اس کے گھر آتے تھے اور وہ ان کی ذات سے بے خبر تھی۔ بھاؤ کے دوست پنڈت شو مہاراج سے وہ یوں کبھی متعارف نہ ہوتی جس طرح اس گھنگریالے بالوں والی لڑکی کے ذریعے ہوئی۔

پنڈت شو مہاراج۔ عجب بندے تھے۔ آج جب حیدرآباد میں ان کے لیکچر کے بعد رابعہ کے ساتھ ان سے ملی، اور رابعہ ہندی میں ان کے دیے گئے ٹاسک کو پورا کرنے میں مگن ہوئی تو وہ اس کی

www.pklibrary.com

طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اور اس سے بھاؤ اور ممی کا حال احوال پوچھنے لگے تھے۔ تب وہ اس موضوع پہ آئی تھی جو حفصہ کے روم میں ڈسکس ہوا تھا۔

"ہندو اپنی لڑکیوں کی شادی درخت کے ساتھ کر دیتے ہیں۔" اسے ابھی تک یقین نہ آتا تھا کہ انسان اتنا گر سکتا ہے۔

"غیر فطری شادیاں تو ہر ملک، ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں۔"

اس کو یقین نہ آتا تھا۔

"پھر عورت عورت سے شادی کرتی ہے۔ مرد مرد کے ساتھ۔ یہ فطری ہے کیا؟"

وہ چپ تھی بالکل چپ۔

"اور ایسی شادی تو مسلمان بھی کرتے ہیں۔"

"جی نہیں۔" اس کا فوری ردعمل سامنے آیا، اس کی چپ ختم ہوئی۔ پنڈت شو مہاراج مسکرا دیے۔ اسے ان کی مسکراہٹ بری لگی۔

"آپ۔ آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس۔"

"ثبوت بھی ہے جواب بھی ہے۔ مگر پنڈت شو مہاراج بتائے گا یا کوئی بھی دوسرا ہندو تو تمہیں برا لگے گا۔ تمہیں ہندو دھرم برا لگتا ہے، اس لیے اس کے خلاف جتنا بھی کوئی بول لے، تمہیں نا گوار نہیں گزرتا۔ فوراً مان جاتی ہو بلکہ تمہارے اندر کہیں خوشی اترتی ہے۔ تمہیں اسلام سے محبت ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا کڑوا سچ بیان کروں گا تو تمہیں برا بھی لگے گا اور تم مانو گی بھی نہیں۔ اس لیے جواب تمہیں خود ہی ڈھونڈنا ہے۔ رابعہ کوئی مشکل تو نہیں آ رہی۔" انہوں نے اسے جستجو میں لگا کر رابعہ کو پکارا جو دور بیٹھی اپنا ٹاسک پورا کر رہی تھی۔

"عجیب ہیں یہ پنڈت شو مہاراج۔ ان کی باتوں کو تو سیریس لینا ہی نہیں چاہیے۔ یہ شاید مجھے اسلام کی طرف سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ بھاؤ نے کہا ہوگا انہیں۔" اس نے سوچا اور سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے جامشورو پھاٹک پہ جمع ہوتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی جو ریل گاڑی کے گزر جانے کے انتظار میں تھیں۔

"پنڈت جی سچ کہتے ہیں۔" رابعہ نے ڈائری سے سر اٹھاتے ہوئے اپنا چشمہ ناک پہ صحیح کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور رابعہ کو دیکھنے لگی۔

"کیا؟" مری مری سی آواز میں پوچھا۔

"مسلمانوں میں بھی ہوتی ہیں ایسی شادیاں۔"

اجل کو لگا کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ ریل گاڑی گزر رہی تھی۔ اس کی مخصوص "چھک چھک" تھی، گاڑیوں، رکشوں کے ہارن تھے۔ اسے گمان ہوا کہ کچھ غلط سن لیا۔ مگر ریل گاڑی گزر جانے کے بعد پھاٹک کراس کر لینے کے بعد گاڑیوں کے اژدہام سے نکل آنے کے بعد ہاسٹل کو جاتی سڑک پہ گاڑی آ جانے کے بعد رابعہ نسیم نے اپنا جملہ دہرایا۔

"مطلب مرد اور مرد کی شادی اور۔" اس کی آواز مزید گھٹ گئی تھی۔

رام نے بیک ویو مرر سے اسے دیکھا۔

"مغرب کی نقالی میں تباہ ہوتے مسلمان شاید یہ بھی کرتے ہوں گے۔ مگر میں کسی اور غیر فطری نکاح کی بات کر رہی ہوں۔"

ایک دم اجل کا دل چاہا کہ رابعہ چپ ہو جائے۔ جلدی سے ہاسٹل آ جائے۔ یہ موضوع یہیں ختم ہو جائے۔ وہ کوئی اور بات نہ کرے خاص طور پر رام کے سامنے۔ ایک ہندو کے سامنے۔ لیکن آسمان اس کے سر پہ تب آ گرا جب اس ہندو نے ہی گفتگو میں حصہ لے لیا۔

☆☆☆

جگدیش مہیشوری نے درگا کے لیے گھر خریدا تھا۔ ممی خوش تھیں اور حیران زیادہ۔ ان کے بیٹے کو اپنی بہن کی پروا تھی، خیال تھا۔ ورنہ زیادہ تر ہندو سونا اور صرف سونا بنائے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نچلے طبقے کا ہندو بھی دن میں پانچ سو کمائے تو سو بچا کر اتنی رقم

www.pklibrary.com

اکٹھی کر لیتا ہے کہ آدھا تولہ ہی سہی، سونا اس کی ملکیت میں ہو۔ سونا خرید نے کو وہ بہت فوقیت دیتے ہیں اکثر اس لیے کہ بہترین سیونگ ہے یہ۔

جگدیش مہیشوری نے بھی بہن کے لیے ڈیڑھ سو تولے سونا لے رکھا تھا۔ جہیز میں گاڑی بھی دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اب گھر بھی لے لیا۔ ممی خوش تھیں اور حیران زیادہ۔ پتی پرمیشور کے گزر جانے کے بعد، جگدیش کا درگا کے ساتھ سلوک دیکھنے کے بعد انہیں کبھی نہ لگا تھا کہ وہ بہن کے بارے میں اتنا سوچتا ہو گا۔

بے شک رام مہیشوری بہت کچھ چھوڑ کر گئے تھے۔ مگر گائتری دیوی کے دل میں کہیں نہ کہیں یہ خدشہ رہتا تھا کہ جگدیش ان ماں بیٹی کو ہر شے سے محروم نہ کر دے۔ سارے پاورز اس کے پاس ہی تو تھے۔ سارا کاروبار، سارا پیسہ اسی کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اب وہ مطمئن تھیں۔ اور جہاں تک بات تھی ان کی بیٹی کی تو اسے تو کوئی بات خوش ہی نہ کرتی تھی۔ سونے کے ڈھیر کو اس نے کبھی خوشی، جوش، بے قراری کے ساتھ چھو کر نہ دیکھا۔ ہر سال گیراج میں کھڑی نئی چمکتی گاڑی کو آنکھ بھر کر نہ دیکھا۔ اور اب جو اس نے سنا کہ اس کے لیے گھر خریدا گیا ہے تو بڑبڑائی۔

"ایک اور قبر۔"

گائتری دیوی کے گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی بیٹی محلوں کے خواب نہیں دیکھتی بلکہ ایک ایسے چھوٹے سے گھر کی خواہش رکھتی ہے جس میں پھول ہوں، تتلیاں ہوں، رنگ ہوں، خوشیاں ہوں اور۔ اور رام کولبی ہو۔ ہاں ٹھیک ہے مگر ایسا گھر جس میں رام کولبی ہو، رنگ، پھول، تتلیاں، خوشیاں تو پھر خود بخود بخت بن جانے تھے۔ اصل آرزو تو کچھ اور تھی۔ اور ایسا گھر۔ اور ایسا گھر جگدیش مہیشوری نے نہیں خریدنا تھا، رام کولبی نے بنانا تھا۔

ایسا گھر جہاں بھگوان نہ ہوں، گیتا نہ ہو رامائن نہ ہو۔ جہاں وہ دیوی نہ ہو، من ماہی رام نہ ہو۔ اس کا سپنا ایک ایسا آشیانہ تھا جہاں ایک اٹل ہو، ایک عبد ہو۔ جہاں توحید ہو، جہاں نماز ہو، جہاں قرآن ہو۔

ہاں۔ ایک ایسا گھر۔

"پوجا کی دعوت کا سوچ رہی ہوں میں۔ اسی مہینے رکھ لیں؟ پہلے ہی دیر ہو گئی۔ پہلے وہ بنی مون پہ چلی گئی۔ پھر اس کے سسر کی ڈیتھ ہو گئی۔" ممی نے مشورہ مانگا تو وہ چونکی۔ ممی نے اپنی بات دہرائی۔

"ممی۔ راجیو مجھ سے خفا ہے۔" اس نے آہستہ سے بتایا۔

"کیوں؟" ممی فکرمند ہو گئیں۔

"میں نے پوجا کے سنگیت پہ اس کے ساتھ ڈانس نہیں کیا تھا ناں۔"

"اوہ۔ تو ابھی تک چھوڑی نہیں اس نے وہ بات؟" ممی کے پوچھنے پہ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم نے سوری کیا؟"

"میں سوری کس لیے کروں ممی۔ اس بات کے لیے کہ مجھے ڈانس نہیں آتا؟"

"تمہیں سیکھ لینا چاہیے درگا۔"

وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ ڈانس کیوں نہیں سیکھے گی۔ مگر خاموش رہی۔ اب وہ اپنی کسی بھی بات سے ممی کو تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ان کی آنکھ میں آنسو مضطرب کرتے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ایسا وقت آئے گا جب ممی اس کی وجہ سے بہت روئیں گی۔ اس لیے جب تک انہیں پتا نہیں چل جاتا کہ وہ چوہدری نگر میں کیا کر آئی ہے، تب تک وہ انہیں چھوٹی چھوٹی تکالیف سے بچا سکتی تھی۔

"آج جگدیش آئے تو کرتی ہوں بات دعوت کی۔ میرا تو خیال ہے، اس نے تمہارے لیے جو گھر لیا ہے، اسی میں رکھ لی جائے دعوت تو کیسا رہے گا۔ راجیو کو بھی اچھا لگے گا اور اس کا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔" ممی نے اٹھتے اٹھتے کہا۔

"جیسا آپ کو ٹھیک لگے ممی۔"

اس کی اتنی تابعداری بھی گائتری دیوی کو فکرمند کر ڈالتی تھی۔

www.pklibrary.com

''ورگا۔ کیا بات ہے تمہیں خوشی نہیں ہوئی تمہارے بھائی نے تمہارے لیے گھر لیا۔ گھر، گاڑی، سونا، موبائل جو بھی وہ تمہارے لیے لیتا ہے، تم خوش نہیں ہوتیں۔ اور وہ معمولی سی بالیاں۔ آرٹیفیشل۔ انہیں تم نے سنبھالا ہوا ہے۔''

''کیوں کہ اس تحفے میں کوئی دکھاوا نہیں۔''

اس کا جواب گائتری دیوی کو لاجواب کر گیا تھا۔

☆☆☆

''خرم بھائی تو ٹھیک ہیں ناں تمہارے ساتھ۔''

''ہاں۔ مگر خالہ بات نہیں کر رہی ہیں۔'' فاطمہ رو پڑی تھی۔

باقاعدہ منع نہیں کیا گیا تھا۔ پھر بھی خالہ تک یہ بات پہنچ گئی تھی کہ مومنہ نے عاصم کے لیے انکار کر دیا ہے۔ اور اب فاطمہ کو سسرال میں مختلف رویے دیکھنے کو مل رہے تھے۔ عاصم، خالہ اور خالو ناراض تھے۔ جبکہ صالحہ باجی اور خرم نے اس انکار کو مومنہ کا حق سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

''اوہ فاطمہ۔ پلیز رویو تو نہیں۔ مجھے فکر ہو رہی ہے۔ ایسا نہ ہو، میں جذباتی ہو کر تمہاری محبت میں ہاں کر ڈالوں۔'' مومنہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''تم کسی کی محبت میں اتنا جذباتی نہیں ہوتی ہو۔'' فاطمہ روتے روتے ہنس دی۔

''آہ۔ افسوس۔ مومنہ حیدر کو کوئی سمجھ ہی نہیں پاتا۔'' اس نے آہ بھری۔ پھر جبہ کی باتیں بتا کر اسے ہنسانے لگی۔ جب تک کال بند ہوئی، فاطمہ کسی حد تک پرسکون ہو چکی تھی۔ مومنہ نے موبائل ایک طرف رکھ کر ابھی کتاب کھولی ہی تھی کہ بپ بجی۔

''مومنہ پلیز، ایک کپ چائے بنا کر لان میں آسکتی ہو؟'' عبیرہ کا میسج تھا۔

''ایک کپ کیوں۔ دو کپ کیوں نہیں؟'' اس نے ٹائپ کر کے بھیجا۔

''چلو دو کپ ہی بنا لو۔'' عبیرہ کا جواب آیا تھا۔

''گیسٹ؟''

''ہاں۔'' اس کا جواب آیا۔

وہ اٹھ کر عبیرہ اور اس کے گیسٹ کے لیے چائے بنانے لگی۔ ہاسٹل میں اکثر لڑکیاں اپنی دوستوں یا روم میٹس کی ملاقات کے لیے آنے والے ان کے امی ابو یا بہن بھائیوں کے لیے چائے یا ریفریشمنٹ وغیرہ کا انتظام کر دیتی تھیں تاکہ ان کی دوست یا روم میٹ اپنی فیملی کے ساتھ آرام سے وقت گزار سکے۔

چائے بنا کر اس نے دو جتاتی سائز کے مگوں میں انڈیلی۔ ایک چھوٹی سی ٹرے میں مگ رکھے اور لان میں چلی آئی۔ اور یہاں آ کر گڑبڑا گئی۔ کیپٹن عامر حبیب اللہ سامنے بیٹھا تھا۔

''میں تو جوس لے کر آئی تھی مگر بھائی کا چائے کا موڈ ہو رہا تھا۔'' عبیرہ اٹھ کر اس کی طرف آئی اور اس کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے کہا۔

وہ وہاں سے پلٹ جانا چاہتی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ عامر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ڈھائی گھنٹے کا سفر کر چکی تھی۔ اب اخلاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ کم سے کم سلام تو کیا ہی جائے۔ عامر نے خوش دلی کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا اور چائے کا گھونٹ بھرا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ پلٹنے لگی تھی جب عبیرہ نے روک لیا۔

''روم میں۔''

''اور یہ چائے کون پیے گا؟''

''یہ تو میں نے تمہارے لیے بنائی ہے؟''

''بھائی نے جو جوس نہیں لیا، وہ میں نے پیا ہے۔ اب فوراً تو چائے نہیں پی سکتی۔ اب تم پیو۔ بیٹھو یہاں۔'' عبیرہ نے گھاس پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ وہ آلتی پالتی مار کر بھائی کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

''عامر بھائی پی لیں گے۔'' اس نے یہ کہہ کر وہاں سے جانا چاہا۔

www.pklibrary.com

"میں انسان ہوں۔ جن نہیں۔" عامر نے ہاتھ میں پکڑے کپ کا سائز دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو ناں یار۔"

عبیرہ کے اصرار پہ اسے بیٹھنا پڑا۔ اور چائے کا کپ بھی پکڑنا پڑا۔ وہاں بیٹھنا اور چائے پینا اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ جس حلیے میں تھی، اسی میں اٹھ کر آ گئی تھی۔ دھیان فاطمہ کی طرف تھا۔ کچھ بھی تھا۔ وہ بہن تھی۔ اس کی پریشانی اسے مضطرب کر رہی تھی۔

اگر اسے پتا ہوتا کہ آگے عامر بیٹھا ہوگا تو آئینے میں اپنا جائزہ لیے بنا ہرگز نہ آتی۔ اس نے سوچا تھا دور سے اشارہ کر کے یا میسج کر کے عبیرہ کو بلائے گی اور ڑے اس کے ہاتھ میں تھما کر چلی آئے گی۔ مگر معاملہ گڑبڑ ہو گیا تھا۔

عامر اور عبیرہ کے بیچ اسی موضوع پہ بات ہونے لگی تھی جہاں سے اس کے آنے پہ سلسلہ ٹوٹا تھا۔ وہ بہن بھائی زیادہ تر انگریزی میں بات کرتے تھے۔ انگریزی ایسے بھی آتی تھی مگر اس زبان میں بات نہیں کر پاتی تھی۔ ایک آدھ جملہ کہہ کر رک سی جاتی۔ ان کے بیچ بیٹھ کر اسے خواہ مخواہ کا احساس کمتری ہونے لگا۔

عبیرہ کو دور گیٹ کے پاس کھڑی اس کی کلاس میٹ نے بلایا تو وہ معذرت کر کے اٹھ کر چلی گئی۔ عامر کی چائے ختم ہو چکی تھی جبکہ اس نے ابھی چند گھونٹ ہی لیے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی جو لرزش تھی، عامر نے اسے محسوس کر لیا تھا اور مسکرایا بھی تھا۔

"چائے بہت اچھی ہے۔" عامر کہہ رہا تھا۔

"شکریہ۔"

"آپ کم بولتی ہیں یا میرے سامنے کم بولتی ہیں۔" اس نے اس لڑکی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا جو سفید پھول دار لباس میں چمک رہی تھی۔

"نہیں۔ نہیں، ایسی بات تو نہیں۔" اس نے ماتھے پہ آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے مرتعش لہجے میں جواب دیا۔

"کیسی بات نہیں؟"

"یعنی۔ کم نہیں بولتی میں۔ مگر اب فرینڈ کے بھائی کے ساتھ کیا بات کروں۔"

عامر نے اس کے جواب پہ قہقہہ لگایا۔ جبکہ وہ ہونٹ چباتے ہوئے دور کھڑی عبیرہ کو دیکھنے لگی جو "ابھی آئی" کہہ کر گئی تھی اور اب آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

☆☆☆

"کیسے رکھ پائیں گے اتنی گرمی کے روزے؟"

رمضان شروع ہونے سے پہلے سب نے سوچا تھا مگر جب رمضان شروع ہوا تو بڑا مزا آ رہا تھا۔ روزہ تو ایمان ہے، امتحان ہے۔ خود بخود بھوک بھی اچھی لگتی تھی پیاس بھی۔ نقاہت پہ بھی دل شاد ہوتا ہے۔ تن من ہلکا پھلکا محسوس ہوتا ہے۔

چوہدری نگر میں بھی رمضان کا استقبال ہمیشہ کی طرح بہت جوش اور چاہت کے ساتھ کیا گیا۔ سال بھر نماز میں سستی کرنے والے بھی چست ہو گئے۔ نماز، قرآن، روزہ۔ روح پرور تھا یہ ماحول۔ اس دفعہ عروہ نے پہلا مکمل روزہ رکھا۔ سارا دن سب کی طرف سے بڑی توجہ ملی۔ وہ بڑی خوش تھی۔ تابو نے کہا تھا کہ روزہ پورا کرے گی تو ہار منگوائیں گے اس کے لیے۔ ماما نے بھی آج کسی بات پر ڈانٹا مارا نہیں تھا۔ بلکہ جبہ اور ولی کو بھی تاکید کی تھی کہ بہن کو تنگ نہ کریں۔ آسیہ مامی کی آج کھانا بنانے کی باری تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ آج وہ اس کا پسندیدہ پلاؤ بنائیں گی۔ رفعت مامی نے کباب کے لیے گوشت اور دال چولہے پہ چڑھا بھی دیے تھے۔ اور ماں۔ وہ تو اس کے لیے پھولدار نیا جوڑا سلین رکھ کر سی رہی تھیں۔

"جو روزہ رکھتا ہے۔ اس کو تو اللہ ثواب دیتا ہے ناں۔ پھر آپ کیوں سی رہی ہیں اس سے کپڑے؟" یہ جبہ سفیان تھی جو صبح سے اس کو ملنے والی اہمیت پہ جیلس ہو رہی تھی۔

www.pklibrary.com

"جو اچھا عمل کرتا ہے۔ سب اس سے خوش ہوتے ہیں۔" رحیمہ احمد نے مسکرا کر جواب دیا۔ حبہ مایوس ہو کر وہاں سے ہٹ گئی۔ آج عروہ کا ہی دن تھا۔ کل اسے بھی روزہ رکھنا ہی پڑے گا۔

عروہ کی خوشی دیدنی سہی مگر عصر کے بعد سے بھوک پیاس لگنے لگی تو نیا سوٹ، ہار بھول گئے یاد رہے تو صرف حبہ کے ہاتھ میں چپس۔

"ماما! میرے لیے افطاری میں چپس بھی بنانا۔" فوراً فرمائش کر ڈالی۔

"ماں صدقے۔ میں بناؤں گی اپنی بیٹی کے لیے چپس۔" رفعت جہاں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

تھوڑی دیر بعد ولی کے ہاتھ میں اسٹیل کا گلاس دیکھا جس کی بیرونی سطح بتا رہی تھی کہ اس میں ٹھنڈا پانی ہے۔ اسے لگا کہ دنیا کا سب سے مزے دار مشروب یہی ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ بہت سارا پانی پینا ہے آج۔ دہی بڑے، فروٹ چاٹ اور پکوڑے تو گھر میں بنے تھے۔ ہمایوں اس کے لیے شہر سے نگٹس کا پیکٹ لایا تھا۔

"میں یہ پہلے کھاؤں گی۔ یہ بعد میں۔"

اپنے سامنے سجی پلیٹیں دیکھ دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی۔ اور جب روزہ افطار ہوا تو ایک کھجور، دو نگٹس شربت کا ایک گلاس پی کر پیٹ بھر گیا۔

مومنہ نے اس کی بہت سی تصویریں بنائیں۔ بابا، تایا تائیوں، ہمایوں اور مومنہ باجی سے خرچی بھی ملی۔ ویسے تو اسے پھوپھو فردوس پسند نہیں تھیں مگر آج انہوں نے سو روپے دیے اور ڈانٹا بھی نہیں تو کچھ کچھ اچھی لگ رہی تھیں۔

"سب نے پانچ پانچ سو دیے۔ سیب (صہیب، پھوپھو فردوس کا پوتا) کی دادی نے ایک سو دیا۔" عروہ صرف عمر میں بڑی تھی حبہ کو زیادہ پہچان تھی نوٹوں کی۔

"سیب دی دا... نی۔ تاں تیری لجھ نکلی گندی میں۔ تیری ماں نے دسیا نئیں؟ (صہیب کی دادی۔ تمہاری کچھ نہیں لگتی میں۔ تمہاری ماں نے بتایا نہیں)" "جی ہاں۔ پھوپھو فردوس بھی سیب ہی کہتی تھیں۔ بخدا یہ نام ان کی بہو نے رکھا تھا مگر کیا کریں کہ 'ہ' اس میں بھی تھا۔

"پھوپھو کہو بیٹا۔" ارم نے فوراً حبہ کو آنکھیں دکھائیں۔

"اچھا سب نے پانچ پانچ سو دیے۔ حبہ کی پھوپھو نے ایک سو دیا۔" جس بات کو پھوپھو فردوس نے خوبصورتی سے ٹال دیا تھا، ہمایوں نے پھر وہیں سے پکڑا۔ سب ہنس پڑے۔

"بس کر وے۔ وڈا نوٹ دے کے نیانے وگاڑنے نے؟ (بڑا نوٹ دے کر بچے بگاڑنے ہیں)۔" پھوپھو فردوس نہ آتی تھیں ایسے چکروں میں۔

ان ہی ہنستے مسکراتے چہروں میں بیٹھی رحیمہ احمد کو یاد آ رہا تھا وہ دن جب امت الاحد نے پہلا روزہ رکھا تھا۔

☆☆☆

اور چوہدری نگر سے تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر دور عمر کوٹ کے ایک محل میں بیٹھی راجکماری گھٹنوں میں سر دیے آج اپنی بے بسی پہ آنسو بہا رہی تھی۔ تین روزے اس نے چپکے سے رکھ لیے تھے۔ ممی جب بھی ناشتے پہ بلاتیں وہ کہہ دیتی کہ صبح جلدی اٹھ کر کچھ کھا لیا تھا ابھی جی نہیں چاہ رہا۔ ممی خاموشی سے پلٹ جاتیں۔ لیکن تین رمضان کو بھاؤ نے اس کی کمی کو محسوس کر لیا تھا اور ناشتہ کرتے ہوئے پارو کو بھیج کر اسے بلایا تھا۔

"کیا بات ہے، آج کل تم نظر نہیں آ رہیں صبح میں؟"

"بھاؤ۔ میں جلدی اٹھی تھی تو چائے... نے پی تھی۔ ابھی کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" جواب دیتے ہوئے اس کا لہجہ مرتعش تھا۔

"ٹھیک ہے مت کھاؤ۔ مگر یہ حلوہ چکھو۔ ممی نے بہت اچھا بنایا ہے۔" بھاؤ نے حلوے کی پلیٹ

www.pklibrary.com

اس کی طرف بڑھائی۔

"بھاؤ۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہے، کیا کرے۔

"یہ اس نے چکھا ہوا ہے۔" لاجونتی نے ہاتھ بڑھا کر حلوے کی پلیٹ پیچھے کی۔ اس کی سانس بحال ہوئی۔

"ہوں۔" سلائس کو کترتے ہوئے اسے گہری نظر سے دیکھا۔ "اس ٹیبل پہ بہت کچھ ایسا ہے جو تم نے نہیں چکھا ہوگا۔ خبردار کل سے جلدی مت اٹھنا۔" اس کی آنکھوں میں واضح پیغام تھا کہ وہ بچہ نہیں۔ اور نہ ہی ممی کی طرح بے وقوف ہے۔

"جی۔" وہ بجھی۔

جگدیش مہیشوری نے خشمگیں نظروں سے بیوی کو گھورا اور موبائل کی طرف متوجہ ہوگیا۔

وہ دل ہی دل میں لاجونتی کی ممنون ہوئی مگر یہ طے تھا کہ وہ اب لگاتار روزے نہیں رکھ پائے گی۔ ان برسوں میں روزے آبھی تو گرمیوں کی چھٹیوں میں رہے تھے۔ ہاسٹل میں ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ تو آج صبح سحری کا الارم بجتا رہا، رات کا کمرے میں لاکر رکھا سیب بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پڑا رہا۔ وہ چادر میں منہ دیے پڑی رہی۔ اس کا تکیہ بھیگتا رہا۔ نماز میں بھی یہی حال رہا۔ ناشتے کی میز پہ گئی تو نوالہ بھی حلق میں اتارتے ہوئے خود سے شرم آئی۔ پانی کا گھونٹ بھی ندامت کے احساس سے دوچار کر گیا۔ کھانے کا ذرہ ذرہ پانی کا قطرہ قطرہ معدے پہ بھاری ہو رہا تھا۔ وہاں چوہدری نگر کے سرمئی گھر والے گیٹ میں اگر کسی وجہ سے کوئی روزہ نہیں رکھتا تھا تو بھی سب کے سامنے کھاتا پیتا نہیں تھا۔ بچوں کو بھی روزے کے احترام کا سبق دیا جاتا تھا۔

بے بسی کے احساس کے ساتھ آنکھیں بار بار بھیگتی رہیں اور وہ بمشکل یہ نمکین پانی اپنے اندر اتارتی رہی۔ سارا دن اس نے احتجاجاً کسی سے بھی کوئی بات نہ کی۔ مومنہ کا میسج آیا کہ آج عروہ نے پہلا روزہ رکھا ہے تو اسے رہ رہ کر اپنا پہلا روزہ یاد آیا۔ جب ماں نے خوشی میں اس کا جامنی رنگ کا سلک کا نیا کرتا پاجامہ سیا تھا۔ بابا اوطاق سے اٹھ کر بار بار گھر آتے۔ بیٹی کو پیار کرتے اس کی فکر بھی کرتے۔ ان کے ہاں روزہ کشائی کی باقاعدہ تقریب نہیں ہوتی تھی۔ مگر سادہ طریقے سے اس دن کو خاص ضرور بنا دیا جاتا تھا۔ اس کے لیے ہار آئے تھے۔ سب سے خرچی ملی تھی۔ سیفی بھاؤ دوست سے ڈیجیٹل کیمرہ بھی لے کر آئے تھے۔

کیمرہ یاد آتے ہی اس نے اپنا موبائل نکالا اور جلدی سے گیلری میں جا کر وہ فولڈر کھولا جس کا نام "Maa Baba" تھا۔ جلدی جلدی اسکرول کرتے ہوئے اس میں سے وہ تصویر نکالی جس میں وہ ماں اور بابا کے بیچ بیٹھی تھی ہار پہنے۔ یہ سب تصاویر اسے اسود نے میل کی تھیں اس کے کہنے پہ۔

بہت دیر وہ تصویر نمکین پانیوں میں بھیگتی رہی۔ پھر اس نے موبائل ایک طرف رکھ کر چہرہ گھٹنوں پہ ٹکا لیا۔

"میرے احد۔ میرا امتحان شعب ابی طالب میں محصور خاندان بنی ﷺ سے زیادہ بڑا نہیں۔ مجھ پہ ستم اسلام کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرتے صحابہ کرام سے زیادہ نہیں۔ پھر میں کیوں ہمت ہارنے لگتی ہوں۔ میرے رب! مجھے حوصلہ دے۔ استقامت دے۔"

پہلے اسے لگتا تھا کہ وہ دنیا کی مظلوم ترین انسان ہے۔ مگر تاریخ اسلام پڑھنے پہ احساس ہوا کہ یہ تکلیفیں یہ صعوبتیں تو کچھ بھی نہیں اس کے مقابلے میں، جو اس سے پہلے "احد احد" کہنے والے سہہ چکے۔

یہ سوچ اجل کو تازہ دم کر دیا کرتی تھی۔ احد کے ساتھ دکھ سکھ کرنے والی ایک بار پھر مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔ ابھی بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ آنسو بہا بہا کر مسکرانے لگی تھی۔

اور پیچھے کمرے کی لغزش سے جھانکتا شخص اس منظر کا عادی تھا۔ اسے اس پل بھی اس ذات سے

www.pklibrary.com

جسد محسوس ہوا جو اس کی دیوی کے لب کی مسکان تھی۔

کیا وہ رام کولہی بھی کبھی اپنی دیوی کے ہونٹوں پہ تبسم بن کر بکھرے گا؟

سوال اور خواہش پھر اکٹھے من میں شور مچانے لگے۔

☆☆☆

کپڑے نکالتے ہوئے اس کی نظر سیاہ رنگ کے شاپر پہ پڑی تو اس نے ہینگر واپس الماری میں لٹکایا اور شاپر اٹھالیا۔ اس کو کھول کر اس کے اندر پڑی شے کو نکالا۔ وہ ایک ٹھوس اور بھاری سی چاندی کی تھ تھی۔

اسے اپنی ماں یاد آئی اور بہت یاد آئی۔

صبح شام، آتے جاتے نہر کو تکتی ہوگی۔ اس کے کنارے سے اتر کر گوٹھ کی طرف مڑنے والے ہر چہرے میں اس کا چہرہ تلاشتی ہوگی۔ منہ میں نوالہ بھی ڈالتی ہوگی تو اسے یاد کرتی ہوگی۔

اس نے تھ واپس شاپر میں رکھ کر اسے الماری میں رکھا اور سامنے پڑا دوسرا شاپر اٹھالیا۔ اور اس میں ہاتھ ڈال کر آسمانی رنگ کا مردانہ سوٹ نکالا۔

اسے اپنا باپ یاد آیا اور بے انتہا یاد آیا۔

ہاتھ جوڑ کر گھر سے نکالا تھا۔ کان سے پکڑ کر واپس کیوں نہیں بلا لیتا اسے۔ یاد تو کرتا ہوگا وہ بھی اسے۔ کھیت میں پسینہ بہا بہا کر دو گھڑی جب ستانے کو بیٹھتا ہوگا، رات میں مچھر کے کاٹنے پہ جب آنکھ کھلتی ہوگی، بھائیوں کے دوڑتے بھاگتے بچے جب دیکھتا ہوگا، اسے یاد تو کرتا ہوگا۔ بھلا کون باپ بیٹے کو گھر سے نکال کر سکون سے بیٹھتا ہے۔ گھر سے نکالنے پہ بس ہوتا ہے، یاد پہ، دل پہ تو بس نہیں ہوتا ناں۔ کبھی تو۔ کبھی تو سینے پہ ہاتھ رکھ کر زیر لب ہی سہی، کہتا ہوگا۔

"ماروڈ یکرو"

یہ وہ دو لفظ تھے جن کو سننے کی چاہ میں رام کولہی نے ماہ و سال گزارے تھے۔

"مجھے یقین ہے آپ مجھے بلائیں گے، ضرور بلائیں گے۔" اس نے آسمانی رنگ کے سوٹ پہ ملائمت سے انگلیاں پھیرتے ہوئے باپ کو دل ہی دل میں مخاطب کیا۔ ہاں۔

اسے امید تھی کہ ایک دن لالو ملک بدری کے احکامات واپس لے، لے گا۔ اور اسے بلائے گا۔ سینے سے لگائے گا۔ اور کہے گا۔

"تُو تو سچ میں کاوڑ (غصہ) کر گیا رے رامو۔ میں نے کوئی ہمیش کے لیے گھر سے تھوڑی نکالا تھا۔"

ایک تو رام کولہی خواب بہت دیکھتا تھا۔ اور یہ وہ خواب تھا جس کی تعبیر ایک چمتکار تھی اور رام کولہی کو اس ایک چمتکار کے ہونے کا مکمل یقین تھا۔ اور پھر دو دن بعد شام کے پانچ بجے جب وہ فیکٹری میں جگدیش مہیشوری کے ساتھ کھڑا تھا، اس وقت ساون کی آنے والی کال نے رام کولہی کو جتا دیا تھا کہ چمتکار ہو گیا تھا۔ اس کے باپ نے اسے بلا لیا تھا۔

"چلو اچھا ہوا مر گیا۔ جی کر کون سا کمال کر رہا تھا۔" جگدیش مہیشوری نے کہا اور سیاہ چشمہ لگاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ پھر چند قدم بعد رکا اور مڑے بغیر بولا۔

"اس کے ہونے نہ ہونے سے تمہیں کیا فرق پڑتا تھا بھلا۔ پھر بھی لگتا ہے تم سوگ منانے کے چکر میں ہو۔ مرضی تمہاری۔ بسوں کے دھکے نہ کھانا۔ گاڑی لے جانا۔"

☆☆☆

لالو کولہی مر گیا۔

جب پیٹرول ڈیزل مہنگا ہو اور انسان سستا تو ٹریکٹر کو حویلی کے احاطے میں بند کر کے کھڑا کر دینا اور انسان جانی کو ملہ میں بیل کی جگہ جوت دینا عقل مندی ہوتا ہے اور سائیں صبغت اللہ بڑا ہی عقل مند تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

www.pklibrary.com

تنظیر فاطمہ

ناشکری

صبا تک سک سے تیار تھی۔ اس نے مہمان خانے کے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ دستک دینے سے پہلے اندر سے آتی آواز نے اس کے ارد گرد دھماکے سے کر دیے تھے اور وہ جیسے ہوا میں معلق ہو گئی تھی۔ چکراتے سر کے ساتھ وہ دیوار کا سہارا لیے اپنے کمرے میں مشکل سے پہنچی تھی اور خود کو بیڈ پر گرا دیا تھا۔ کچن میں چائے اور دیگر لوازمات ویسے ہی رکھے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

"کسی مٹی کے مادھو سے شادی ہو جاتی میری، مگر ان سے نہ ہوتی۔" صبا نے ٹرے کچن کی سلیب پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھی۔

"مجال ہے کبھی منہ سے کچھ بول جائیں، کبھی تعریف کر دیں، کبھی تنقید کر دیں۔ کبھی پیار محبت کے دو بول کہہ دیں، بس ہر وقت چپ شاہ کا روزہ رکھا ہوتا ہے۔" صبا کو اپنے شوہر منصرم سے بہت گلے تھے۔

"حد ہے، آج اتنا اچھے سے تیار ہوئی تھی، فنکشن میں سب نے تعریف کی، مگر مجال ہے انھوں نے منہ سے ایک لفظ بھی نکالا ہو۔"

فنکشن سے واپس آ کر صبا کا موڈ بہت خراب ہو چکا تھا۔ اس نے پرس غصے سے بیڈ پر پھینکا اور خود واش روم میں گھس گئی۔ اگر جو غور کرتی تو دیکھتی کہ پورے فنکشن میں اس کا چہرا منصرم کی نظروں کی زد میں رہا تھا۔

☆☆☆

"صبا! کھانا دے دو، بہت بھوک لگ رہی ہے۔ آج دوپہر میں بھی کھانا کھانے کا وقت نہیں ملا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" منصرم نے آفس سے آتے ہی کہا۔ صبا صوفے پر لیٹی ٹی۔ وی دیکھ رہی تھی۔ دونوں بچے نیچے فرش پر بیٹھے کھیل رہے تھے۔

"کھانا تو نہیں بنایا میں نے آج۔"

صبا کو کل کا غصہ تھا ابھی تک۔ اسی لیے آج کچھ نہیں بنایا تھا۔ وہ جانتی تھی منصرم بازار کا کھانا بہت کم کھاتا ہے۔ آج اس نے منصرم کو غصہ دلانے کے لیے کچھ نہیں بنایا تھا۔

"پہلے بتا دیتیں تو میں بازار سے لیتا ہوا آتا۔ اچھا ایسا کرو، انڈے ہیں تو دو انڈوں کا آملیٹ اور روٹیاں بنا دو۔" منصرم کا انداز تھکا سا تھا۔ کوئی اور مرد ہوتا تو خوب چیختا چلاتا، برا بھلا کہتا مگر وہ تو مسئلے کا حل بتا کر آرام سے بیٹھ گیا تھا۔ اس کا تھکا انداز دیکھ کر الٹا صبا کو ترس آ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھی اور تھوڑی دیر بعد اس کا مطلوبہ کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

منصرم کی جاب بہت اچھی تھی۔ وراثت میں ایک مکان بھی ملا تھا جس کا کرایہ آتا تھا۔ مالی تنگی نہیں تھی۔ منصرم بیوی بچوں کی ضروریات اور گھریلو اخراجات خوش دلی سے اور کھلے ہاتھ سے پورے کرتا تھا۔ گھر کے کاموں کے لیے ماسی آتی تھی۔ صبا کو صرف کھانا پکانا ہوتا تھا اور بچوں کو دیکھنا ہوتا تھا۔ شادی کو آٹھ سال ہو گئے تھے، صبا کو کبھی کسی چیز کے

www.pklibrary.com

لیے کہنا نہیں پڑا تھا۔ سب کچھ وقت سے پہلے اس تک پہنچ جاتا تھا۔ منصرم کی بس یہ ایک عادت اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ شروع میں اس نے بہت کوشش کی اسے بولنے پر اُکسانے کی۔ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہتا اور جہاں بہت ہی ضروری ہوتا مختصر سا جواب دے دیتا۔

''میں ہی پاگل ہوں جو اس پتھر سے سر پھوڑتی ہوں۔''

وہ کئی دن ناراض رہتی۔ منصرم کو احساس تک نہ ہوتا۔ اس کا رویہ اس کے ساتھ نارمل ہی رہتا۔ ایک نرم سی مسکراہٹ ہر وقت اس کے چہرے کا احاطہ کیے رکھتی تھی، صبا کو اس کی یہ مسکراہٹ اپنا مذاق اُڑاتے ہوئے محسوس ہوتی اور وہ مزید کوفت میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ حالانکہ اس کی یہ مسکراہٹ پیار، محبت اور سکون کی علامت تھی۔

☆☆☆

''صبا! امجد آرہا ہے۔ چند دن ہمارے ہاں ٹھہرے گا۔ تم ذرا مہمان خانے کی صفائی کروا دینا۔''

امجد منصرم کا خالہ زاد بھائی تھا جس کا ٹرانسفر یہاں ہوا تھا۔ چند دن ایبے یہاں رہتا تھا پھر دفتر کی طرف سے رہائش مل جاتی تھی۔

امجد تو صبا کے لیے بہار کا ایک جھونکا ثابت ہوا تھا۔ کیا سحر انگیز شخصیت تھی اس کی اور ساتھ ہی ساتھ باتوں سے دوسروں کو محظوظ کرنے اور شیشے میں اُتارنے کا فن بھی خوب آتا تھا اسے۔ آتے ہی اس نے صبا اور بچوں سے بے تکلفی قائم کر لی تھی۔

''ارے بھابھی! کیا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھ میں۔ قسم سے میں نے اتنے مزے کی بریانی پہلے کبھی نہیں کھائی۔''

امجد نے دوسری بار بریانی سے اپنی پلیٹ بھری تھی۔ صبا نے مسکرا کر اسے اور جتاتی نظروں سے منصرم کو دیکھا جو اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا۔ صبا کے دیکھنے پر منصرم نے بھی اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پھر سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''بھابھی! چائے اور پکوڑے کیا کمال تھے۔ ایسا سہانا موسم اور ایسا کھانا۔ یار منصرم تو بڑا خوش نصیب ہے جو تجھے بھابھی جیسی بیوی ملی ہے۔''

بارش ہو رہی تھی سو صبا نے ہمیشہ کی طرح چائے پکوڑوں کا اہتمام کیا تھا۔ امجد کی بات سن کر منصرم نے صرف سر ہلا کر جواب دیا تھا اور صبا کا دل جل کر خاک ہو گیا۔

''کیا تھا جو امجد کی بات کے جواب میں ایک دو جملے کہہ دیتے۔'' صبا کا موڈ آف ہو گیا۔ وہ اُٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

امجد نے اس کے بدلتے موڈ کو بہت غور سے

www.pklibrary.com

دیکھا تھا۔

''بھابھی! کیا بنا رہی ہیں؟'' وہ کھانا تیار کر رہی ہوتی تو اسجد کچن کے دروازے میں کھڑا ہو کر اس سے باتیں کرنے لگتا۔ صبا کو اچھا لگتا اور وہ بھی اس بات چیت میں شریک ہو جاتی۔ اس کا وقت اچھا گزر جاتا۔

☆☆☆

کام والی ایک ہفتے کی چھٹی پر تھی۔ صبا نے واشنگ مشین لگائی تو اسجد کپڑے اُٹھا اُٹھا کر تاروں پر پھیلانے لگا۔ اس ہفتے کے دوران اسجد کی موجودگی میں وہ جو کام کرتی، اسجد اس کا ہاتھ بٹانے لگتا۔

''منصرم ہوتے تو انھیں احساس تک نہ ہوتا کہ میں اکیلی کام کر رہی ہوں۔'' وہ اسجد اور منصرم کا موازنہ کرتے وقت یہ بھول جاتی تھی کہ اس مشقت سے بچانے کے لیے منصرم نے اس کو ملازمہ کی سہولت دے رکھی ہے۔

''بھابھی! آپ آج بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔ یہ رنگ تو کھلتا ہے، آپ کے لیے ہی بنا ہے۔'' وہ نیا سوٹ پہنتی تو اسجد تعریفوں کے پُل باندھ دیتا اور صبا کے اندر سکون سا بھر جاتا۔

''واہ بھابھی! آپ کے بال کتنے خوب صورت ہیں۔'' ایک دن وہ گیلے بالوں کو پشت پر پھیلائے کھڑی تھی۔ جب اسجد نے ایک جذب کے عالم میں کہا۔ صبا کے بال واقعی بہت خوب صورت تھے۔

''آپ کو پتا ہے مجھے لمبے بال بہت پسند ہیں مگر میری بیوی کو اسٹیپس میں کٹے بال پسند ہیں۔ مجھے کبھی جو اس کے بال کندھوں سے نیچے دیکھنے کو ملے ہوں۔ اب آپ کو دیکھا تو یقین جانیے اتنا اچھا لگا کہ بتا نہیں سکتا۔''

صبا ایک ادا سے مسکرائی۔ اس کا موڈ اب خوش گوار رہنے لگا تھا۔ اپنا خیال تو وہ پہلے بھی بہت رکھتی تھی مگر اب نک سک سے تیار بھی رہنے لگی تھی۔ اس کی باتوں میں اسجد کا ذکر بڑھنے لگا تھا۔ اسجد نے یہاں صرف ایک مہینہ رہنا تھا۔ مہینہ ختم ہونے میں چند دن باقی تھے۔

''بھابھی! جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا نا تو یقین کریں، آپ ہر پل مجھے یاد آئیں گی۔''

اسجد کے جانے میں تھوڑے دن تھے جب اس نے صبا کو نظروں کی زد پر رکھ کر ذومعنی انداز میں کہا۔ صبا اس کے انداز پر مسکرا دی۔ حالانکہ اسے اسجد کا یہ انداز ناگوار گزرنا چاہیے تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ سوچ سمجھ کر اسجد کے ساتھ کوئی چکر چلا رہی تھی یا اس کا مقصد اسجد کو اپنی طرف راغب کرنا تھا، بس لاشعوری طور پر اسجد کی باتوں سے صبا کے اندر چھپی کچھ خواہشیں پوری ہو رہی تھیں۔ اسی لیے اسے اسجد کا انداز برا نہیں لگتا تھا۔

☆☆☆

منصرم نے آج رات کو دیر سے آنا تھا۔ صبا نے بچوں کو ہوم ورک کروایا۔ انھیں چپس بنا کر دیے۔ اپنے اور اسجد کے لیے چائے بنائی، چپس اور شامی کباب پلیٹوں میں نکالے اور اسے بلانے مہمان خانے کے دروازے پر جا پہنچی۔

اس نے مہمان خانے کے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ دستک دینے سے پہلے اندر سے آتی آواز نے اس کے اردگرد دھماکے سے کر دیے تھے اور وہ جیسے ہوا میں معلق ہو گئی تھی۔

''یار میں تو مزے میں ہوں..... ہاہاہا.....''

اسجد فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

''تجھے پتا تو ہے، مجھے عورتوں کو شیشے میں اُتارنا آتا ہے۔ اپنی بیوی کو بھی خوش رکھا ہوا ہے اور باہر بھی یاریاں نبھاتا ہوں۔ تو بس منصرم کی بیوی کو اپنی باتوں سے شیشے میں اُتار لیا ہے۔ میرے تو عیش ہی عیش ہیں۔ کھانے سے لے کر کپڑے تک تیار ملتے ہیں۔'' اسجد کے لہجے میں کچھ عجیب سا تھا۔

''تو بڑا کمینہ ہے بے غیرت انسان، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں؟ آثار کچھ

www.pklibrary.com

ایسے ہی ہیں۔ جس طرح وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوتی ہے لگتا ہے عنقریب پکے ہوئے پھل کی طرح جھولی میں بھی آن گرے گی۔ منصرم جیسے چپ شاہ کے ساتھ گزارا کرنا آسان تھوڑی ہے۔" اس سے زیادہ سننا صبا کے بس سے باہر تھا۔

کمرے میں آکر بیڈ پر بے دم سی گری وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"یہ میں کیا کرنے چلی تھی۔ نعمتوں سے بھری جھولی کو آگ میں جھونکنے لگی تھی میں۔ او میرے اللہ! یہ میں کس راہ پر چل پڑی تھی۔ میں توجہ کی اتنی بھوکی ہوگئی کہ جائز ناجائز کا فرق ہی بھول گئی۔"

حقیقت کے آئینے میں صبا کو اپنی صورت بہت کریہہ نظر آئی تھی۔

"نہ جانے میں کیوں ناشکری ہوئی تھی۔ محبت، تعریف اور احساس کا اظہار صرف زبان سے نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اعمال سے ان جذبات کا اظہار زبان کی نسبت کہیں بہترین انداز میں ہوتا ہے۔ بس دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والا دل چاہیے اور شاید یہ دونوں نہیں ہیں میرے پاس۔ منصرم نے مجھے کیا نہیں دیا۔ ہر فکر، پریشانی سے آزاد رکھا۔ ہر ضرورت بن کہے پوری کی۔ باہر کے گرم سرد سے بچایا۔ ہاتھ اُٹھانا تو دور کی بات اس نے مجھے کبھی سخت لفظوں کی مار تک نہیں ماری۔ صرف میرے ساتھ وفادار رہا۔ بس اسے اپنے جذبات کا زبانی اظہار کرنا نہیں آتا تو میں نے اسی ایک خامی کو سر پر سوار کر لیا۔"

وہ اپنا محاسبہ کرتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔

"آپ کی ماما کہاں ہیں بچو؟" منصرم گھر پہنچا تو غیر معمولی خاموشی محسوس کر کے بچوں سے پوچھنے لگا۔

"ماما کمرے میں ہیں۔" بچے جواب دے کر پھر سے اپنے کھیل میں مصروف ہو گئے۔ منصرم کو تھوڑی تشویش ہوئی، اس وقت صبا لاؤنج میں ہوتی تھی یا کچن میں۔ منصرم آگے بڑھا تو اس کی نظر کچن کی شیلف پر رکھی ٹرے پر پڑی جو چائے کے کپوں اور دیگر لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ اب کے اسے صحیح معنوں میں تشویش ہوئی تھی۔

"صبا!" سامنے بیڈ پر اسے بے دم پڑے دیکھ کر وہ بیگ صوفے پر رکھ کر اس کے قریب جا بیٹھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ صبا نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور اس کے گلے لگ کر شدت سے رونے لگی۔

"صبا! کیا ہو گیا؟" منصرم محبت سے اس کی پشت سہلانے لگا۔ اس کس میں کیا کچھ نہیں تھا فکر، محبت، تشویش، خوف۔ دھیرے دھیرے صبا کا رونا کم ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ منصرم اسے کندھے سے لگائے بیٹھا رہا۔ صبا خود کو سنبھال کر اس سے الگ ہوئی تو منصرم نے اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کی قسمت میں بہترین مرد لکھا گیا تھا مگر وہ ناشکری کرتی رہی۔

"کیا پریشانی ہے صبا! طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

صبا کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ وہ ان جانے میں اس پیارے شخص سے بے وفائی کرنے چلی تھی۔ بے وفائی نہیں، ایجد کی باتوں سے وہ لاشعوری طور پر اپنی خواہشات کی تکمیل کر رہی تھی۔ جو بھی تھا اس کی غلطی تھی جو اسے اب بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

"دل عجیب سا ہو رہا تھا میرا۔ آپ آگئے ہیں۔ اب میں ٹھیک ہوں۔" صبا بیڈ سے اُتر کر کھڑی ہوگئی تو منصرم اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ آج صبا کو اس کی خاموشی بری نہیں لگی تھی اگر تو وہ دوسرے مردوں کی طرح بال کی کھال نکالنے والا ہوتا تو وہ کیا کرتی۔

"آپ فریش ہو کر آجائیں، پھر اکٹھے چائے پیتے ہیں۔"

صبا کمرے سے نکل گئی۔ اس کے پندار پر بڑی زوردار چوٹ لگی تھی مگر اُسے خوشی تھی کہ وہ گرنے سے پہلے سنبھل گئی تھی۔

☆☆

www.pklibrary.com

تیئسویں قسط

وہ بس کے انتظار میں وہیں بنچ پہ بیٹھ گئی۔ اپنا دھیان بٹانے کے لیے فون پہ کچھ دیکھنے لگی۔

دفعتاً ایک آواز پہ وہ چونکی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ آواز بنچ کے نیچے سے آرہی تھی۔ وہ آدھی جھک گئی۔

دور سڑک کنارے کھڑی ایک کار میں بیٹھے زیاد سلطان نے بھی چونک کے دیکھا۔ وہ بنچ کے نیچے کیا تلاش کررہی تھی؟

سبرینہ سیدھی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بلی کا بچہ تھا۔ وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا کہ وہ زخمی تھا اور نڈھال بھی۔ شاید سردی سے مرنے والا تھا۔ وہ لڑکی سرخ گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ مسکرا کے اس کو سہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زیاد نے ایکسلیٹر پہ ہلکا سا دباؤ رکھا۔

وہ سڑک کنارے چلتی گئی۔ ساتھ ہی وہ موبائل سے گوگل میپس پہ کوئی راستہ تلاش کررہی تھی۔

چند گلیاں عبور کرکے وہ ایک اینیمل شیلٹر کے باہر رکتی دکھائی دی۔ زیاد نے گہری سانس لی۔ وہ بلی کو جانوروں کے شیلٹر میں داخل کروانے جارہی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

اسی پل فون تھرتھرایا۔ نمبر دیکھ کے اس نے بے زاری سے اسے کان سے لگایا۔

"وہ لڑکی ابھی تک زندہ کیوں ہے؟" وہ خفا ہوئیں۔ "جب تک وہ مرے گی نہیں، شمس سے ہمارا حساب کلیئر نہیں ہوگا۔ اور وہ اپنی بیٹی کو ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔"

"وہ آج کل گھر سے زیادہ نکل نہیں رہی۔ شاید خوفزدہ ہے۔ تھوڑا وقت لگ جائے گا۔"

وہ شیلٹر کی ریسپشن کو دیکھ رہا تھا جو شیشے کی دیوار کے باعث یہاں سے دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ بلی کا بچہ ایک ورکر کے حوالے کررہی تھی۔ وہ مسکرا بھی رہی تھی۔ وہ یک ٹک اس کو دیکھے گیا۔

☆☆☆

نگینہ بیگم نے یہ کال اس وقت کی تھی جب وہ کار پارکنگ میں تھیں۔ زیاد کا جواب انہیں قائل نہ کرسکا تھا۔ کچھ تھا جو غلط تھا۔ جو انہیں کھٹک رہا تھا۔ خیر وہ گھر جا کے دیکھیں گی۔ ابھی انہیں چند کام کرنے تھے۔

وہ باہر نکلیں۔ ان کا رخ کارے فور کی طرف تھا۔ انہیں چند ضروری گروسریز خریدنی تھیں۔ برِچ دوپٹہ، کلف لگا لباس، کانوں اور انگلیوں میں ٹھیے ہیرے پہنے، وہ تیز قدموں سے چلتی اپنی ٹرالی میں چیزیں بھر رہی تھیں۔ وہ تمام اشیاء صحت افزا تھیں۔ کوئی جنک نہیں۔ کوئی فاسٹ فوڈ نہیں۔ وہ اچھا کھاتیں اور اچھا پہنتی تھیں۔ اسی لیے جوان اور تازہ دم دکھائی دیتی تھیں۔

گروسری کے بیگز اٹھائے وہ کارے فور میں سے نکلیں اور انہیں کار کے ٹرنک میں ڈال دیا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ تک آئیں۔ انہیں ان کاموں کے لیے کسی کی مدد درکار نہیں ہوتی تھی۔

وہ ایک عام سی دوپہر تھی جب وہ گھر میں داخل

www.pklibrary.com

مکمل ناول

ہوئیں۔

کار پورچ میں کھڑی کی اور شاپنگ اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔

"اندرانی! سامان لے جاؤ۔"

نیم اندھیرا گھر ہمیشہ کی طرف نیم اندھیرا نہیں تھا۔ ساری بتیاں روشن تھیں۔

انہوں نے چونک کے اطراف میں دیکھا۔ ان کے گھر میں اتنی تیز روشنی؟

وہ چند قدم آگے آئیں۔

اور پھر ان کا سانس رک گیا۔

لاؤنج کے وسط میں ایک کرسی پہ اندرانی بیٹھی تھی۔ اسے نائیلون کی رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ منہ پہ ڈکٹ ٹیپ لگی تھی۔ وہ بار بار سر ہلا رہی تھی لیکن ٹیپ کی وجہ سے آواز "اوں اوں" سے زیادہ نہ نکلتی تھی۔

شاپنگ کے تھیلے ان کے ہاتھ سے گر گئے۔

وہ پریشانی سے اس طرف بڑھیں جب.....

"یہ ہے تمہاری حقیقت، سرکار؟"

کسی نے انہیں گدی سے دبوچ کے ان کا چہرہ دیوار سے دے مارا۔ ان کے منہ سے چیخ نکلی۔ سر

www.pklibrary.com

گھوم گیا۔
"میں سرکار کو کیا سمجھتا رہا۔ایک طاقتور عورت۔جو اونچی دیواروں سے بنے کسی قلعے میں باڈی گارڈز کی فوج کے پہرے میں رہتی ہوگی۔اور تم کیا نکلیں؟"
نگینہ کا سر چکرایا۔جسم دیوار کے ساتھ لڑھک گیا۔بمشکل ہاتھوں کا سہارا لے کر وہ گھومیں۔
پلکیں جھپکائیں۔دھندلا منظر واضح ہوا۔
شمس الدین ان کے سامنے کھڑا تھا۔کف اڑاتا،غصے سے سرخ پڑتا چہرہ لیے،وہ جیسے بے یقین تھا۔
"میں اتنے بندے ساتھ لایا تھا۔لیکن آگے سے کیا نکلیں تم؟"
تیز روشنیوں کے باوجود انہیں چکراتے سر کے باعث لاؤنج اندھیرا لگ رہا تھا۔شمس کا ایک ہیولہ تھا جو دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔
"ایک ہاؤس وائف؟ ایک اسٹوپڈ جاہل سی ہاؤس وائف؟ یہ تھی سرکار؟ اس عورت سے ڈر رہا تھا میں؟"
نگینہ بیگم دیوار کے ساتھ لگیں،زمین پہ بیٹھتی گئیں۔دھند قدرے چھٹی۔اب صاف نظر آیا۔
شمس اکیلا نہیں تھا۔تین ہٹے کٹے آدمی جو دیکھنے میں دیسی لگتے تھے،اس کے ساتھ تھے۔ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔اور چہروں پہ شمس کی طرح کی مسکراہٹ۔
"میں.... شمس الدین....ایک ہاؤس وائف سے ڈر رہا تھا؟ وہ جس کی ساری جادوگری ایک تہہ خانے تک محدود ہے؟"
نگینہ بیگم ایک دم چونکیں۔تیزی سے گردن موڑی۔بیسمنٹ کی طرف جاتا دروازہ کھلا تھا۔
اور اس دروازے کے قریب بہت سا سامان ڈھیر ہوا پڑا تھا۔

پتلے۔سوئیاں۔زعفران کی شیشیاں۔پتھر۔ہڈیاں۔کھوپڑیاں۔
وہ لوگ نیچے سے چیزیں اٹھا اٹھا کے یہاں پھینکتے گئے تھے۔
"شمس...." وہ غرائیں۔آنکھوں میں گلابی پن اترنے لگا۔
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" ان کی آنکھیں ماتھے سے بہتے خون سے زیادہ سرخ ہو رہی تھیں۔
"اچھا تو وہ نہیں ہے جو میں کرنے جا رہا ہوں،مسز نگینہ سلطان۔" وہ طنز سے چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔
"کس عورت کے ہاتھوں میں بے وقوف بنتا رہا؟ ایک کارے فور سے گروسری کرنے والی عورت؟" اس نے گرے ہوئے تھیلوں کو دیکھ کے ماتھے کو چھوا۔وہ مسلسل دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔حیرت۔تعجب۔بے یقینی۔طیش۔شمس اس وقت بہت سے جذبات سے گزر رہا تھا۔
پھر وہ ان کے سامنے رکا اور گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا۔
"وہ جادو بھی تم نے خود کیے تھے یا کسی سے کروائے تھے؟"
وہ وہیں بیٹھی اسے گھورے گئیں۔لب بند کیے آنکھوں میں سرخی لیے۔
"مجھے یوں مت دیکھو جیسے تم کچھ کر سکتی ہو۔اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کوئی جادوگر ایک پکار پہ اپنے موکل نہیں بلا سکتا۔ہم ہیری پوٹر نہیں کھیل رہے۔" طنز سے چبا چبا کے کہتا وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔
"اب میری بات غور سے سنو،سرکار۔"
اس نے پستول نگینہ بیگم کے ماتھے پہ رکھا۔دونوں آنکھوں کے درمیان۔
"آج سے میرے اور تمہارے سارے معاہدے ختم ہوئے۔میری بیٹی کے بارے میں سوچنا

www.pklibrary.com

چھوڑ دو۔"

اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔

"تم اب میرے پیچھے نہیں آؤ گی نہ مجھ سے رابطہ کرو گی۔ ورنہ میں اگلی دفعہ تمہاری جان لے لوں گا۔ اور اس دفعہ.....اس دفعہ میں تمہیں اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تم کچھ کر سکو۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ نگاہ اٹھا کے اسی خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔

"میرے جانے کے چند منٹ بعد پولیس یہاں آئے گی۔ تم کیا سوچ کے دبئی میں یہ کر رہی تھیں؟ دبئی ایک پولیس اسٹیٹ ہے۔" وہ چلایا۔ "پولیس اسٹیٹ۔ اس شہر کو پولیس چلاتی ہے۔ جادو ایک جرم ہے۔ اور دبئی میں جرم کر کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس لیے ہم تمہیں زندہ چھوڑ رہے ہیں۔" اس نے پستول جیب میں اڑسا۔ اور ایک آخری نفرت بھری نگاہ ان پہ ڈالی۔

"میں یو کے واپس جا رہا ہوں اور جب پولیس تمہارے یہ کارنامے دیکھے گی تو تم اگلے کئی سال تک جیل سے نہیں نکل سکو گی۔"

"کون کہاں جاتا ہے، یہ وقت بتائے گا۔" وہ اسے خون آشام آنکھوں سے گھور رہی تھیں۔

شمس ہلکا سا ہنس دیا۔ پھر زور سے پستول کا بٹ ان کے سر پہ مارا۔ وہ چکرا کے اوندھے منہ گر گئیں۔

اب شمس اس ڈھیر تک گیا جو دروازے پہ رکھا تھا۔ اندرانی پھر سے "اوں اوں" کر کے خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

شمس اس ڈھیر پہ جھکا۔ اس سے ایک البم نکالا۔ اور اسے کوٹ کے اندر کی طرف چھپا لیا۔

پھر پلٹ کے ان مسٹنڈوں جیسے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ تم سب بھی غائب ہو جاؤ۔ پولیس کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے دور چلے جانا چاہیے۔"

کوٹ کے بٹن بند کرتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جاتے جاتے اس نے اس ڈھیر کو ٹھوکر ماری۔

ایک بکرے کی کھوپڑی لڑھکتی ہوئی دور جا گری۔

اس کھوپڑی کے اندر کیڑے رینگ رہے تھے۔

☆☆☆

لائبریری میں اونچے ریکس رکھے تھے اور ان میں بجی کتابیں، اپنے اندر سینکڑوں داستانیں چھپائے خاموشی سے گزرتے افراد کو دیکھ رہی تھیں۔

لائبریری کی خاموشی میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ بھاری بوٹوں کی آواز۔ چند سر اٹھے اور ناگواری سے اس گرے تھری پیس میں ملبوس، سفید بالوں والے آدمی کو دیکھ کے واپس جھک گئے جو سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

بالآخر وہ ایک میز کے قریب رکے۔ وہ ایک کتاب پہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سنہرے بالوں کی چوٹی بنائے، دو لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔ وہ کتاب سے کچھ پڑھتی، اسے ایک کاغذ پہ اتار رہی تھی جب کسی کی موجودگی کے احساس پہ چونکی اور چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں نیلے کانچ جیسی تھیں اور ان پہ ہم رنگ مسکارا لگا تھا۔

"یاسمین پیتروا؟" مالک فرید نے نیپکن پہ لکھا نام دہرایا۔

یاسمین کے ماتھے پہ تعجب کی لکیریں ابھریں لیکن اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کیا ہم کہیں بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟"

کچھ دیر بعد وہ باہر ایک حوض کے کنارے رکھے بنچ پہ بیٹھے تھے۔ درمیان میں یاسمین کا بیگ اور کتابیں رکھی تھیں۔ وہ خاموشی سے حوض کے سبز پانی

www.pklibrary.com

کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے ایک پیپر لکھا تھا۔ نفسیات اور ایکسورسیزمز کے بارے میں۔"

(ایکسورسیزمز جادو کے مریض کے جسم سے جن نکالنے کے عمل کو کہتے ہیں۔)

یاسمین نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ بولی کچھ نہیں۔

"آپ چرچ کے ساتھ بھی منسلک رہی ہیں اور بہت سے ایکسورسیزمز میں شامل رہی ہیں۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں۔ آئی ایم وومن آف فیتھ" اس نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھی۔

"مجھے آپ کے اسی فیتھ کی ضرورت ہے۔"

وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ چہرے پہ کوئی جذبات نہیں۔ برف، روبوٹ جیسا۔

"بتائیے۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

"آپ کے بارے میں جو میں نے پڑھا وہ اتنا خوش گوار نہیں تھا۔" وہ حوض کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "آپ کی ماں امریکی ہے۔ باپ روسی۔ آپ کے سات بھائی ہیں جو روس میں رہتے ہیں۔ اور کوئی بھی آپ کی مالی مدد کے لیے تیار نہیں۔ اس وقت آپ شدید مالی مسائل کا شکار ہیں۔ آپ دو جابز کر رہی ہیں اور اس ملک کو چھوڑ کے روس واپس منتقل ہونے کا سوچ رہی ہیں۔ آپ کے اوپر یونی ورسٹی کا بھی بہت سا قرضہ ہے اور آپ کے تین بچے ہیں جن کی اسکولنگ یہاں بہت مہنگی ہے۔"

"میں نے آپ سے پوچھا تھا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" وہ اسی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"میرے پاس آپ کے لیے ایک مریض ہے۔" انہوں نے ایک پتلی سی فائل اس کی طرف بڑھائی۔ یاسمین نے اسے کھولا۔ دھوپ میں چمکتے صفحات پڑھے۔

"میں پرائیوٹ پریکٹس نہیں کرتی۔"

"وہ ایک ذہنی امراض کے ادارے میں داخل ہے۔" وہ اسے سنے بغیر کہہ رہے تھے۔

"پھر تو میں اس کا علاج بالکل نہیں کر سکتی۔ اس ادارے کے متعین سائیکوتھیراپسٹ ہی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔" پھر جیسے انہیں یاد دلایا۔ "آپ اپنی مرضی سے اپنے مریض کا ڈاکٹر منتخب نہیں کر سکتے، سر۔"

"میں آپ کو اس ہسپتال کے بورڈ میں شامل کر سکتا ہوں۔ آپ کو اپنی دونوں نوکریاں چھوڑ کے اس علاقے میں منتقل ہونا پڑے گا۔ وہ یہاں سے قدرے دور ہے۔"

وہ نیلی پلکیں سکوڑ کے انہیں دیکھے گئی۔

"میں اپنی ساری زندگی لپیٹ کے وہاں کیسے منتقل ہو سکتی ہوں؟"

عبدالمالک فرید نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

"کیونکہ میں آپ کو اس کام کے لیے پیسے دوں گا۔ آپ اپنے قرضے اتار لیں گی۔"

"میرا لائسنس بھی کینسل ہو سکتا ہے۔"

"نہیں ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ آپ نے کہا۔۔۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

"یو آر آ وومن آف فیتھ (تم ایمان والی عورت ہو۔)"

یاسمین گردن اٹھا کے اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا گارنٹی ہے کہ میرے علاج سے وہ بہتر ہو جائے گا؟"

"کیونکہ کوئی اس کے سچ پہ یقین نہیں کرتا۔ خود میں بھی نہیں۔ آپ وہ واحد شخص ہیں جو اس پہ یقین کریں گی۔ وہ آپ کے یقین سے بہتر ہوگا۔"

"میں پہلے اس سے ملوں گی۔" وہ بھی ان کے سامنے کھڑی ہوئی۔ "اور اگر مجھے لگا کہ میں اس کی مدد کر سکتی ہوں، تو میں ضرور کروں گی۔ لیکن اگر اسے میری ضرورت نہ ہوئی تو میں آپ سے کچھ نہیں لوں گی۔ اپنے مالی مسائل جس طرح میں نے پیدا کیے

www.pklibrary.com

ہیں، ویسے ہی انہیں حل بھی کر سکتی ہوں۔" وہ فائل سینے سے لگائے نرم سی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

انہوں نے محض سر کو جنبش دی۔ پھر ٹھہرے۔

"اور اسے بھی معلوم نہیں ہوگا کہ ہم دونوں ملے تھے۔ وہ میری دی ہوئی مدد بھی قبول نہیں کرے گا۔"

یاسمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ پلٹنے لگے تو وہ پکار اٹھی۔

"وہ آپ کا بیٹا ہے؟"

وہ اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ مڑے نہیں۔ بس ایک گہری سانس لی۔

"کاش ہوتا۔" وہ بڑبڑائے اور آگے بڑھ گئے۔

☆☆☆

سیاہ ٹوپی والی لڑکی، اپنے بیگ میں سے کچھ ڈھونڈتی شیشے کے دروازے کے پار جا رہی تھی۔ یہ فرید ہولڈنگ کے دفتر کی عمارت تھی۔ البتہ اندر جانے سے قبل وہ رکی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ چہرے پہ کچھ ہیجان سا تھا۔ پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔

سڑک کے پار بنی کافی شاپ کی کھڑکی سے اسے دیکھتا زیاد سلطان مسکرا دیا۔ سبرینہ اس کا وہ پہلا مارک تھی جس کو تعاقب کا علم ہو چکا تھا۔ کیسے، وہ نہیں جانتا تھا، لیکن وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ یہ کھیل کتنا عرصہ جاری رہے گا، وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا، لیکن وہ اسے ابھی جاری رکھنا چاہتا تھا۔

اور سرکار؟ اس کے چہرے پہ بے چینی ابھری۔ موبائل نکال کے سرکار کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

دوسری طرف فون آف جا رہا تھا۔ زیاد کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

اس نے دوسری جیب سے دوسرا موبائل نکالا اور "امی" کے نمبر کو ملایا۔ یہ ریگولر فون تھا۔

وہ نمبر بھی آف تھا۔ ایک لمحے کے لیے پریشانی نے اسے گھیرا لیکن پھر اس نے سر جھٹک دیا۔

سرکار کہیں مصروف تھیں۔ شاید کوئی نیا چلہ شروع کیا ہو۔ وہ ویسے بھی ان کے ساتھ نہیں رہتا تھا اور نہ ہر روز ان کی خبر گیری کرتا تھا۔ اچھا ہے کہ وہ مصروف تھیں۔ اس کی کیفیت کی انہیں خبر نہیں ملے گی۔

اس نے نگاہیں واپس عمارت کے دروازے پہ جما دیں۔

یہ کیفیت بڑے عرصے بعد ہوئی تھی۔

یوں کسی ایک لڑکی پہ اپنی ساری توانائی مرکوز کر دینا۔

وہ کافی کے گھونٹ بھرتا، مبہم مسکراہٹ کے ساتھ فرید ہولڈنگ کی عمارت کو دیکھے گیا۔

☆☆☆

سبرینہ نے جب سے مالک کے اسسٹنٹ کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تھا، اس کا فلور بدل چکا تھا۔ اب وہ شمس کے دفتر (ماہر کے پرانے دفتر) سے اوپر والی منزل پہ تھی۔ مالک کا آفس بھی یہیں تھا۔

لفٹ پہ اس نے مطلوبہ نمبر دبایا اور خاموشی سے لفٹ کو اوپر جاتے محسوس کرنے لگی۔

دفعتاً لفٹ رکی۔ دروازے کھلے۔ یہ شمس کا فلور تھا۔ غالباً کسی کو سوار ہونا تھا۔ دو افراد باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ہاتھ میں کافی کپ پکڑ رکھے تھے۔ ان سے اٹھتا دھواں اور مہک لفٹ کو معطر کر گیا۔

وہ یونہی باہر دیکھنے لگی۔ وہ اس فلور کو مس کرتی تھی۔ وہ شاید اس کو مس نہیں کرتا تھا۔ وہ ویسا ہی تھا۔ ہر روز جیسا۔

لیکن....

نہیں.....

وہاں کچھ مختلف تھا۔

سبرینہ چونک گئی۔ ایڑھیاں اونچی کر کے دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔

لفٹ کے دروازے بند ہو رہے تھے۔ اس کا روزن چھوٹا ہوتا گیا۔

www.pklibrary.com

شمس کاریڈور سے گزر کے اپنے آفس کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر دروازے بند ہو گئے اور منظر چھپ گیا۔ لیکن سبرینہ نے بے اختیار گلے پہ ہاتھ رکھا۔ عجیب گھٹن سی تھی۔ جیسے کچھ تھا فضا میں۔

لفٹ اس کے فلور پہ کھل گئی۔ وہ افراد باتیں کرتے ہوئے اتر گئے۔ لیکن وہ نہیں اتری۔ تیزی سے واپس اسی فلور کا نمبر دبایا۔

یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ وہ اپنے جسم کے اشارے پہچانتی تھی۔

فضا میں کچھ تھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی۔ دروازے واپس اسی فلور پہ کھلے تو وہ چوکنے انداز میں دائیں بائیں دیکھتی ہال میں اتری۔ ٹوپی سر پہ تھی اور مفلر گردن میں بندھا تھا۔ اس نے کوٹ بھی نہیں اتارا حالانکہ اندر کافی گرمائش تھی۔ وہ بیگ مٹھیوں میں زور سے دبائے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پہ وہ کوئی تسبیح پڑھ رہی تھی۔

ہر قدم کے ساتھ وہ احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا مقناطیس ہو اور وہ اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔

شمس کے آفس کے سامنے وہ رک گئی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ اندر شمس، ٹائی کی ناٹ ڈھیلا کرتا فون کان پہ لگائے بات کر رہا تھا۔ اس کی سبرینہ کی طرف پشت تھی۔

پھر دروازہ بند ہو گیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ ناک سے سانس اندر کھینچی۔ انگلیوں پہ پڑھی جانے والی تسبیح کی رفتار بڑھی۔

وہ احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس آفس کے گرد فضا بوجھل تھی۔ بہت سے راز چھپائے۔

وہ جو بھی تھا، اس آفس کے اندر تھا۔

سبرینہ نے ایک آخری بے چین نگاہ اس پہ ڈالی اور پلٹ گئی۔ البتہ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

☆☆☆

"کیا مطلب وہاں کچھ نہیں تھا؟" شمس دروازہ بند کرتے ہی فون پہ چلایا۔

"ہمارے غائب ہونے کے بعد پولیس آئی تھی۔ لیکن میرے کوشیکٹ کے مطابق انہیں وہاں کچھ نہیں ملا۔"

"کیا مطلب؟ کیا اس عورت نے انہیں گھر کی تلاشی نہیں لینے دی؟"

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"نہیں، شمس بھائی۔ پولیس ان کے دروازے پہ گئی اور کہا کہ انہیں اس گھر کے بارے میں شکایت ملی ہے۔ مسز مجینہ نے نہ صرف انہیں خود اندر آنے دیا بلکہ سارے گھر کی تلاشی بھی دی۔ ان کو کچھ نہیں ملا۔ وہ معذرت کر کے چلے گئے۔"

"واٹ دا ہیل۔" شمس کا دماغ گھوم گیا۔

چند منٹوں میں وہ سب جادو والی اشیاء کہاں غائب کر سکتی تھیں؟ وہ ایک نہتی ہاؤس وائف۔ اور اس کی ملازمہ۔ اتنی دیر میں تو وہ بدقت رسیاں کھول پائی ہوں گی۔

"شمس بھائی.... وہ عورت خطرناک ہے۔"

"پتا نہیں...." اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ "تم لوگ غائب ہو جاؤ۔ مجھ سے کچھ دن رابطہ نہ کرو۔"

اس کے چہرے پہ چھایا شاک اب پریشانی میں بدل چکا تھا۔ وہ بے چینی سے دائیں بائیں چکر کاٹنے لگا۔ پھر احساس ہوا۔ رک کے دروازے کو دیکھا۔

ابھی اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے سبرینہ کو کاریڈور میں دیکھا تھا۔ یہ ابھی تک زندہ تھی۔ اس نے اس کو ایکسیڈنٹ میں مارنے کی اتنی بڑی رقم سرکار کے قاتل کو دی تھی۔ اس وقت وہ اس کا سب سے بڑا مسئلہ تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح ماہر کو واپس لے آئے گی۔ اس لڑکی سے اسے ڈر لگتا تھا۔ لیکن اب.... اب اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

اسے اپنی بیٹی کو سرکار سے بچانا تھا۔

www.pklibrary.com

اور خود کو بھی۔

اس لمحے شمس الدین کو احساس ہوا کہ اس نے دبئی جا کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔

☆☆☆

اس کمرے کی کھڑکی سے بہت خوب صورت منظر دکھائی دیتا تھا۔ اونچے درختوں کی اوٹ سے بادلوں کے نارنجی کنارے جھلک رہے تھے۔

ماہر اسی طرح فرش پہ بیٹھا، باہر دیکھ رہا تھا۔ آلتی پالتی کیے۔ سامنے کریونز کا ڈبہ رکھا تھا۔ سرخ کریون ہنوز باہر تھا۔

ایک دم کھڑکی کے آگے رولر بلائنڈ نیچے گرتا گیا۔ ماہر فرید نے پہلی دفعہ چونک کے اس ہاتھ کو دیکھا جو بلائنڈ کی ڈوری گھما رہا تھا۔ سفید مخروطی انگلیوں والا ہاتھ، وہ اس کو دیکھے گیا بلائنڈ گر گئے۔ اب کمرے میں دن کی روشنی کا داخلہ مکمل بند ہو گیا۔ ذرا دیر کو اندھیرا ہوا پھر اسی ہاتھ نے سفید بتیاں جلا دیں۔ اتنی تیز کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اس نے سر جھکا لیا۔

"کیا تم مجھ سے بات نہیں کرو گے؟" وہ ایک نرم اور مہربان آواز تھی۔ ماہر نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ پلکیں جھکی رہیں۔ وہ یہاں سے فرش دیکھ سکتا تھا اور اس کے جوتے۔

وہ جھک کے ان جوتوں کے اسٹریپ کھول رہی تھی۔ بالآخر سپید گلابی پیر آزاد کیے پھر اسی ہاتھ سے جوتے اٹھا کے سائیڈ پہ رکھے۔ اب وہ اس کے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ اس کے سامنے آلتی پالتی کر کے بیٹھی رہی ہے۔

وہ ایک عورت تھی۔ گریبان پہ سلور صلیب جھول رہا تھا۔ وہ ایسے بیٹھی کہ کھڑکی اس کے پیچھے چھپ گئی۔

ماہر نے نظریں مزید جھکا دیں۔ اب وہ صرف اس کے پیر دیکھ سکتا تھا۔ گرے پینٹ سے جھلکتے سفید پیر۔ ایک ٹخنے کے گرد سنہری زنجیر بندھی تھی۔

"تم نگاہیں کیوں نہیں اٹھاتے، ماہر؟"

اس نے سر مزید جھکا لیا۔ اب وہ بس اپنے پیروں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کی ایڑھیوں کی جلد پھٹ گئی تھی اور اس میں خزاں کی زمین کے جیسی دراڑیں تھیں۔

اس عورت کا ہاتھ آگے بڑھا۔ وہی ہاتھ جس نے بلائنڈ بند کیا تھا اور اس نے اسکیچ بک کا صفحہ پلٹا۔ پہلا صفحہ اب کورا نہیں تھا۔ اس پہ سرخ کریون سے ایک شے بنی تھی۔

ایک عمارت۔ سرخ عمارت۔

"کیا یہ تم نے بنائی ہے؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔

"کیا تمہیں سرخ رنگ پسند ہے؟" وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

اس نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ وہ احساس پھر سے ہونے لگا۔ وہ دروازے کے کھلنے کی آواز سن سکتا تھا۔ دروازہ چرچرایا۔ ماہر نے گھٹنے جلدی سے سینے سے لگا لیے۔ بازوؤں کے گرد لپیٹ لیے، تھوک نگلا۔

"تم خوفزدہ ہو؟" وہ چونکی۔

ماہر نے ہلکی سی نگاہ دروازے کی سمت اٹھائی پھر جلدی سے سر گرا دیا۔

لیکن وہ دیکھ سکتا تھا۔

دروازے کی سمت سے چار پیر اندر داخل ہوئے تھے۔ گندے میلے، بھورے بالوں والے پیر، ان پہ خون لگا تھا، شیشے کی کرچیاں بھی تھیں۔ وہ ننگے پیر تھے اور ان کے ناخنوں میں بہت سا گند پھنسا تھا۔ اس کا سارا وجود دھیرے دھیرے لرزنے لگا۔

وہ آ گئے تھے۔ وہ ایک دفعہ پھر آ گئے تھے۔

"تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے، ماہر؟"

لیکن اس نے سر گھٹنوں پہ رکھ کے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ دیے۔ سارا جسم کانپ رہا تھا۔

وہ قریب آ رہے تھے۔

www.pklibrary.com

اس کا جسم اکڑنے لگا۔
اس نے اس نسوانی آواز کو چلاتے ہوئے سنا۔ وہ کوئی انجکشن مانگ رہی تھی۔ دوڑتے قدموں کی آواز۔ اس کا جسم جھٹکے کھا رہا تھا۔ سوئی کی چبھن ایسی تھی جیسے تلوار چبھی ہو۔
اور پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ سیاہ مخمل کے جیسا پرسکون اندھیرا۔

☆☆☆

شمس اپنے آفس میں بیٹھا' انٹرکام کان سے لگائے کچھ کہہ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے بےزاری سے موبائل اٹھایا۔ کوئی غیر شناسا سا نمبر تھا۔ یقیناً کوئی ٹیلی مارکیٹر ہوگا۔
"ہیلو؟" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔
"مسٹر شمس الدین؟ کیا آپ ہلال کے والد ہیں؟"
"یس۔ کیوں؟" وہ ایک دم چونک کے سیدھا ہوا۔
"آپ کی وائف رابیل اور ہلال کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ان کو خون کی ضرورت ہے۔ فوراً ہسپتال پہنچیں۔ فوراً۔"
ہسپتال کا نام سنتے ہی وہ کرنٹ کھا کے اٹھا۔ چابیاں اٹھائیں۔ والٹ جیب میں اڑسا پھر تیزی سے باہر بھاگا۔ باہر ڈیسک پہ اس کا اسسٹنٹ بیٹھا تھا۔ چلاتے ہوئے اسے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔
دونوں باری باری باہر بھاگے۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ نمبر بھی ملا رہا تھا۔ مالک؟ اسے مالک کو کال کرنی چاہیے؟ نہیں۔ بیریل کو؟ اونہوں۔ وہ خود دیکھ لے گا۔
شمس اور اس کا اسسٹنٹ لفٹ کے پیچھے غائب ہوئے تب وہ ستون کی اوٹ سے نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا برنر فون تھا۔ اسے جیب میں ڈالا۔ اور ایک نظر آفس کے دروازے کے اوپر دیکھا۔ وہاں ماہر نے سی سی ٹی وی کیمرہ لگوایا ہوا تھا جو شمس نے اتروا دیا تھا۔ وہ اپنے اوپر کوئی نظر نہیں چاہتا تھا۔
اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ آفس سنسان پڑا تھا۔ شمس کے پرفیوم کی مہک ابھی اندر تازہ تھی۔
بیرینہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کچھ تھا فضا میں۔
میز کے پیچھے ایک کیبنٹ تھا۔ وہ جھک کے بیٹھی اور کیبنٹ کھولا۔ اندر ایک لاکر تھا۔ لاکر کوڈ سے کھلتا تھا۔ ماہر کے جانے کے بعد شمس نے اس لاکر کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ماہر کے کاغذات مالک کے اسسٹنٹ نے وہاں سے نکال لیے تھے۔ شمس نے لاکر کا کوڈ بدل دیا تھا البتہ وہ ایک شے بھول گیا تھا۔
کہ ہر لاکر کی ایک ماسٹر کی ہوتی ہے اور بطور ماہر فرید کی سیکرٹری اسے معلوم تھا کہ ماہر، چابی کہاں رکھتا تھا۔
اس نے لاکر کے پیچھے ہاتھ ڈالا۔ وہاں ایک چابی ڈکٹ ٹیپ سے چپکی ہوئی تھی۔ تیزی سے چابی اکھیڑی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔
شمس پارکنگ تک پہنچا تھا۔ دماغ ایک دم ماؤف ہو چکا تھا اور پھر اسے یاد آیا۔ جس ہسپتال سے کال آئی تھی' اس کو ان کی انشورنس کور نہیں کرتی تھی۔ وہ تیزی سے گھر کا نمبر ملانے لگا۔ اسے اپنی ہاؤس کیپر سے بات کرنی تھی۔ وہ کاغذات میں سے دیکھ کے بتا سکتی تھی کہ.....
"ہیلو؟" رابیل کی آواز پہ وہ چونک گیا۔
"تم ٹھیک ہو؟ اور ہلال؟ وہ کہاں ہے؟"
"ہلال یہیں ہے۔ گھر میں۔ کیوں کیا ہوا؟"
وہ الٹا حیران ہوئیں۔
بیرینہ نے تیزی سے چابی کی ہول میں گھمائی۔ لاکر کا دروازہ کلک سے کھل گیا۔ وہ مسکرائی۔
شمس چند لمحے پارکنگ میں کھڑا حیران پریشان رہا۔ پھر ایک دم سر اٹھا کے عمارت کو دیکھا۔

www.pklibrary.com

ذہن میں جیسے خطرے کا الارم بجا۔
وہ تیزی سے واپس بھاگا۔
لاکر کا دروازہ کھولتے ہی دو چھوٹے چھوٹے خانے سامنے آئے۔ بہت سے نوٹوں کے بنڈل، کاغذات... سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے کسی سی ای او کے لاکر میں ہونا چاہیے۔ البتہ وہاں چند قیمتی گھڑیاں بھی تھیں۔ وہ چونکی۔ یہ ماہر کے باپ کی تھیں۔ شمس نے ان پہ بھی قبضہ کرلیا تھا۔ اُف۔
اور پھر اسے وہ شے نظر آئی۔
سبرینہ نے گہری سانس لی۔ اس کی حسیات اسی شے کو ڈھونڈ رہی تھیں۔
سحر زدہ شے۔ جس کی بدبو تسبیح پڑھنے والے کو کئی فٹ دور سے آجاتی ہے۔
شمس تیزی سے نفٹ میں داخل ہوا۔ بار بار ایک ہی نمبر پریس کیا۔ شاید اس طرح وہ جلدی پہنچ جائے گا۔ چہرہ غیض وغضب سے سرخ ہو رہا تھا۔
مطلوبہ فلور پہ اترتے ہی وہ تیزی سے آفس کی طرف بھاگا۔
دروازہ کھولا تو آفس خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔
وہ فوراً لفٹ کے لاکر تک آیا۔ کیبنٹ کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا۔ اس نے لاکر کا پاس ورڈ پنچ کیا۔
دروازہ اسپرنگ کی طرح کھلا۔
وہاں سب کچھ موجود تھا۔ سوائے اس البم کے۔
شمس الدین کا چہرہ سفید ہونے لگا۔
"سر کیا ہوا؟" اس کا اسسٹنٹ حیران پریشان کھڑا تھا۔
"کک کچھ نہیں۔" وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ اس کے قدموں سے جان نکل رہی تھی۔
یہ کسی انسان کا کام تھا۔ یا شاید کسی جن کا۔ یقیناً سرکار نے کسی کو اس کے پیچھے بھیجا تھا۔
وہ سرکار سے بچ کے نہیں جا سکتا تھا۔
اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

جادوگروں کی چوکھٹ پہ جانے والے ہر انسان کی طرح اس کے گرد بھی دیواریں تنگ ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ ایک سفید دیواروں والا کمرہ تھا۔
وہاں ایک بک شیلف کے سامنے آفس ٹیبل رکھی تھی۔
ان سے ذرا فاصلے پر دو صوفے رکھے تھے۔ ایک دوسرے کے مقابل۔ درمیان کی جگہ خالی تھی۔
ایک پہ وہ بیٹھا تھا۔ نیلے لباس میں۔ آدھی آستین کی شرٹ اور ٹراؤزر۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ چہرہ آج بھی جھکا ہوا تھا۔ وہ اپنے گھٹنے دیکھ رہا تھا۔
اسے یہاں سے سامنے بیٹھی عورت کے پیر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ آج نیوڈ ہیلز میں ملبوس تھے۔ ٹخنے کے گرد سنہری زنجیر اسی طرح جھول رہی تھی۔
"کیا تمہیں وہ نظر آتا ہے جو کسی کو نہیں آتا؟"
ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ انگلیاں باہم پھنسائے انگوٹھے سے انہیں کھرچ رہا تھا۔
"مجھے تمہارا یقین ہے، ماہر۔"
وہ چپ رہا۔ اس کا سارا وجود دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔
"کیا وہ اس وقت کمرے میں موجود ہیں؟"
نرم مہربان آواز پوچھ رہی تھی۔
ماہر کی بھنگی آنکھیں اٹھیں۔ وہ کن انکھیوں سے کمرے کے کونے کو دیکھ سکتا تھا۔
چار وجود۔ آٹھ پیر۔ گندے میلے۔ خون سے لتھڑے۔
وہ کونے میں کھڑے تھے۔ اس کے منتظر۔
اس نے ایک دم اس کونے سے رخ موڑ لیا۔
یاسمین نے چہرہ موڑ کے کمرے کے دائیں جانب دیکھا۔
وہ خالی تھا۔

www.pklibrary.com

وہاں ایک مصنوعی پلانٹ رکھا تھا۔ یاسمین نے دو انگلیوں سے ماتھے سے کندھوں تک باری باری چھوا اور صلیب کا نشان بنایا۔ پھر واپس ماہر کو غور سے دیکھا۔

"تم اس لیے نگاہ نہیں اٹھاتے کہ کہیں تم ان کو دیکھ نہ لو؟"

پھر وہ جگہ سے اٹھی۔ قدم قدم چلتی قریب آئی اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔ وہ اضطرابی انداز میں انگوٹھے کو دوسری ہتھیلی پہ رگڑ رہا تھا۔

یاسمین نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پہ رکھا۔ اس کی حرکت رک گئی۔

"تم نے کبھی ان کو سمجھنے کی کوشش کی؟"

پہلی دفعہ ماہر کی آنکھیں اوپر اٹھیں اور اس کے چہرے پہ ٹھہر گئیں۔ وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ سفید شفاف چہرہ، نیلی آنکھیں، اس کی آنکھوں میں ایک شفاف سا تاثر تھا۔ گردن میں ایک صلیب جھول رہا تھا۔

"تمہیں ان کی آنکھوں میں دیکھنا ہے، ماہر۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں یک ٹک دیکھے گیا۔

وہ گھٹنے موڑے زمین پہ بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ کسی فرشتے جیسا تھا۔ "وہ غلام ہیں۔ وہ مجبور ہیں۔"

وہ دھیرے سے چونکا۔

ذہن میں جیسے کوئی گونداسا لپکا تھا۔

"ان کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ یہ سب اپنی خوشی سے نہیں کر رہے۔" وہ اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے نرمی سے کہہ رہی تھی۔ "ان کی لگام ایک جادوگر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ایک انسان ان سے یہ کروا رہا ہے۔"

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں ان کی آنکھوں میں دیکھنا ہے۔ تمہیں ان کو اس غلامی سے آزاد کرنا ہے۔ وہ اداکاری کر رہے ہیں، تمہیں ڈرانے کی۔ تمہارا خوف ان کی غذا ہے۔ ماہر، ان کو غذا مت دو۔"

وہ بس اس کو دیکھتا رہا۔ بنا پلک جھپکائے۔ بنا سانس لیے۔

"سر اٹھاؤ اور ان کی آنکھوں میں دیکھو۔ ان کو بتاؤ کہ تم ان کو سمجھتے ہو۔ ان کو ان کی زندگی واپس کر دو۔ وہ تمہارے ساتھ بندھے ہیں۔ تمہیں ان کو آزاد کرنا ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے دہرا رہی تھی۔

"تمہیں ان کو آزاد کرنا ہے۔"

"تمہیں ان کو آزاد کرنا ہے۔"

اس نے نگاہ دائیں جانب اٹھائی۔ وہ اب ان کے پیر دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ نگاہ حزید اوپر اٹھے لیکن آنکھیں خوف کے بوجھ تلے گرتی چلی گئیں۔

لب کپکپا گئے۔

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

"ان کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان کی بات سنو۔ ان کو آزاد کر دو۔" وہ نرمی سے دہرا رہی تھی۔

وہ پیر اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ زمین پہ خون گرتا جا رہا تھا۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر دیں۔ کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ جسم ایک دفعہ پھر کانپنے لگا تھا۔

☆☆☆

نگینہ بیگم کے اپارٹمنٹ کی بیسمنٹ میں اندرانی فرش پہ بیٹھی، ایک کارٹن سے چیزیں نکال نکال کے باہر رکھ رہی تھی۔ وہاں ایسے ہی چند کارٹن پڑے تھے جن میں جلدی میں سامان پیک کیا گیا تھا۔ بیسمنٹ کے کاٹھ کباڑ سے لدے کمرے کی دیوار میں ایک شگاف تھا۔

اندرانی نے آخری کارٹن اندر سے نکالا اور سلائیڈنگ دروازے کو بند کر دیا۔ شگاف برابر ہو گیا۔ ایسے جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ اب اس نے چند

www.pklibrary.com

پینٹنگز اٹھائیں اور باری باری دیوار پہ لگانے لگی۔ ان پہ جالے لگے تھے۔ اس نے احتیاط سے جالے وہیں رہنے دیئے۔

نگینہ بیگم ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھیں۔ ماتھے پہ تیل تھے اور آنکھوں میں تپش۔ وہ عام لباس میں تھیں' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کرسی پہ بیٹھی' مسلسل ایک پاؤں جھلا رہی تھیں۔ اندرانی نے آخری شے بھی سیٹ کر کے رکھی اور ان کی طرف مڑی۔

"جانتی ہیں وہ کیا لے کر گیا ہے؟"

"ہاں لیکن اب وہ اس کے پاس بھی نہیں رہا۔ وہ اس لڑکی کے پاس ہے۔" ان کی آنکھوں سے جیسے بے بسی اور تپش سے شرارے پھوٹنے لگے۔ موبائل نکالا اور ایک ایک نمبر زور سے دبایا۔

"کیا تم کام کرنے کا طریقہ بھول چکے ہو؟"

وہ ان کی غراہٹ پہ چونکا تھا۔

"کہا تھا۔ کچھ وقت لگے گا۔"

"اب وقت کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا ہے۔" وہ سامنے دیوار کو دیکھتی سرخ پڑتی آنکھوں سے کہہ رہی تھیں۔

"شمس کو مارنا ہے اور اس کی بیٹی کو میرے پاس لانا ہے۔"

موبائل بند کر کے وہ ہلکا سا مسکرائیں۔ شمس الدین نے ان کو ہلکا سمجھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے مخصوص حلیے میں وہاں تنہا زمین پہ بیٹھی تھیں اور سامنے ایک ہنڈیا ابل رہی تھی۔

شمس کی طرف سے ان کو ایک بہت بڑا جھٹکا لگا تھا اور انہیں اس سے خود کو واپس لانا تھا۔ ان کو اپنی انا اور غرور کو بحال کرنا تھا۔ انہیں اپنی طاقت مزید بڑھانی تھی۔

اور اس کا بہترین طریقہ کسی بھی جادوگر کی نظر میں ایک ہی ہے۔

کسی معصوم انسان کے اوپر سب سے بدترین جادو کرنا۔

ہنڈیا کا کالا جادو۔

اور اگر وہ اس جادو سے ایک ہی رات میں مر جائے تو اس جادوگر کی طاقت، کئی گناہ بڑھ سکتی ہے۔

انہوں نے زیر لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے ہنڈیا میں کیلیں ڈالنی شروع کیں۔

انہیں ایک رات میں جادو کے ذریعے ماہر فرید کی جان لینی تھی۔

☆☆☆

وہ نیند سے ایک دم جاگا جیسے کسی نے جسم میں سلاخ سی گاڑھ دی ہو۔ سینے کے مقام پہ شدید تکلیف ہوئی۔

وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ دائیں بائیں دیکھا۔

رات کا وقت تھا۔ کمرہ اندھیر تھا۔ کھڑکی کے آگے بھی بلائنڈز گرے تھے۔

ایسے میں باہر سے آتی روشنی دروازے کی نچلی درز سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں جھپکائیں۔ اب وہ کمرے کو نیم اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا۔

کونے میں وہی پیر کھڑے تھے۔

ماہر نے تیزی سے نظریں جھکا دیں۔ بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔ کوئی اسے الٹی چھری سے جیسے کاٹ رہا تھا۔

وہ کراہا۔ چہرے پہ پسینہ آنے لگا۔ پھر وہ چہرے کے بل دوہرا ہوتا گیا۔

اب وہ صرف اپنے گھٹنے دیکھ سکتا تھا جو لحاف میں چھپے تھے۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

پھر..... بیڈ کے کنارے پہ زور بڑھا۔

جیسے کوئی بیٹھا ہو۔

ہلکا سا قہقہہ گونجا۔

اس نے گھٹنے سینے سے لگا لیے سر ان میں چھپا دیا۔ سانس تیز ہو گیا۔ وہ چیخ نہیں سکا۔

خوف۔ خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔

www.pklibrary.com

کسی نے ہلکا سا اس کا لحاف کھینچا۔ پھر کوئی ہلکا سا قریب ہوا۔ ماہر کا جسم کانپنے لگا۔ سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ چہرہ ابھی تک گھٹنوں میں چھپا رکھا تھا۔

"ماہر..." ایک طنزیہ آواز گونجی۔ وہ قریب آرہے تھے۔

ان کے قدموں کی چاپ۔ بستر پہ دائیں بائیں ہر طرف ان کا پڑتا بوجھ۔

اس کو لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ یا دل باہر نکل آئے گا۔

خوف۔ شدید خوف۔

وہ اسے مارنے آرہے تھے۔

آج وہ اس کی جان لینے آرہے تھے۔

اور تب...

جیسے کسی تاریک جنگل میں...

چاندنی سے نہائی

جھیل کے پانی جیسی

آواز گونجی...

"انہیں آزاد کردو۔"

بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔ وہ ان کی گرم سانس کی آواز سن سکتا تھا۔

"وہ غلام ہیں۔ مجبور ہیں۔ تمہارے جیسے قیدی ہیں۔"

وہ قریب آرہے تھے۔

"انہیں آزاد کردو۔"

اس نے مٹھیوں میں سختی سے لحاف بھینچ رکھا تھا۔ وہ ان کے ہلتے وجود قریب آتے محسوس کرسکتا تھا۔

"انہیں اپنے خدا کا نام لے کر آزاد کردو۔"

ایک بوڑھا کھردرا سا ہاتھ اس کی گردن تک رینگتا آیا۔ وہ ہل نہیں سکا۔

"تمہیں ان کو سمجھنا ہے۔"

اس ہاتھ نے دھیرے دھیرے اس کی گردن کے گرد گھیرا تنگ کیا۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کررکھی تھیں۔

"وہ مجبور ہیں۔"

دو ہاتھوں نے اس کی گردن دبانی شروع کی۔ اس کا سانس گھٹنے لگا۔

"تمہیں ان کی آنکھوں میں دیکھنا ہے۔"

ماہر فرید نے ایک دم آنکھیں کھولیں۔

وہ اس کے سامنے تھا۔ اس کا چہرہ سیاہ تھا۔ اس پہ کتے جیسے بھورے بال تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں اور دانت پیلے۔ وہ بھیڑیے اور کتے کی کھال جیسی جلد رکھتا تھا۔ اس کو اپنی طرف دیکھتا پاکے وہ مسکرایا۔ پیلے نوکیلے دانت چمکے۔

"تم غلام ہو۔" اس کے لب پھڑپھڑائے۔

آنکھیں بنا جھپکے اس کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔ اس کو پیچھے تین اور بھی دکھائی دے رہے تھے۔ اپنے دائیں بائیں۔ وہ قریب آرہے تھے لیکن وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"تم غلام ہو۔" اس کی آواز حلق سے پھنسی پھنسی سی نکلی۔

"تمہیں اس نے قید کررکھا ہے۔" وہ جیسے کسی خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔ پلکیں جھپکنا بھول چکی تھیں۔

پہلی دفعہ اسے ان سرخ انگارہ آنکھوں میں کچھ دکھائی دیا۔

کچھ غیر آرام دہ سا۔ ایک بے بسی۔

ایک غلام کی بے بسی۔

بس وہ ایک کمزور لمحہ تھا۔ وہ لمحہ ماہر فرید نے دیکھ لیا تھا۔

اور اگلے ہی پل اس نے جھپٹ کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ ہاتھ ایسا کھردرا تھا جیسے کریلے کا خول ہو۔ اس کے ناخن، ماہر کی گردن میں گھس رہے تھے لیکن وہ سختی سے اس کا ہاتھ جکڑے، اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں ہو۔ تم بس ایک غلام ہو۔"

اس کی آواز اب کے غراہٹ کی صورت نکلی۔

www.pklibrary.com

(وہ اپنے آفس میں تھا۔ ایک سرخ دھند آنکھوں پہ چھائی تھی اور وہ کچھ اٹھا کے سبرینہ کے سر پہ مار رہا تھا۔)

"تم کچھ بھی نہیں ہو۔"

(وہ اپنے باپ کے ہاسپٹل بیڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان کا ہاتھ تھامے۔ وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔)

"تم ایک غلام ہو۔"

(وہ اس کو لینے آئے تھے۔ وہ چلا رہا تھا۔ اور وہ اس کے ہاتھ باندھے اسے ذہنی امراض کے ہسپتال لے جا رہے تھے۔)

"تم تو کچھ بھی نہیں تھے۔"

(وہ کمرہ نمبر ۵۵۵ کے فرش پہ کمر کے بل گرا ہوا تھا۔ اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ نشتروں جیسی سوئیاں۔ وہ چلا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

"تم مجھ سے زیادہ بے بس تھے۔"

پہلی دفعہ..... ماہر نے اس مخلوق کے چہرے کی مسکراہٹ کو الجھن میں بدلتے دیکھا۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ باقی تینوں قدرے خوف سے اپنے بڑے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جس کا ہاتھ ماہر کی گردن پہ تھا' اور اس ہاتھ کو ماہر کا ہاتھ دبوچے ہوئے تھا۔

"تم غلام ہو۔"

وہ بولا تو آواز اونچی تھی۔

"اور میں تمہیں اپنے اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں۔"

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پیچھے کھینچا۔ اس مخلوق کے ناخنوں کے ساتھ اس کی گردن کی جلد بھی چھلتی چلی گئی۔ شاید خون بھی نکلا تھا۔

"میں تمہیں اپنے اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔ بال بھیگے ہوئے تھے اور سانس تیز تیز چل رہا تھا۔

"جاؤ تم آزاد ہو۔"

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ دور پھینکا۔

وہ پیچھے نہیں ہٹا۔

وہ اسے گھورے گیا۔ وہ تینوں اس کے کندھوں کے دائیں بائیں اکٹھے ہو گئے۔ وہ اس کو خون آشام آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ ان کی اصل شکل نہیں تھی۔ یہ سب سے خوفناک شکل تھی جو وہ بنا سکتے تھے۔

لیکن اس کی نظریں نہیں جھکیں۔

"میں اپنے اللہ کے نام کے ساتھ تمہیں آزاد کرتا ہوں۔"

وہ وہیں کھڑے رہے۔ جم کے۔ وہ اس کو دیکھ رہے تھے۔ ہونٹ بھینچے' سرخ آنکھوں سے۔

"اگر تمہیں..."

تیز سانسوں کے درمیان اس کی آواز بلند ہوئی....

"اگر تمہیں اللہ کا ذرا سا بھی خوف ہے' تو آج کے بعد تم میرے قریب نہیں آؤ گے۔"

وہ وہاں سے نہیں ہلے۔ وہ بس اسے دیکھے گئے۔ عجیب سی نظروں سے۔

اور وہ پسینے میں بھیگا چہرہ لیے.... سرخ چلی ہوئی گردن کے ساتھ واپس ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہیں اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں...."

اس کی آواز مزید اونچی ہوتی گئی۔

"تم جہاں سے آئے ہو ... وہیں پلٹ جاؤ..."

کچھ تھا جو ان کے چہروں پہ بدلا۔

ایک ایسا تاثر جسے وہ بھی کوئی نام نہ دے سکا۔ خوف۔ اس نے پہلی دفعہ ان کو خوفزدہ دیکھا۔

"میں اللہ کے نام کے ساتھ ... کہتا ہوں کہ..."

www.pklibrary.com

اس کی غراہٹ ٹوٹ ٹوٹ کے نکل رہی تھی۔ جسم ابھی تک کپکپا رہا تھا لیکن اب وہ خوفزدہ نہ تھا....

"کہ تم وہیں پلٹ جاؤ جہاں سے آئے تھے...."

وہ ایک قدم پیچھے ہٹے۔ ان کے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔

"میں دعا کرتا ہوں کہ.... تمہارا جادو جہاں سے آیا ہے... مجھے تکلیف دیے بنا... وہ وہیں پلٹ جائے...."

ان کے جسم سے دھیرے دھیرے دھواں سا اٹھنے لگا۔

اس کی آواز مزید بلند ہوتی گئی۔

"وہ جس نے میرے باپ کے دماغ پہ جادو کیا تھا...." انگلی اٹھا کے وہ چلا رہا تھا۔

"وہ جس نے میری ماں کے دل پہ جادو کیا تھا...."

وہ خوفزدہ چہروں کے ساتھ پیچھے ہٹ رہے تھے۔

"وہ جس نے میرے اوپر جادو کیا ہے..."

وہ کھڑکی کے ساتھ اکٹھے ہو گئے۔

"میں دعا کرتا ہوں کہ...."

وہ گٹھڑی صورت ایک دوسرے کے ساتھ لگ گئے۔

"کہ تم اپنا جادو لے کر.... اسی کے اوپر پلٹ جاؤ۔"

ایک زور کا چھناکا ہوا۔ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا۔ ہر طرف کرچیاں بکھر گئیں۔

تیزی سے بھاگتے قدموں کی آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا۔ بتیاں جلائی گئیں۔

اسکربز میں ملبوس اسٹاف دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

کمرہ اب روشن تھا۔

وہاں صرف دھوئیں کی بدبو تھی اور ٹوٹا ہوا شیشہ۔

وہ جا چکے تھے۔

نرس تاسف سے اسے دیکھتے سر ہلاتی کوئی انجکشن دے رہی تھی۔ اسٹاف اس کی گردن کے زخموں کو دیکھ رہا تھا۔

اور وہ پسینے سے تر چہرہ لیے تیز تیز سانسوں کے درمیان ٹوٹی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ جا چکے تھے۔

☆☆☆

ہزاروں میل دور اپنی بیسمنٹ میں بیٹھی نگینہ بیگم نے مسکرا کے پتلا رکھا۔ وہ اس کی گردن کے گرد ڈوری باندھ چکی تھیں۔ اس میں پھونک مار چکی تھیں۔ اس گرہ کو کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔

اب وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لباس تبدیل کیا۔ بالوں کی چوٹی گوندھی۔ وہ ایک گندی میلی جادوگرنی سے ایک توانا اور جوان نظر آنے والی خاتون دکھائی دینے لگیں۔

پھر ایک ایک زینہ چڑھتی اوپر آئیں۔ دروازہ بند کیا۔

لاؤنج میں بیٹھے سلطان صاحب نے کتاب کے پیچھے سے ان کو آتے دیکھا اور طنزیہ مسکرا کے سر جھٹکا۔ پھر کچھ بڑبڑا کے کتاب کی طرف معروف ہو گئے۔

وہ مسکرا کے ان کو نظر انداز کرتی کچن تک آئیں۔ کیبنٹ کے شیشے کے دروازے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ سرکار تھیں۔

ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ آج رات کے بعد ان کی طاقت مزید بڑھ جائے گی۔ شمس الدین جیسوں کو تو وہ سالم نگل سکتی تھیں۔

وہ سنک کے قریب آئیں اور شیلف سے ایک مگ اٹھایا۔

اور اسی وقت ایک دم کسی نے انہیں گردن سے پکڑا۔ ان کی کراہ بھی نہ نکل سکی۔ وہ بے اختیار دہری ہوئیں۔ مگ ہاتھ سے چھوٹ کے فرش پہ گرا اور چکنا

www.pklibrary.com

چور ہو گیا۔
کچھ اور بھی فرش پہ گرا تھا۔
ان کے منہ سے خون کی الٹی۔
وہ بے اختیار معدے پہ ہاتھ رکھے دوہری ہوئیں۔ سارے جسم میں کسی نے برچھیاں چلا دی تھیں۔
ایک سیاہ دھواں سا تھا جو جانے کہاں سے آیا تھا... اور ہوش کھونے سے پہلے ثمینہ بیگم ایک لمحے میں جان چکی تھیں کہ... وہ دھواں عین ان کے خون کے اندر شامل ہو گیا تھا۔
وہ چیختے ہوئے کچن کے فرش پہ گری تھیں۔
سلطان صاحب اور اندرانی بھاگتے ہوئے اس طرف آئے۔ ان کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ جسم مرگی کے مریض کی طرح جھٹکے کھا رہا تھا۔
اور اس لمحے وہ جانتی تھیں کہ ماہر فرید پہ کیا جادو الٹا ہو گیا تھا۔
اس جادو نے نہ تو ان کے دماغ کو چھوا تھا نہ دل کو۔ اور نہ ہی کسی دوسرے عضو کو۔
وہ سیدھا ان کے خون میں داخل ہو گیا تھا۔
اور جو جادو خون میں داخل ہو جائے' اس کو نہ کوئی علاج نکال سکتا ہے نہ کوئی تعویذ۔
ایک ماہ بعد ثمینہ بیگم کو بلڈ کینسر تشخیص ہوا تھا۔

☆☆☆

موجودہ دن۔
کشمالہ مبین، کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز قدموں سے چلتی اس طرف آ رہی تھی۔ وہ ایک بحری جہاز کے عرشے جیسی جگہ تھی۔ ایک طرف عمارت۔ دوسری طرف گزرگاہ اور اس کے ساتھ ریلنگ جس کے پار پانی دکھائی دے رہا تھا۔
وہ ریلنگ کے کنارے کھڑا تھا۔ اس کی طرف سے کمر موڑے۔ کہنیاں ریلنگ پہ جمائے وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔
وہ اس کے عین پیچھے جا کے رکی۔ چند لمحے اس فریب کار کی پشت کو دیکھتی رہی۔

"کیف...."
وہ ایک دم پلٹا۔ اسے دیکھ کے جیسے اس کا سانس رک گیا اور پھر چہرے پہ بہت سے جذبات ابھرے۔ ندامت ان میں سرفہرست تھا۔ اس نے چہرہ جھکا دیا۔
"کشمالہ...."
"صبح جب صفورا کا میسج آیا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو میں انکار کرنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر سوچا' کیا حرج ہے۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کو دیکھ رہی تھی۔
"کہو کیف... تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"
صفورا کا کزن، کیف جمال اس کے سامنے کھڑا تھا۔

☆☆☆

ماہر فرید کے تیز قدم اس گھر کے دروازے تک پہنچ کے سست ہو چکے تھے۔ وہ باہر لگی سفید باڑ تک رکا۔
گیٹ کھلا تھا۔ اندر پورچ میں ایک کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بنا چاپ کے چلتا دروازے تک آیا۔
اور بیل پہ انگلی رکھی۔
اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور وہ نظر آئی۔
سیاہ بالوں کی پونی بنائے لڑکی، جس کی سیاہ آنکھیں اسے دیکھ کے جیسے چمک اٹھی تھیں۔
"ماہر.... خوش آمدید۔"
سبرینہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

☆☆☆

کبھی کبھی تمہاری زندگی
بن جاتی ہے ایک جھولتی ہوئی کشتی کی مانند۔
ایک پرسکون سمندر میں۔
جہاں ہوا کی سرگوشی تک نہیں ہوتی۔
وقت ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔
تم اندر کے خالی پن کے ہاتھوں

www.pklibrary.com

کوما جیسی غنودگی میں ڈوب جاتے ہو۔
پھر ایک دم سمندر درشت ہو جاتا ہے۔
اور تمہارے جذبات ہلا مارے جاتے ہیں۔
لیکن یہ دو متضاد کیفیات بھی برقرار نہیں رہتیں۔
تمہارے خالی پن میں چھپا ہے ڈر۔
تم پھوٹ پھوٹ کے روتے ہو۔
تم خوف سے بھرے ہو۔
تم چیخے چلاتے ہو۔
خود کو زخمی کرتے ہو۔
اور اس خوف کی گرفت میں،
بدترین طوفان میں،
تم پھر بھی عجیب سا خالی پن محسوس کرتے ہو۔
جیسے ایک گہری تھکاوٹ ہو۔
ایسے میں صرف موت ہے
جو مسلسل تمہارے جذبات کو پرجوش کرتی ہے۔
چاہے اس کے بارے میں سوچنا ہو
جب زندگی محفوظ اور باسی لگتی ہو۔
یا اس سے بچ کے بھاگنا ہو
جب زندگی خطرے میں مزید قیمتی محسوس ہوتی ہو۔
لائف بوٹ کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔
یہ شطرنج کی اینڈ گیم جیسی ہے
جس میں چند ہی مہرے باقی ہوں۔
حالات اس سے سادہ نہیں ہو سکتے۔
سب کچھ اس سے زیادہ داؤ پہ نہیں لگا ہو سکتا۔
سب سے مشکل، مار دینے والا وقت۔
اگر تمہیں اپنی بقا کی جنگ لڑنی ہے
تو تمہیں حالات کے مطابق
کچھ فیصلے کرنے ہوں گے۔
بہت کچھ ایسا ہوگا
جس پہ سمجھوتہ کرنا ہوگا۔
بہت کچھ قربان کرنا ہوگا۔
تم اپنی خوشی کشید کرو گے
جہاں سے ممکن ہوگا۔
تم اس مقام تک پہنچ جاؤ گے
جہاں تم جہنم کے نچلے گڑھے میں ہو گے
پھر بھی تم سینے پہ بازو لپیٹے
چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے ہو گے۔
اور تم خود کو محسوس کرو گے
کائنات کا سب سے خوش قسمت انسان۔
کیوں؟
کیونکہ تمہارے
پیر تلے ہوگی۔
ایک چھوٹی سی
مری ہوئی مچھلی۔
(لائف آف پائی، یون مارٹیل)

وہ عرشے کی ریلنگ کے ساتھ کھڑی تھی۔ ہوا سے اس کے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے۔ کوٹ کے کالر کھڑے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، وہ آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی کیے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ رہی تھی۔
صفورا کا کزن کیف جمال اس کے سامنے تھا۔
"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔
کیف بدقت کھنکھارا۔

☆☆☆

ساڑھے تین سال قبل

وہ ایک سفید کمرہ تھا۔ دیواریں بے رنگ اور پھیکی تھیں۔ وسط میں دو آرم چیئرز رکھی تھیں۔
یاکین ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، گھٹنوں پہ نوٹ پیڈ رکھے، سامنے بیٹھے ماہر کو دیکھ رہی تھی۔ فرنچ چوٹی میں بندھے بال، چند گالوں کو چھوتی لٹیں اور ہمیشہ کی طرح شفاف نیلی آنکھیں۔
"کیسا محسوس کر رہے ہو؟"
سامنے بیٹھا نوجوان اس سے مختلف تھا جسے تم نے چند سطور اوپر دیکھا تھا۔ اس کا لباس صاف

www.pklibrary.com

تھا۔ چہرہ سکین شیو تھا۔ حلقے ویسے ہی تھے مگر ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ تھی۔

"مجھے اپنے سگارز چاہئیں۔"

وہ اس کے انداز پہ مسکرادی۔

"میرا خیال تھا اس قید (نگاہیں گھما کے اطراف میں دیکھا) میں تمہیں سگارز کی عادت چھوٹ گئی ہوگی۔"

"عادت چھوٹی نہیں تھی۔ بھول گئی تھی۔ اب سب یاد آنے لگا ہے۔"

"اور وہ چہرے؟" یاسمین نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا وہ اب بھی خوفزدہ کرتے ہیں؟"

ماہر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"میں کبھی ان چہروں سے خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔"

وہ گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دھوپ اس رخ پڑ رہی تھی کہ یاسمین کو اس کی بھوری آنکھیں سائیڈ سے سنہری دکھائی دے رہی تھیں۔

"پھر کیا ڈراتا تھا؟"

"ان کی آوازیں۔"

"آوازیں؟"

ماہر نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کے ہونٹوں پہ ایک مغموم سی مسکراہٹ تھی۔

"جانتی ہو آواز کیا ہوتی ہے؟" اس کی آنکھوں میں تکان تھی۔ "یہ دنیا آواز سے بنی تھی۔ جب اللہ نے کہا کن۔ اور یہ دنیا آواز سے ختم ہوگی۔ جب صور پھونکا جائے گا۔ آواز ہر خوف کی بنیاد ہے۔"

وہ خاموشی سے نوٹس لیتی اس کو سنے گئی۔

"انسان کو نیند سے کیا چیز جگاتی ہے؟ خوشبو؟ ذائقہ؟ کوئی منظر؟ نہیں۔ نیند میں ڈوبا شخص مردے کے جیسا ہے۔ اس کو نیند سے آواز جھنجھوڑ کے نکالتی ہے۔ کسی انسان کی۔ کسی الارم کی۔ میں ان کے چہروں سے نہیں ڈرتا تھا۔ میں ان کی آوازوں سے ڈرتا تھا۔"

"اور اب؟" یاسمین نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ پرسکون تھا۔ لیکن تھکا ہوا بھی تھا۔

"مجھے اس خوف سے نکالنے والی بھی آواز ہی تھی۔ تمہاری آواز۔"

وہ سادگی سے مسکرادی۔

"تمہاری آواز مجھے اس رات سنائی دی تھی۔ اور پھر جیسے ہر شے کی حقیقت سمجھ میں آنے لگی۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"جب تک مجھے اس ادارے سے کلیئرنس نہیں ملتی، میں اپنے زخم بھروں گا۔ وہ تمام کام جو میں اتنے برس نہیں کر سکا۔ وہ تمام عمارتیں جو میں نہیں بنا سکا کیونکہ میں صرف پیسہ بنا رہا تھا۔ مجھے زبانیں سیکھنے کا شوق تھا۔ کیلی گرافی کا شوق تھا۔ کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ میں آرٹسٹ تھا۔ میرے باپ نے مجھے بزنس مین بنا دیا۔ مجھے اپنا آرٹ واپس چاہیے۔"

(ماہر اپنے کمرے کے فرش پہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے چند کاغذ بکھرے پڑے تھے اور وہ بہت انہماک سے ایک لکیر کھینچ رہا تھا۔ گریفائٹ پنسلز۔ اسکیچ بکس۔ رنگ۔ نقشے۔ وہ ان سب میں گھرا بیٹھا تھا۔)

"اور تمہارے خوف؟"

"ہم صرف ان چیزوں سے ڈرتے ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔"

(زیاد سلطان تیز قدموں سے بھاگتا ہوا ہسپتال کے کاریڈور میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک کمرے کے سامنے وہ ٹھہرا۔ دروازے کے شیشے کے شگاف سے وہ اندر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ اس کی

www.pklibrary.com

آنکھیں نم ہوئیں۔

بیڈ پہ نالیوں سے جکڑی نگینہ بیگم آنکھیں موندے دکھائی دے رہی تھی۔)

"انسان اپنے خوف کو سمجھ جائے تو وہ خوف ہوا ہو جاتا ہے۔"

(زیاد ان کے بیڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے' وہ یاسیت سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ نگینہ بیگم نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ وہ چند دنوں میں ہڈیوں کا ڈھیر بن چکی تھیں۔

"یہ سب ایک شخص کی وجہ سے ہوا ہے۔" ان کی آواز کانپی۔ "اس نے میرے اوپر جادو کیا ہے۔" تنفس تیز تھا۔

"کون؟" زیاد کے اعصاب تن گئے۔ آنکھوں میں سرخی سی اتری۔

"ماہر فرید۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔ "وہ لڑکی جس کو تم اب تک مار نہیں سکے' اس کے دل پہ بھی اسی شخص کا قبضہ ہے' زیاد۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

زیاد کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ کنپٹی کی نس ابھرنے لگی۔

یہ وہ پہلی دفعہ تھا جب زیاد سلطان کے دل میں ماہر فرید کی نفرت کا بیج اپنے قدم جمانے لگا تھا۔ اس سے پہلے ماہر فرید اس کی ماں کے کلائنٹ کا دشمن تھا۔ ایک سائیڈ کریکٹر۔ اور اب.... اب وہ زیاد سلطان کی کہانی کا ولن تھا۔

"ماہر فرید سے اس سے برا بدلہ کیا ہوگا کہ تم اس کی محبوب لڑکی کو جان سے مار دو؟"

"میں یہ نہیں کہتا کہ میں اب ٹھیک ہوں۔ وہ کسی ناسور کی طرح میرے جسم کو چوس رہے تھے۔ ان کے جانے سے زخم کا گھاؤ مندمل نہیں ہو گیا۔ اس میں وقت لگے گا۔"

(وہ انسٹی ٹیوٹ کے لان میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ اردگرد وہیل چیئرز پہ آتے جاتے مریضوں سے بے نیاز' سر جھکائے وہ اپنی تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔ درختوں کے قریب سے اٹھتی سرگوشیاں کان سے ٹکرائیں لیکن وہ چہرے کے تاثرات سپاٹ رکھے' سامنے سے گزر گیا۔)

"اب بھی رات کو میرا جسم کانپنے لگتا ہے۔ ان کے زہر کا اثر آج بھی محسوس ہوتا ہے۔ میں اب بھی ان کی آوازیں سن سکتا ہوں۔ جادو ختم ہو جائے تب بھی انسان پہلے جیسا نہیں رہتا۔ وہ حساس ہو جاتا ہے۔"

(وہ کمرے میں دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ ہاتھ میں ایک کتاب پکڑی تھی جسے وہ پڑھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً درختوں کے قریب سے سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے کھلی کھڑکی کو دیکھا۔ پھر کتاب رکھ دی۔ کھڑکی کی کنڈی بند کی۔ زیر لب اعوذباللہ پڑھا۔ تب ہی دروازہ کھلا۔ گلابی اسکربز والی لڑکی ٹرے اور پانی کا گلاس لیے کھڑی تھی۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔ گولیاں ٹرے سے اٹھا کے پھانکیں۔ پانی کا گھونٹ بھرا۔ ایک خاموش نظر کھڑکی پہ ڈالی اور بستر کی طرف بڑھ گیا۔)

"میرا جسم حساس ہو چکا ہے۔ جب میرے قریب سے ارواح خبیثہ گزرتی ہیں' تو میں انہیں محسوس کر سکتا ہوں۔ میں ان کی سرگوشیاں سن سکتا ہوں۔"

(وہ اب کھڑکی کے سامنے کشن کے سہارے فرش پہ بیٹھا تھا۔ ٹوٹا شیشہ اب نئے شیشے سے تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اس پر بہت سے کاغذ چپکے تھے۔ نمبرز۔ لکیریں۔ نقشے۔ وہ انہماک سے ایک کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ پیچھے بستر اور فرش دونوں پہ کتابوں کے انبار لگے تھے۔

دروازے پہ دستک ہوئی۔ اسٹاف نے اندر جھانکا۔

"تمہارا ملاقاتی تمہارا انتظار کر رہا ہے؟"

"کون ہے؟" وہ کاغذ پہ جھکا رہا۔

"مسٹر مالک فرید۔"

"اس سے کہو وہ میرا کچھ نہیں لگتا۔" اب وہ گریفائٹ پنسل سے ایک خاکے میں رنگ بھر رہا تھا۔)

"اور مالک؟ کیا تم اسے معاف نہیں کرو گے؟"

"اس نے اس وقت مجھ پہ اعتبار نہیں کیا جب

www.pklibrary.com

مجھے اس کی ضرورت تھی۔ مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اب مجھے کسی کی بے اعتباری کا خوف نہیں۔"

"خوف کے آگے کیا ہے' ماہر؟"

(نگینہ بیگم اندرانی کا ہاتھ پکڑے' اسٹک کے سہارے گھر میں داخل ہو رہی تھیں۔ وہ چند دنوں میں جیسے بوڑھی ہو گئی تھیں۔ نحیف چہرہ۔ جھکی ہوئی کمر۔ سفید بال۔

"میری تسبیح لاؤ۔" انہوں نے حکم دیا۔ اندرانی نے پریشانی سے انہیں دیکھا۔

"سرکار ابھی آپ کی جسمانی حالت ایسی نہیں کہ....."

"میری تسبیح لاؤ....." ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوئیں۔

"خوف آگ سے بنا ہے۔ اس کی تپش جھلسا دیتی ہے۔ مگر ہم انسان پانی سے بنے ہیں۔ ہمیں زندہ رہنے کے لیے پانی چاہیے۔"

(اندرانی نے تسبیح تھمائی تو انہوں نے دیکھا۔ ان کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

انہوں نے آنکھیں بند کیں اور منتر پڑھنا چاہا۔ وہ سب کہاں گئے؟ ان کے بہترین موکل۔ سلیمان آصف اور اب وہ چاروں۔ وہ نہیں تھے۔ پکارنے پہ بھی نہیں آئے۔ وہ بھاگ گئے تھے۔ وہ آزاد ہو گئے تھے۔ ان کی برسوں کی محنت رائیگاں گئی تھی۔

ان کے جسم سے جیسے ساری توانائی نچڑنے لگی۔ تسبیح ہاتھ سے گر گئی۔ نڈھال سی پیچھے کو گرتی گئیں۔

ان کا جسم ابھی چند ماہ تک کسی نئے جادو کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ماہر فرید نے نہ جانے کیا کیا تھا' لیکن سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔)

"خوف کے آگے پانی ہے۔ ایک گہرا سمندر اور میں تیرتا ایک اکیلا انسان جو سروائیول کی جنگ لڑ رہا ہے۔"

(زیاد کے بیڈ پہ ایک کھلا بیگ رکھا تھا جس میں وہ تیزی سے چند چیزیں ڈال رہا تھا۔ آہٹ پہ پلٹا۔ اندرانی چوکھٹ میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"سرکار اس ہفتے گھر آ جائیں گی۔ کیا پھر وہ کوئی...." وہ ہچکچایا۔ "کوئی دم یا تعویز نہیں کر سکیں گی؟"

ان کے گھر میں جادو کا لفظ کہنا منع تھا۔ نگینہ سلطان نے بچپن سے زیاد کو ایک لفظ سکھایا تھا۔ دم' تعویذ' دعا۔ بس وہ یہی کرتی تھیں۔ اور وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا لیکن اس کی لغت میں بس یہی الفاظ تھے۔

"ان کا دم ان کے اوپر پلٹ کے آیا ہے۔ جب ایک دفعہ دم تعویذ پلٹ کے آئے تو ان کو کرنے والا کئی ماہ تک کچھ اور نہیں کر سکتا۔ اب جو کرنا ہے آپ کو کرنا ہے۔" اس نے بیگ کی زپ بند کی۔ "میں سرکار کے حکم کی تعمیل کے لیے واپس جا رہا ہوں۔ ان کا خیال رکھنا۔"

اس کا چہرہ پتھر کے جیسا تھا۔

"اور اس تاریک سمندر میں تیرتے انسان کو کس شے کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"سروائیو کرنے کی تمنا' اپنی سمت کا معلوم ہونا' اور تصور۔"

"تصور؟"

(شمس تیزی سے گھر میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ رابیل پریشانی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تمہیں اور ہلال کو یہاں سے نکلنا ہے۔ تم پاکستان جاؤ گی۔ میرے بھائی کے گھر۔ میں کچھ دن بعد آؤں گا۔ مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔" وہ تیزی سے کہتا الماری سے کچھ نکال رہا تھا۔ نوٹوں کے بنڈل۔ پاسپورٹ۔ ایک پستول۔ رابیل جہاں تھیں وہیں کھڑی رہ گئیں۔)

"ہاں' تصور۔ یہ تصور کرنا کہ میں کبھی اس سمندر کو پار کر لوں گا۔ میں ہر اس شے کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گا جو پچھلے سات ماہ میں ہوئی۔ اور اس سے پہلے بھی۔ میرے باپ کے جسم کا قتل۔ میری ماں کے دل کا قتل۔ میری روح کا قتل۔ میں سب کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گا۔"

(ماہر نیلے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس قلعے کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لاؤنج میں آرام دہ صوفوں پہ

www.pklibrary.com

جگہ جگہ اپنے آپ میں مگن مریض بیٹھے تھے۔ آخری زینے پہ وہ رکا۔ کھڑکی کے پردے کے ساتھ مالک فرید کھڑے تھے۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس۔ کمر پہ ہاتھ باندھے۔

اس کی پیشانی پہ بل اتر آئے۔ وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔

"کل کسی نے نمس کو قتل کر دیا ہے۔"

وہ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔

"اور ساتھ میں سبرینہ کو بھی۔"

وہ بے یقینی سے ان کی طرف پلٹا۔ آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

"سبرینہ کے فون پہ کسی نے تمہاری طرف سے میسج بھیجا تھا۔ وہ تم سے ملنے گئی تھی جہاں یہ سب ہوا۔" وہ کہہ رہے تھے۔

"پولیس تم سے پوچھ گچھ کے لیے آ رہی ہے۔"

وہ چند لمحے ان کو دیکھتا رہا۔ پھر واپس پلٹ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ اوپر اپنے کمرے تک آیا۔ روم نمبر ۵۵۵۔ دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوا۔ دروازہ تیزی سے بند کیا اور کھڑکی کے ساتھ فرش پہ بیٹھ گیا۔

باہر درخت دکھائی دے رہے تھے اور ان کی سرگوشیاں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ماہر نے سختی سے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے اور سر گھٹنوں میں دے دیا۔ اس کا جسم پھر سے کانپنے لگا تھا۔)

"جن لوگوں کے سینے میں چھریاں گھونپی گئی ہوں، ان سے نہیں پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ اپنی خوشی تلاش کر رہے ہیں؟ وہ خوشی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ سروائیول کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ انہیں سروائیو کرنا ہوتا ہے۔"

(کچن کی کھڑکی کا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا۔ پھر سیاہ داستانے والا ہاتھ اندر آیا اور لاک کھولا۔ چند لمحوں بعد زیاد سلطان داخل ہوتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پہ سیاہ ماسک تھا اور آنکھیں دائیں بائیں ہر جگہ کو اسکین کر رہی تھیں۔

وہ گھر خالی تھا۔ نمس اور رابیل کا گھر۔

لاؤنج میں ایک فوٹو فریم تھا جس میں رابیل اور نمس کے ساتھ ایک چھوٹی سی بچی مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھوری اور پلکیں مڑی ہوئی تھیں اور گال میں ڈمپل پڑتا تھا۔

وہ چند لمحے اس فریم کے سامنے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

یہ لڑکی ہر شے کی قصوروار تھی۔ سب اسی کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔

زیاد سلطان نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنی نفرت نہیں کی تھی جتنی اسے اس لڑکی سے محسوس ہوئی تھی۔)

"اور وہ آوازیں؟"

"میں اب صرف ان کو نظر انداز کرتا ہوں۔ اگر ان کو سننے لگوں تو وہ مجھے پھر سے پاگل کر دیں۔"

"ان کو نظر انداز کرنے کے لیے کیا کرو گے؟"

"مجھے خود کو (صحت مند) ہیل کرنا ہے۔ مجھے اس حالت سے نکلنا ہے۔ انہوں نے میری ہر اس شے کو ایکسپلائٹ کیا جو میری شخصیت کا حصہ تھی۔ میرا غصہ۔ میرا کام کرنے کا شوق۔ مجھے ان سب کو بدلنا ہے۔"

(اس قلعے نما عمارت کا گیٹ کھلا اور وہ پیدل چلتا ہوا باہر نکلا۔ اس نے ابھی تک ہسپتال کا لباس پہن رکھا تھا۔ سورج تیز تھا۔ بہت عرصے بعد بادلوں کی اوٹ سے ایسا سورج نکلا تھا۔

ماہر نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔ سامنے ایک کار کھڑی تھی۔ مالک فرید اس کار کی پچھلی نشست پہ بیٹھے تھے۔ ڈرائیور دروازے پہ مستعد سا کھڑا تھا۔ وہ قدم قدم چلتا ان تک آیا۔ مالک نے بٹن دبایا۔ کھڑکی کا شیشہ نیچے ہوا۔

وہ ان کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی۔

ڈرائیور نے قدرے تامل سے چابی اس کے ہاتھ پہ رکھی۔ وہ ان کو دیکھے بنا پلٹ گیا۔ قریب میں

www.pklibrary.com

ایک ہارلے ڈیوڈسن (بائیک) کھڑی تھی۔ اس نے بائیک پہ رکھا ہیلمٹ پہنا۔ اور چند لمحوں بعد وہ ان کی کار کے قریب سے زن سے گزر گیا۔

عبدالمالک فرید خاموش نظروں سے اس کو جاتے دیکھے گئے۔ پھر بٹن دبایا۔ شیشہ اوپر اٹھنے لگا۔)

"یہاں سے نکل کے تم کیا کرو گے؟"

"میں اپنے اسٹیس (اثاثے) کو کمپنی سے علیحدہ کروں گا۔ اور پھر میں یہ ملک چھوڑ دوں گا۔"

(وہ ہوٹل کا ایک کاریڈور تھا۔ کمروں کے دروازوں کی قطاریں تھیں۔ مالک فرید ایک دروازے کے سامنے رکے۔ اس کا نمبر ۵۵۵ تھا۔ وہ مخی سے مسکرائے۔ پھر انگلی کی پشت سے دستک دی۔

وہ اندر بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھا تھا اور اسکرین کی روشنی میں چہرہ دمک رہا تھا۔ دستک پہ چونک کے دروازے کو دیکھا۔ پھر لیپ ٹاپ فولڈ کر کے اٹھنے لگا تھا جب آواز سنائی دی۔

"ماہر۔ مجھے تم سے ملنا ہے۔" ان کی آواز میں شکست کی سی رمق تھی۔

لیپ ٹاپ فولڈ کرتا اس کا ہاتھ ٹھہر گیا۔ چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

خاموشی سے واپس پیر اوپر رکھے اور اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دستک ایک دفعہ پھر ہوئی۔ ماہر نے کانوں میں ایئر پوڈز ٹھونس لیے۔)

"ملک کیوں چھوڑو گے؟"

"کیونکہ یہاں ماہر فرید پہ کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ یہاں میں صرف ایک سائیکو پیتھ ہوں جس نے آفس میں سب کے سامنے اپنی سیکرٹری کا سر پھاڑا تھا۔ جس نے مس کو جان سے مارنے کی کوشش کی تھی۔"

(وہ اس گھر کے دروازے کے اسٹیپس کے سامنے کھڑا تھا۔ چھوٹا سا لان۔ چند پودے جو مرجھا گئے تھے۔ کچن کی کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ۔ لاک بھی کھلا تھا۔ کوئی رابیل کی غیر موجودگی میں وہاں آیا تھا۔

ماہر نے دروازہ کھولا۔ ہال وے کے سرے پہ وہ وال ہینگ اسی طرح آویزاں تھی۔ مون فیزز۔ چاند کے ادوار۔ ہلال سے بدر۔ اور بدر سے ہلال تک کا سفر۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ ہلال کہاں گئی؟ اس کی ماں کا اب تک پتا کیوں نہیں چلا تھا؟)

"تم مالک کو سزا دینا چاہتے ہو؟"

(زیاد سلطان ڈرائیو کرتے ہوئے موبائل پہ ایک لوکیشن دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے پی کیپ نہیں پہن رکھا تھا۔ سادہ شلوار قمیض اور آنکھوں پہ گلاسز۔ بالآخر مطلوبہ گھر کے سامنے اس نے کار روکی۔)

"میں مالک پہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے ہاتھوں سے مجھے اس انسٹی ٹیوٹ میں داخل کروایا۔"

"یہاں آنے سے تمہاری زندگی بہتر ہوئی ہے ماہر۔"

"اس میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ مجھے یہاں چھوڑ کے بھول گیا تھا۔ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ میں یہاں کس حال میں ہوں۔ اور میں اب نہیں چاہتا کہ اسے معلوم ہو۔ اسی لیے میں اس سے نہیں ملتا۔ نہ مجھے اس کمپنی میں واپس جانا ہے۔"

(زیاد ایک گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ سایے میں۔ اندھیرے میں۔ کوئی اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ درختوں میں ایک سایہ لگ رہا تھا۔ گھر کی ایک کھڑکی کا پردہ ہلکا سا ہٹا تھا۔

اس سے جھانکو تو اندر کچن ٹیبل پہ ایک ننھی لڑکی بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے لمبے گھنگریالے بال کندھوں پہ بکھرے تھے۔ وہ سر جھکائے ایک میوزک باکس کی چابی گھما رہی تھی۔ وہ باکس دراصل ایک ٹاور کی شکل کا تھا جس کے اوپر رلپنزل اپنے سرخ سنہرے بال لٹکائے بیٹھی تھی۔

رابیل چولہے کے قریب کھڑی نوڈلز بنا رہی

www.pklibrary.com

تھیں۔)

"آسمان سے فرشتے بھی اتر کے گواہی دیں، تب بھی یہ لوگ میرا اعتبار نہیں کریں گے۔لوگ مجھے میری کریڈیبلٹی کی وجہ سے بزنس دیتے تھے۔اس جادو نے مجھ سے وہی چھین لی۔"

(رابیل کچھ لینے کے لیے لاؤنج میں آئی تھیں۔ایک دم چونک کے رک گئیں۔وہاں کوئی بیٹھا تھا۔اندھیرے میں۔کوئی سایہ ہو جیسے۔

"ہیلو مسز شمس الدین۔"

آواز پہ وہ ڈر سی گئیں۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بول سکتیں، اس نے جھکا ہوا ہاتھ اونچا کیا۔اس میں ایک سائلینسر لگا بریٹا تھا۔

"میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔میں ہلال کو لینے آیا ہوں۔" کہتے ہوئے وہ اٹھا۔وہ واپس پلٹیں۔تیزی سے پیچھے کو بھاگیں لیکن وہ اس سے تیز نہیں تھیں۔)

"میں ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤں گا جن کے سامنے مجھے میرے باپ کے دفتر سے بےدخل کیا گیا تھا۔اور وہ لوگ جو مجھ سے ملنے کبھی یہاں نہیں آئے۔میری ماں ان میں سرفہرست ہے۔"

(ہلال کھڑکی کی طرف کروٹ لیے لیٹی تھی۔آہٹ پہ اس کی آنکھیں ایک دم کھلیں۔چونک کے اٹھ بیٹھی۔

وہ اس کے سرہانے کھڑا تھا۔اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا۔

"ہیلو ریپنزل۔تمہیں میرے ساتھ کہیں جانا ہے۔"

ہلال کی آنکھوں میں بہت کچھ ایک ساتھ ابھرا۔بےبسی۔خوف۔اور قبولیت۔

وہ بالآخر اسے لینے آچکا تھا۔

کمرے سے نکلتے ہوئے ہلال نے دیکھا تھا۔رابیل کی لاش لاؤنج کے فرش پہ گری ہوئی تھی۔ان کے قریب ایک پلاسٹک بیگ رکھا تھا۔)

"کیا تم کبھی اپنی ماں کو معاف کر سکو گے؟"

"کس کس چیز کے لیے؟"

"تمہارے بیمار باپ کو چھوڑنے کے لیے۔غلط شادی کے لیے۔"

(وہ ہیلمٹ پہنے، بائیک کے ہینڈلز پہ ہاتھ رکھے، ایک مصروف شاہراہ پہ اسے بھگا رہا تھا۔طویل سڑکیں۔نہ ختم ہونے والی راتیں۔ایسے میں فون بجنے لگا۔اس نے کان میں لگا ائیر پوڈ آن کیا۔

"ماہر....." مالک کی آواز گونجی۔وہ کال بند کرنے لگا جب.....

"کسی نے شمس کے بھائی کے گھر کو جلا دیا ہے۔رابیل اور ہلال اس کے اندر تھیں۔"

وہ کچھ اور بھی کہہ رہے تھے لیکن اس کی نگاہوں کے سامنے صرف دھواں بھر رہا تھا۔اس نے اپنے ہاتھ ہینڈل سے سلپ ہوتے دیکھے۔اور بائیک کسی کھلونے کی طرح ایک ٹرک کے اندر جا لگا۔

اب ہر طرف خاموشی تھی۔

"کیا تم اپنی ماں کو کبھی معاف کر سکو گے؟"

(وہ ہسپتال کے بیڈ پہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ایک ٹانگ پٹیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔جسم کے ساتھ کئی نالیاں اور تاریں لگی تھیں۔اس کے سرہانے کھڑے مالک فرید دھیرے دھیرے کچھ کہہ رہے تھے۔اس کی بند آنکھیں گیلی تھیں۔بار بار نفی میں سر ہلاتا۔

"ہلال کہاں ہے؟"

"کیا تم اپنی ماں کو کبھی معاف کر سکو گے؟"

"گھر کو جلایا گیا ہے، ماہر۔رابیل کی موت سانس گھٹنے سے ہوئی ہے۔اور ہلال کی لاش نہیں ملی۔"

اس نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔

"لاش نہیں ہے اس کی۔وہ زندہ ہے۔" اس کے چہرے پہ تکلیف تھی لیکن جب وہ بولا تو انداز دوٹوک تھا۔

www.pklibrary.com

مالک نے گہری سانس لی۔ وہ تھکے تھکے دکھائی دے رہے تھے۔

"پولیس اس کی تلاش میں لگی ہے۔ لیکن.... اب وہ نہیں ملے گی۔ کھوئے ہوئے بچے کبھی نہیں ملتے، ماہر۔"

"وہ ٹھیک ہے۔ جس دن اسے کچھ ہوا، مجھے یہاں معلوم ہو جائے گا۔" اس نے آئی وی لائن لگا ہاتھ اونچا کیا اور انگلی سے سینے پہ دستک دی۔ پھر گردن موڑ لی۔)

"کیا تم کبھی اپنی ماں کو معاف کر سکو گے؟"

(ہسپتال کے بستر پہ لیٹے ماہر کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ بارش میں بھیگتا نوجوان لڑکا۔ اپنی ماں کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا، ان کی منت کرتا کہ وہ شمس سے شادی نہ کرے۔ پھر ان کی فون کالز کاٹنا۔ ان کو دیکھ کے راستہ بدل لینا۔ کسی فیملی فنکشن پہ ملاقات ہو تو ان کو سلام کیے بغیر آگے بڑھ جانا۔ اور پھر.... اس نے آنکھیں بند کیں۔ گرم گرم آنسو ابلے اور تکیے میں گم ہو گئے۔

پھر ہلال آئی اور سب بدل گیا۔ وہ ان سے بات کرنے لگا تھا۔ وہ اس سے ملنے انسٹی ٹیوٹ میں نہیں آئی تھیں۔ وہ ان کا منتظر تھا۔ البتہ اس نے سوچا تھا کہ جب وہ باہر آئے گا تو وہ ان سے ملے گا۔ ان سے ایک دفعہ بات کرے گا۔ ان کو یاد دلائے گا کہ کس طرح اس نے ان کو شمس سے شادی سے منع کیا تھا۔ کیسے شمس نے ان سب کی زندگیوں میں زہر گھولا تھا۔

لیکن اب.... سب ختم ہو گیا تھا۔

"کیا تم کبھی اپنی ماں کو معاف کر سکو گے؟"

"نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں ان کو ان کے غلط فیصلے کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

☆☆☆

ہسپتال کے کاریڈور کی دیواریں سفید اور بے رنگ تھیں۔ امید سے خالی۔ مایوس دیواریں۔ بیربل ایک بینچ پہ بیٹھا تھا۔ یہ جگہ ماہر کے کمرے کے عین سامنے تھی۔

وہاں زارا دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کے کھلے بال شانوں پہ بکھرے تھے اور کانوں میں سنہرے کیکڑے جیسے ائیر رنگز تھے۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔" وہ دائیں بائیں ٹہلتی بڑبڑا رہی تھی۔ بے بسی۔ غصہ۔ کیا نہ تھا اس کے انداز میں۔

بیربل نے اکتاہٹ سے اس کو دیکھا۔

"مجھے آ گیا ہے۔" وہ لمبے بالوں کی کس کے پونی بنائے، آستینیں پیچھے موڑے بیٹھا تھا۔ بربطہ آدھی آستین کی شرٹ اور کلائیوں میں پہنی زنجیریں۔ وہ مسلسل اضطراب سے ایک گھٹنا ہلا رہا تھا۔

"پہلے مینٹل ہاسپٹل اور اب ٹانگ کا فریکچر۔ کیا ماہر کی زندگی میں کچھ نارمل ہو سکتا ہے؟"

وہ بار بار سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

"جب اس کے اینگزائٹی ایشوز شروع ہوئے تو تم اسے چھوڑ کے چلی گئی تھیں۔ وہ ہسپتال سے رہا ہوا تو تم اس کی زندگی میں واپس آ گئیں۔ اب پھر سے اس کو چھوڑ کے جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہو تو مت ڈھونڈو۔" وہ تحمل کے کہہ رہا تھا۔ "سیدھا کہہ دو کہ میں ہر دفعہ کی طرح کرائسس میں اس کو چھوڑنا چاہ رہی ہوں۔"

زارا نے رک کے اسے گھورا۔

"تم بھی تو اس کے ساتھ نہیں ہوتے۔"

"تب نہیں ہوتا جب اس کو میری ضرورت نہیں ہوتی۔ جب پڑتی ہے تو میں آ جاتا ہوں۔" تلخی سے سر جھٹکا۔

مگر زارا نے جھرجھری لی۔

"آئی کانٹ ٹیک اٹ....."

"اینی مور۔" بیربل نے بڑبڑا کے اس کا فقرہ مکمل کیا۔ وہ غصے سے اس کو دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ وہ واقعی وہاں سے جا رہی تھی۔ کلاسک زارا۔ اس نے

www.pklibrary.com

ہونہہ کے انداز میں سر جھٹکا۔ پھر دیکھا۔ مالک فرید سامنے سے چلے آرہے تھے۔ ایک افسوس بھری نظر زارا پہ ڈالی جو باہر جارہی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ماں کہاں ہیں؟" وہ بے چین سا تھا۔ "میں پرسوں سے ان کو کالز کررہا ہوں۔ ان کے سارے نمبر آف ہیں۔"

مالک فرید اس کے عین سامنے آرکے۔ ان کا چہرہ ویسا ہی تھا۔ کسی روبوٹ کے جیسا۔

البتہ انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا۔ بیربل کو اچنبھا ہوا۔

ان کے اگلے الفاظ کسی سلوموشن فلم کی طرح ادا ہوئے۔ وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ چند لفظ واضح سن سکتا تھا۔ چند لفظ دھندلے تھے۔ بارش میں چلتی کار کی ونڈ اسکرین کی طرح دھندلے جس پہ بار بار وائپر چل رہے ہوں۔

اسلام آباد والا شمس کے بھائی کا گھر۔

پراسرار طور پہ آگ لگنا۔

رابیل کی جلی ہوئی لاش کا ملنا۔

لاش کو گولی بھی ماری گئی تھی۔

ہلال غائب تھی۔

"ہلال کی گمشدگی کو دو دن گزر چکے ہیں۔ گمشدہ بچے اگر پہلے بارہ گھنٹوں میں نہ ملیں تو....."

"تو وہ کبھی نہیں ملتے۔" بیربل نے ان کا فقرہ مکمل کیا۔ پھر وہ نڈھال سا بینچ پہ گر گیا۔ گم صم۔ ساکت۔

☆☆☆

وہ ہسپتال کے کمرے میں لیٹا تھا۔ ایک ٹانگ پٹیوں سے جکڑی تھی۔ دائیں بائیں ہر طرف پھول رکھے تھے۔ وہ سر جھکائے کتاب کھولے اسے پڑھ رہا تھا جب دروازہ کھلا۔ سفید بالوں والا بوڑھا آدمی اندر داخل ہوا۔ ماہر نے نگاہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھ تلے تیل کا نشان تھا۔ پھر چہرہ واپس کتاب پہ جھکا دیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں لیکن اب تک وہ خشک ہو چکی تھیں۔

مالک فرید خاموشی سے کاؤچ تک آئے اور اس پہ بیٹھتے ہوئے جیب سے کچھ نکال کے رکھا۔ ماہر نے چونک کے دیکھا۔ وہ کیوبن سگارز تھے۔ اس نے مالک کے چہرے کو دیکھا۔ وہ جھک کے دو سگار نکال رہے تھے۔ پھر سیدھے ہوئے۔ چاقو سے اسے تراشا۔ پھر ایک اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے کتاب موڑ کے رکھ دی اور سگار تھام لیا۔

وہ اب لائٹر جلا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھے گیا۔ پہلے انہوں نے اپنا سگار سلگایا۔ پھر نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس نے فوراً نگاہ سگار پہ جما دی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کے اس کے سگار کو شعلہ دکھایا۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ کمرے میں دھواں جمع ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ فائر الارم بجتا' مالک فرید اٹھے اور کھڑکی کھول دی۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملے؟" ماہر نے سگار لبوں سے نکالا اور الٹ پلٹ کے اس کا جائزہ لیا۔ یہ ان پرانے سگارز میں سے تھے جو اس کے خیال میں اس کے ملازم غائب کردیتے تھے۔

"تمہارے ڈائننگ روم کے ریک کے نچلے خانے میں۔"

"وہاں کس نے رکھے؟" وہ چونکا۔

مالک نے پلٹ کے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ جس کا ہاتھ بس اسی خانے تک جاتا تھا۔"

وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔

"اس کو تمہارے سگار ناپسند تھے۔ وہ جب آتی تھی' ان کو چھپا دیتی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟" اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکا۔

"میں نے اسے یہ کرتے ہوئے کئی دفعہ دیکھا تھا۔"

www.pklibrary.com

"مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں نے کئی ملازم اسی وجہ سے فارغ کیے تھے کہ....." اس کی آواز رندھ گئی۔

"میں ہر بات بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"

ایک کش بھرا اور اس کی طرف پلٹے۔

"تم اب دوبارہ بائیک نہیں چلاؤ گے۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔

اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مالک فرید نے ایک نگاہ اس کی ٹانگ کی پٹی پہ ڈالی۔ پھر شانے اچکائے۔

"ٹانگ ہی ہے۔ ٹانگیں ٹوٹتی رہتی ہیں۔ جلد ٹھیک ہو کے گھر آؤ۔"

اور باہر نکل گئے۔

اس نے ادھ جلا سگار ٹریش کین کی طرف اچھال دیا۔ وہ اب ان کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔

وہ ٹریش کین میں پھینکے سگارز کو دیکھ رہا تھا۔ آنسو آنکھ کے کنارے پہ اٹکے تھے۔ ذہن میں ایک تصویر سی ابھر رہی تھی۔ چاند کے اودوار۔ ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال تک کا سفر۔

"جب آپ واپس آؤ گے تو میں یہاں نہیں ہوں گی۔"

"میں انتظار کروں گی۔"

"بدر کا انتظار۔ وہ میرا دوست ہے۔ ہم ساتھ بڑے ہوں گے۔"

وہ بھیگی آنکھوں سے سگار کے انگارہ ہوئے کنارے کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

ایک سفید ٹوسون سڑک پہ تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ اس کے شیشے سیاہ تھے۔ باہر پھیلے سرسبز کھیت سیاہی کا چشمہ چڑھائے دکھائی دیتے تھے۔

فرنٹ سیٹ پہ وہ بیٹھی تھی۔ گھنگریالے لمبے بال کمر پہ گر رہے تھے۔ سیٹ بیلٹ پہنی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ زپ ٹائیز سے سامنے کو بندھے تھے۔ اور ان پہ کپڑا رکھا تھا۔

وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

زیاد سلطان نے ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔ پھر دوبارہ سامنے دیکھنے لگا۔

اس لڑکی کی وجہ سے اس نے چند دن پہلے اپنے کیریئر کا سب سے تکلیف دہ قتل کیا تھا۔

اس کے پاس اس قتل کے بہت طریقے تھے جیسا کہ اس نے نگینہ سلطان سے کہا تھا۔ قتل ایک آرٹ ہے اور اس قتل کو ایکسیڈنٹ لگنا چاہیے تھا اور پھر اس لڑکی کو مارنا سرکار کا حکم تھا۔ اس کو مارنا ماہر فرید کے ساتھ انتقام تھا۔ وہ اپنی مرضی سے اس لڑکی کو کہیں بھی بلا سکتا تھا۔ وہ کسی اور کے ہاتھوں اس کو ایک نفیس سے حادثے میں مار سکتا تھا۔ کسی کو شک بھی نہ ہوتا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔

لیکن زیاد نے ایسا نہیں کیا۔

اس نے وہی روایتی طریقہ استعمال کیا۔

اس لڑکی کو ماہر کے نمبر سے میسج بھیجا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟ میں اس ایڈریس پہ تمہارا منتظر ہوں۔ ارجنٹ۔"

اسے امید تھی وہ نہیں آئے گی۔ اس نے اتنی فلمیں دیکھ رکھی ہوں گی کہ وہ اس سازش کو بھانپ جائے گی۔ وہ ماہر کے ہسپتال فون کرے گی۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ ماہر وہاں سے نہیں نکلا۔ وہ اسے کیسے بلا سکتا ہے؟ اسے سوچنا چاہیے نا۔ وہ سوچے گی۔ وہ نہیں آئے گی۔ اور وہ سرکار سے کہے گا کہ وہ بھاگ گئی ہے۔ کہیں ایسی جگہ چھپ گئی ہے جہاں سے وہ بھی اسے نہیں ڈھونڈ سکتا۔

وہ سرکار کے کچھ احکامات ٹال سکتا تھا لیکن ہر حکم نہیں۔ وہ ان کی طاقت سے بھی واقف تھا۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جان پائیں کہ اس کے دل میں کیا چل رہا ہے۔ زیاد یہ بھول گیا تھا کہ سرکار کو یہ جاننے کے لیے کسی جادو کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اس کی ماں تھیں۔ اور اکثر موقعوں پہ وہ اس کو کسی کتاب کی طرح پڑھ سکتی تھیں۔

اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس روز سبرینہ کی

www.pklibrary.com

سالگرہ تھی۔

☆☆☆

شمس اس خالی خالی سے اپارٹمنٹ میں صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ایک طرف ایش ٹرے رکھی تھی جس میں گرتی راکھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ وہ ایک دم چونکا۔ اس نے ابھی نمبر تبدیل کیا تھا پھر کیسے ....؟ اسکرین کو دیکھ کے گہری سانس خارج کی۔ وہ ای میل تھی۔ ورنہ کسی کو اس کا یہ نمبر کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟

اس نے ای میل کھولی۔ سبرینہ۔ وہ چونکا۔

"میرے پاس آپ کے لاکر سے نکالی گئی ایک شے ہے۔ اس کے علاوہ چند اہم معلومات جو مجھے سرکار کے بارے میں ملی ہیں۔ میں آپ کو سرکار سے بچا سکتی ہوں۔ اور ہلال کو بھی مجھے اور آپ کو ایک معاہدہ کرنا ہے۔ اگر آپ کو اپنی بیوی اور بیٹی کو بچانا ہے تو اس جگہ پہ آجائیں۔" نیچے لوکیشن اور وقت درج تھا۔ شمس نے تھوک نگلا۔ اس کی رنگت اڑ چکی تھی۔ اسے فیصلہ کرنا تھا۔

کیا یہ ای میل واقعی سبرینہ نے کی تھی؟ کیا سبرینہ ان لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟ یا وہ ان سے الگ تھی؟

نہیں۔ وہ ان کے ساتھ ملی ہوئی نہیں تھی۔ وہ تو خود اس کو مارنا چاہ رہے تھے۔ لیکن وہ البم۔ وہ اسے چاہیے تھا۔ وہ سرکار کے گناہوں کا ثبوت تھا۔

اس نے کار کی چابی اٹھائی جس پہ رینٹل کا ٹیگ تھا اور صوفے سے اٹھ گیا۔

اگر اس کے پاس ہلال کو بچانے کا کوئی راستہ تھا، تو وہ اس راستے پہ قدم رکھ لے گا۔

☆☆☆

زیاد سلطان جانتا تھا شمس کہاں چھپا ہے۔ اس کی بیوی اور بیٹی کہاں ہیں، وہ ان تک بھی پہنچ جائے گا۔ اسے شمس کو صرف اس کے اپارٹمنٹ سے نکال کے باہر سڑک تک لانا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شمس آجائے گا۔ وہ ایک بے چین روح کی مانند تھا۔ اسے سبرینہ کی ای میل کے بعد چین نہیں آئے گا۔

لیکن اسے سبرینہ سے وہاں آنے کی امید نہیں تھی۔

"وہ لڑکی جس کو تم ابھی تک مار نہیں سکے، اس کے دل پہ بھی ماہر فرید کا قبضہ ہے۔"

سو یہ طے ہوا کہ محبت محتاط سے محتاط انسان کو بھی اس کی حفاظتی دیوار نیچے کرنے پہ مجبور کر دیتی ہے۔ وہ اس کی محبت میں مبتلا تھی۔ وہ اس سے ملاقات کی منتظر تھی۔ وہ کیسے نہ آتی؟ باہر سے ملنے وہ کئی دفعہ ذہنی امراض کے ادارے گئی تھی۔ ہر دفعہ وہ واپس نکلتی تو اس کا چہرہ بجھا ہوا ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ سائیکو پیتھ اس سے نہیں ملنا تھا۔ پھر اس نے جانا چھوڑ دیا۔ وہ اس کو وقت دینا چاہتی تھی۔

اور اب اس کا سگنل ملتے ہی وہ مطلوبہ جگہ پہ موجود تھی۔

بس اسٹاپ کے ساتھ کھڑی، گوگل لوکیشن سے جگہ کا تعین کرتی، وہ دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے لمبا سبز سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ سیاہ بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ کانوں میں گول سلور ایئر رنگز تھے۔ جیسے چوڑیاں ہوں۔ وہ اشتیاق سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ ایک باکس جس پہ بیکری کا لوگو تھا۔ وہ ماہر کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ سڑک کے دوسری جانب ایک گلی کے دہانے پہ ڈمپسٹر کے ساتھ کھڑا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سیاہ پی کیپ کے ساتھ سیاہ ماسک پہن رکھا تھا۔ گردن کے گرد مفلر بندھا تھا۔ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔

پھر اس نے شمس کو اس طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ شمس کو دیکھ کے حیران ہوئی تھی۔ وہ اس کو کچھ کہہ رہا تھا۔ اور وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ شمس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور وہ پریشان ہو گئی تھی۔

www.pklibrary.com

پھر وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ وہ سڑک کراس کرنا چاہ رہی تھی۔ زیاد نے کان میں لگے ائیر پوڈز کو دبایا۔ اس نے کسی کو اشارہ دیا۔

اگلے چند لمحے کسی سلوموشن فلم کی طرح گزرے۔ اس جاب کے لیے اس نے سب کانٹریکٹر ہائر کیا تھا۔ دور سے ایک ٹرک تیزی سے آتا دکھائی دیا۔ اندھا دھند ٹرک ایک دم سائیڈ واک پہ چڑھ گیا۔ بہت سے شیشے ٹوٹے۔

دھماکہ سا ہوا۔

چیخیں۔ آگ۔ سیاہ دھواں۔

ٹرک ڈرائیور کے سامنے ائیر بیگز کھل چکے تھے۔ اس نے دروازے سے چھلانگ لگائی اور تیزی سے بھاگتا ہوا ایک گلی میں گم ہوگیا، جہاں ایک بائیک اس کی منتظر تھی۔

اور یہاں اس کی جاب ختم ہوچکی تھی۔ پولیس اس سب کانٹریکٹر کا تعاقب کرے گی، جس کو اس نے اپنے حصے سے کئی گنا کم رقم ادا کی تھی۔ جس بائیک پہ اس نے فرار ہونا تھا' اس کے ڈرائیور کو حکم تھا کہ وہ چند میل دور جا کے اسے گرا دے گا۔ کسی سڑک پہ اندھی ٹریفک کے درمیان۔ یوں اس قتل کی جاب کے تمام سوراخ بند ہوجائیں گے۔ سبرینہ اور مس کو مارنے والا ڈرائیور' جو پولیس کے ڈر سے بھاگا تھا' وہیں مر جائے گا۔ تمام ثبوتوں اور شواہد کے ساتھ۔

رہا زیاد سلطان... تو وہ جس اندھیر گلی میں کھڑا اس جاب کو سپروائز کر رہا تھا' اسے وہیں سے واپس پلٹ جانا چاہیے تھا۔ اس نے بہت نفاست سے تمام شواہد ختم کر دیے تھے۔

لیکن وہ سڑک کنارے گری پڑی تھی۔

اس کے سر سے خون ابل رہا تھا۔

وہ رک رک کے سانس لے رہی تھی۔

زیاد سلطان نے خود کو اس کی طرف بڑھتے دیکھا۔

وہ سرخ فون بوتھ کے سامنے سر کے بل گری ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ میں شیشے کا ایک بڑا سا ٹکڑا لگا تھا جس سے خون ابل رہا تھا۔ وہ بنچوں کے بل اس کے سامنے جھکا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ منظر دھندلا تھا۔ اس نے سیاہ ماسک والے شخص کو اپنے سامنے جھکتے دیکھا۔ دھواں۔ چیخیں۔ شور۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

زیاد نے دستانے والا ہاتھ نکالا۔ اس کی نبض پہ ہاتھ رکھا۔ وہ ابھی جاری تھی۔

اس کے قریب سائیڈ واک پہ بہت سا خون گرا تھا۔ اس نے دستانے کی انگلی خون میں ڈبوئی اور پتھریلے فرش پہ چند لکیریں کھینچیں۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک آخری نظر اس پہ ڈالی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اسی پل اس لڑکی نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ شاک۔ حیرت۔ بے یقینی۔ آنسو۔

وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

اور تب اس نے دیکھا۔

اس کے ساتھ گرا ڈبہ اور اس میں سے باہر نکلی شے۔

وہ ایک کیک تھا۔ چھوٹا سا کیک۔ حادثے کے باعث وہ بھی منہدم ہو چکا تھا۔ البتہ اس کے اوپر لگا پروپ سلامت تھا۔

ایک اسٹک پہ لگا کارڈ۔

ہیپی برتھ ڈے سبرینہ۔

کسی نے اس کے سینے میں برچھی گھونپ دی۔

اس نے وہ کاغذ اتارا اور اسے جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔

ایمبولینس کے سائرن سنائی دے رہے تھے اور لوگ اس طرف اکٹھے ہو رہے تھے۔

زیاد سلطان اب بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔

وہ ننھا سا کارڈ اس کی جیب میں سانس لے رہا تھا۔

www.pklibrary.com

خون آلود سانسیں۔

☆☆☆

وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا، ان کھیتوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

"تم میں اتنا خاص کیا ہے، رلپنزل؟" دفعتاً زیاد نے ایک سلگتی نگاہ اس پہ ڈالی۔

ہلال نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کی آنکھیں ہلکی بھوری اور لمبی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔

"تم نے میری ممی کے ساتھ کیا کیا ہے؟" وہ اس کو چبھتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں خوف تھا نہ آنسو۔ ان میں غصہ تھا۔ بے بسی تھی۔ دکھ تھا۔

"تمہاری ماں ہماری کہانی کا ایکسٹرا کردار تھی۔ اس کے ساتھ وہی ہوا جو ایکسٹراز کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن تم... تم اسپیشل ہو۔"

کار فون بجنے لگا۔ اس نے ایک انگلی سے قبولیت کا بٹن دبایا تو سارے میں نگینہ بیگم کی آواز گونجنے لگی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے زیاد؟" وہ غرائی تھیں۔ ہلال پھر سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"جہاں ہونا چاہیے۔" اس کی آواز میں بغاوت تھی۔

"تم نے اس کو میرے پاس لانا تھا۔ تم اس کو کہاں لے کر جا رہے ہو؟"

"جہاں میری مرضی۔"

اس نے کال کاٹ دی۔ وہ پھر سے کال کرنے لگیں۔ لیکن زیاد نے فون آف کر دیا۔

(پیچھے برتھ ڈے سبرینہ۔) وہ کار اس کے بٹوے کے اندر سے پکار رہا تھا۔

"جانتی ہو میں تمہیں سرکار کے حوالے کیوں نہیں کر رہا؟" اس کا لہجہ کسی سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا تھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ باہر دیکھتی رہی۔

"کیونکہ میں تمہیں سزا دینا چاہتا ہوں۔ اور تمہاری سزا سخت ہونی چاہیے، ہلال۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے تین خاندان تباہ ہوئے۔ تمہارا خاندان۔" وہ انگلیوں پہ گن رہا تھا۔ "میرا خاندان کیونکہ تمہارے بھائی نے میری ماں کو بیمار کیا ہے۔" پھر اس کی آواز دھیمی پڑی۔ حلق میں گولا سا پھنسا۔

"اور وہ بے قصور لڑکی جس کو میں نے تمہارے لیے مارا تھا۔" اس کے ماتھے کی نسیں ابھرنے لگیں۔ ایکسلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھایا۔ کار کی اسپیڈ تیز ہو گئی۔

"تمہارے لیے اتنا خون بہایا گیا ہے۔ کیا سزا ہونی چاہیے تمہاری؟"

"تمہاری سزا کیا ہونی چاہیے؟" وہ اب اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ زیاد کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"تم جانتی ہو میں تمہارے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہوں؟"

"میں جانتی ہوں۔ تم نہیں جانتے۔" وہ چہرہ موڑ کے بھاگتے کھیتوں کو دیکھنے لگی۔

زیاد پہلے ایک کان کندھے تک لے گیا۔ پھر دوسرا کان دوسرے کندھے تک۔ جیسے تھکی ہوئی گردن کو ریلیکس کرنا چاہ رہا ہو۔

باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔

کار ایک عمارت کے سامنے رکی۔

ویرانے میں بنی ایک، کئی منزلہ عمارت۔ اس نے کار روکی تو بہت سی دھول اڑنے لگی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا اور فرنٹ سیٹ تک آیا، پھر اس کا دروازہ کھولا۔

(پیچھے برتھ ڈے سبرینہ)

ہر طرف دھول اڑ رہی تھی اور وہ اندر جمی بیٹھی تھی۔ اس نے کہنی سے پکڑ کے اس بچی کو باہر نکالا۔ وہ چلتے چلتے رک جاتی۔ مزاحمت کرتی لیکن وہ اسے کھینچتا ہوا دروازے تک آیا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

☆☆

www.pklibrary.com

عمر بھر ایک ہی کارِ ہنر کرتے رہے
اک گھروندہ ریت کا تھا جس کو گھر کرتے رہے

ہم کو بھی معلوم تھا انجام کیا ہوگا مگر
شہرِ کوفہ کی طرف ہم بھی سفر کرتے رہے

اُڑ گئے سارے پرندے موسموں کی چاہ میں
انتظار ان کا مگر بوڑھے شجر کرتے رہے

اک نہیں کا خوف تھا سو ہم نے پوچھا ہی نہیں
یاد کیا ہم کو بھی وہ دیوار و در کرتے رہے

آنکھ وہ تکتی رہی، دل اس کو سمجھاتا رہا
اپنا اپنا کام دونوں عمر بھر کرتے رہے

یوں تو ہم بھی کون سا زندہ رہے اس شہر میں
زندہ ہونے کی اداکاری مگر کرتے رہے

عنبرین حسیب عنبر

ہاکس بے

لہروں کی آوازیں سُنتا
وہ چپ چاپ چلا جاتا ہے
اُٹھتی گرتی آوازوں سے
بھورا ساحل گونج رہا ہے
چاندی جیسا جھاگ اُڑاتی
بے کل لہریں ڈول رہی ہیں
ٹھنڈے اور گیلے ساحل پر
اس کے آہستہ قدموں کے
ایسے نقش اُبھر آتے ہیں
جیسے اس کے لمس کے نیچے
نرم اور بات سمجھنے والی
ریت نے کہنا مان لیا ہے

فہمیدہ ریاض

www.pklibrary.com

اُداسی کا مداوا،

کہاں تک ساتھ دے کوئی
عجب تنہائیاں مجھ میں مقید ہیں
نظر پر بار ہوتے منظروں سے کون اُلجھے گا
یہ جو تشنہ لبی سی ہے
یہ تازہ بارشوں کی منتظر سی ہے
مگر بادل نہیں آتے
اُداسی کا مداوا محفلیں کب ہیں
کئی چہروں، کئی آنکھوں کی ہم راہی
نہ پہلے مسئلہ تھا اور نہ اب ایسی طلب کوئی
وہ جو مخصوص چشم و لب کی دستک ہے
اسی سے بات بنتی ہے
مگر اب اس کی نوبت تک نہیں آتی
مری بے خواب آنکھوں میں
کئی دن سے
کسی حیرت کا امکاں بھی نہیں باقی

عالیہ معین

ناؤ کاغذ کی سہی کچھ تو نظر سے گزرے
اس سے پہلے کہ یہ پانی مرے سر سے گزرے

کوئی دستک نہ صدا، کوئی تمنا نہ طلب
ہم کہ درویش تھے، یوں بھی ترے در سے گزرے

غیرتِ عشق تو کہتی ہے کہ اب آنکھ نہ کھول
اس کے بعد اب نہ کوئی اور ادھر سے گزرے

میں تو چاہوں وہ سرِ دشت ٹھہر ہی جائے
پر وہ ساون کی گھٹا جیسا ہے برسے، گزرے

مجھ کو محفوظ رکھا ہے مرے چھوٹے قد نے
جتنے پتھر ادھر آئے مرے سر سے گزرے

سعد اللہ کلیم

www.pklibrary.com

شگفتہ نگاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جس نے جھوٹا خواب بیان کیا، اسے جَو کے دو دانوں کو ایک دوسرے سے گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور (وہ ایسا نہیں کر سکے گا) چنانچہ اسے اس وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔

(بخاری)

فوائد و مسائل:۔

1۔ جس شخص نے خواب نہیں دیکھا، اپنے ہی پاس سے بنا کر بیان کر دیتا ہے۔ اس کا یہ جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے۔

2۔ جھوٹا خواب بیان کرنا اس لیے زیادہ بڑا ہے کہ اس کی کسی طرح تحقیق نہیں کی جا سکتی کہ اس نے خواب دیکھا ہے یا نہیں۔

3۔ بعض افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اللہ کی اہم شخصیت کے خواب میں نظر آنے کا دعوا کرتے ہیں۔ عام لوگ اسے ان کی بزرگی کی علامت سمجھ کر محبت و احترام کا اظہار شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اصل شرف نیک اعمال کا انجام دینا ہے ورنہ کافر اور منافق تو حقیقی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ کسی احترام کے مستحق نہیں گردانے گئے۔

4۔ خواب کسی کے جائز یا ناجائز کا ثبوت نہیں۔ شرعی مسائل کے لیے شرعی دلائل ضروری ہیں۔ کسی کا یہ دعوا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کی اجازت دی ہے۔ قابلِ قبول نہیں۔

کچھ باتیں بڑے لوگوں کی،

☆ زندگی کی جس پوشاک کو عقل نہیں سی سکتی۔ محبت اسے تاگا اور سوئی کے بغیر سی لیتی ہے۔

(علامہ اقبال)

☆ کچھ چیزیں جلد کھو جانے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ اس لیے چیزوں کو کھو کر خوش رہنے کا فن سیکھیں۔

(الزبتھ بشپ)

☆ ہر عمل کھوکھلا ہے جب تک محبت نہ ہو۔

(خلیل جبران)

☆ جب آپ کو اپنی شخصیت کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے تو سمجھ جائیے کہ آپ خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

کہاں گئے،

سمجھ کے پڑھتے رہے اور پڑھ کے بھول گئے
کتابِ زیست کے جانے کہاں اصول گئے

ہمارا عدالتی نظام،

ایک گدھا لاہور سے بھاگتی ہوئی جا رہی تھی۔ ہاتھی نے اسے روکا اور بھاگنے کی وجہ پوچھی۔

گدھے بولی۔ "لاہور ہائی کورٹ کا حکم ہے کہ شہر کی تمام بھینسوں کو قید کر لیا جائے۔"

ہاتھی بولا۔ "مگر تم تو گدھے ہو، تم کیوں بھاگ رہی ہو؟"

گدھے نے قدرے تحمل سے جواب دیا۔

"مجھے پتا ہے، میں گدھے ہوں لیکن اگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا تو کم از کم بیس سال یہ ثابت کرتے میں لگ جائیں گے کہ میں گدھے ہوں، بھینس نہیں۔"

غرور و علم،

شیخ سعدی بہت ہی بڑے عالم تھے۔ ایک

www.pklibrary.com

دن اپنے مدرسے میں بیٹھے تھے کہ اس وقت خلیفہ ہارون الرشید ان کے پاس آیا۔ اور کہا۔

"میں اپنے بیٹے کو آپ کی شاگردی میں دینا چاہتا ہوں تاکہ یہ بھی عالم بنے۔"

شیخ صاحب نے خوشی سے ان کے بیٹے کو اپنی شاگردی میں لے لیا لیکن ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد خلیفہ کے بیٹے کو واپس بھیج دیا۔ خلیفہ بہت حیران ہوا، ان کے پاس آ کر نکالنے کی وجہ پوچھی۔

شیخ سعدی نے کہا۔ "ویسے تو آپ کا بیٹا بہت ذہین اور ہوشیار ہے لیکن اس میں ایک خامی ہے جس کی وجہ سے میں نے اسے نکال دیا۔"

خلیفہ نے پوچھا۔ "کون سی خامی؟"

شیخ سعدی نے کہا۔ "یہ غرور و تکبر کرتا ہے کہ یہ ایک بادشاہ کا بیٹا ہے، غرور اور علم ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

عجلت،

بیگم صاحبہ کو میاں جی کا میسج آیا۔ "بھوک لگی ہے۔"

بیگم صاحبہ تو پہلے سے ہی اکھڑ گئیں اور لکھ کر جواب لکھ مارا۔

"چکو کے ابا! کچھ خدا کا خوف کھائیں۔ ابھی تو آپ کھانا کھا کر واک کے لیے نکلے ہیں اور اتنی جلدی بھوک بھی لگ گئی۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو کب بھوک نہیں لگتی۔ اچھا خاصا ناشتا کرنے کے بعد بھی آپ چائے کے ساتھ دو بسکٹ کے پیکٹ کھا جاتے ہیں۔ دوپہر میں آپ کو تگڑا لنچ چاہیے ہوتا ہے۔ اور ڈنر تو آپ ہمیشہ اہتمام سے ہی کرتے ہیں۔ رات کو جب بھی جاگ ہوتی ہے تو فریج کو لازمی پھرولتے ہیں، یہ کیسی بھوک ہے جو مٹنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ خوشی کا موقع ہو یا غم کا، آپ کی بھوک ہمیشہ نکوٹا جن بنی رہتی ہے۔ غصے میں بھی آپ کو کھانے پینے کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اور خوشی میں بھی آپ کی بھوک دوبالا ہو جاتی ہے۔ میں تنگ آ گئی ہوں آپ کی اس بھوک سے۔ غضب خدا کا۔ اپنی روٹی کھا کر بھی بچوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ مجھے کھانے پینے کی چیزیں چھپا چھپا کر رکھنا پڑتی ہیں کہ کہیں آپ کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ بس اب بھوک کی ڈسکشن کلوز کریں۔ میں کھانا کھا چکی ہوں اور اب سونے لگی ہوں۔ اور آپ بھی گھر آ کر چپ چاپ سو جانا، آواز نہیں آنی چاہیے آپ کی سمجھے۔"

میاں جی کا جوابی میسج آیا۔

"بیگم! راستے میں ایک دوست مل گیا تھا تو وہ مجھے برگر کھلانے لے آیا۔ سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔ بھوک ہے تو لیتا آؤں۔ چلو خیر — سو جاؤ تم۔"

محنتی،

عورتیں پیدائشی محنتی ہوتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ صرف پانچ فیصد خواتین خوبصورت پیدا ہوتی ہیں۔ باقی اپنی محنت سے یہ مقام حاصل کرتی ہیں۔

(مشتاق احمد یوسفی)

تعلیم،

والدہ سے آخری بار بلند آواز سے بات کیے کئی برس بیت گئے، تب ابا جی نے ایک جملہ کہا تھا جس کے بعد میری آواز گلے میں ہی کہیں دب گئی۔ کہنے لگے

"بیٹا! اگر اتنا پڑھ لکھ کر بھی یہ نہ سیکھ پائے کہ بزرگوں سے کیسے بات کرتی ہے تو کل سے کالج نہ جانا۔ جو تعلیم اچھا انسان نہ بنا پائے اس کا مقصد ہی کیا ہے۔ کمائی تو سنیارے کی دکان کے باہر گندی نالی سے کیچڑ چھاننے والا ان پڑھ بھی کئی پڑھے لکھے سے زیادہ کر لیتا ہے۔"

جون ایلیا،

کتنا رویا تھا میں تیری خاطر
اب جو سوچوں تو ہنسی آتی ہے

www.pklibrary.com

میری بیاض سے

نادیہ یاسر ـــــــ راولپنڈی
یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا

صدف عمران ـــــــ پشاور
اپنی تو محبت کی بس اتنی کہانی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی ہے ٹھہرا ہوا پانی ہے
ایک پھول کتابوں میں دم توڑ چکا ہے
کچھ یاد نہیں آتا یہ کس کی نشانی ہے

سعدیہ ـــــــ حیدرآباد
رہے گی یاد ہمیں اس کی خوش مزاجی بھی
ملا ہے جب بھی وہ خوش فہمیوں میں ڈال گیا

صبا سلیم ـــــــ نارووال
کاش کہ میرے خوابوں کو تعبیر مل جائے
جاگتی آنکھوں میں اس کی تصویر مل جائے مجھے
جو شخص مقدر میں نہیں ہے میرے
وہ شخص بنا تقدیر کے مل جائے مجھے

تبسم خبیر حسین ـــــــ ڈنگہ
ابھی تک پاؤں سے چمٹی ہوئی ہیں زنجیریں غلامی کی
دن آجاتا ہے آزادی کا، آزادی نہیں آتی

فاکہہ سہیل ـــــــ کراچی
محبتیں جب شمار کرنا تو سازشیں بھی شمار کرنا
جو میرے حصے میں آئی ہیں وہ اذیتیں بھی شمار کرنا

آمنہ زاہد ـــــــ لاہور
اکیلے چھوڑ جاتے ہو، یہ تم اچھا نہیں کرتے
ہمارا دل جلاتے ہو، یہ تم اچھا نہیں کرتے
کوئی جو پوچھ لے تم سے کہ رشتہ کیا ہے میرا تم سے
صاف مکر جاتے ہو، یہ تم اچھا نہیں کرتے

ارم کمال ـــــــ فیصل آباد
مصلحت نے کر دیا دونوں میں پیدا اختلاف
ورنہ فطرت کا برا تو بھی نہیں میں بھی نہیں

سحر سہیل ـــــــ کراچی
کاش وہ راستے میں مل جائے
مجھ کو منہ پھیر کر گزرنا ہے

حبیبہ خان ـــــــ کراچی
ہمارے بخت میں راستے کی دھول ہونا تھی
مقدر کے لکھے کا بندوں سے کیا گلہ کرتے

روحیلہ خان ـــــــ کراچی
تیرے ہونے سے سمجھتا تھا کہ دنیا تم ہو
ویسے دنیا کو میں بےکار کہا کرتا تھا
تم سے بچھڑا تو رو رہا ہوں وگرنہ کل تک
رونے والوں کو میں فنکار کہا کرتا تھا

نمل تاج ـــــــ گوجرہ
کتاب سادہ رہے گی کب تک، کبھی تو آغاز باب ہوگا
جنہوں نے بستی اجاڑ ڈالی، کبھی تو ان کا حساب ہوگا

ندا طارق ـــــــ لاہور
نہیں مجھ کو شکایت اب کسی سے
بس اپنے آپ سے روٹھا ہوا ہوں
بظاہر خوش ہوں لیکن سچ بتاؤں
میں اندر سے بہت ٹوٹا ہوا ہوں

ثمرہ افرا ـــــــ کراچی
آنکھیں جو اٹھائے تو محبت کا گماں ہو
نظروں کو جھکا لے تو شکایت سی لگے ہے

اقصیٰ ناصر ـــــــ گلستان جوہر
اناؤں میں تم بھی جاؤ تو کبھی واپس نہ آنا تم
جہاں پر تم کو رکھا تھا وہاں اب صبر رکھا ہے

www.pklibrary.com

امت الصبور

خواتین کی ڈائری

عائشہ نثار کی ڈائری سے

شاعری خونِ دل سے تخلیق پاتی ہے۔ لیکن شاعر اسے تخلیق کرتے ہوئے جس کرب سے گزرتا ہے، یہ وہی جانتا ہے۔ امجد اسلام امجد کی نظم "شاعر" سب شاعروں کے نام۔

شاعر

کیسے کاریگر ہیں یہ
آس کے درختوں سے
لفظ کاٹتے ہیں اور سیڑھیاں بناتے ہیں
کیسے باہنر ہیں یہ!
غم کے بیج بوتے ہیں
اور دلوں میں خوشیوں کی کھیتیاں اگاتے ہیں
کیسے چارہ گر ہیں یہ
وقت کے سمندر میں
کشتیاں بناتے ہیں، آپ ڈوب جاتے ہیں

حبیبہ خان کی ڈائری سے

عرفان ستار بہت اچھے شاعر ہیں۔ ان کی یہ غزل پڑھیے، روایت اور جدت کا کیسا حسین امتزاج ہے۔ یقیناً آپ کو بھی پسند آئے گی۔

بتاتا ہے مجھے آئینہ کیسی بے رُخی سے
کہ میں محروم ہوتا جا رہا ہوں روشنی سے

ہر اک لمحہ مجھے رہتی ہے اک تازہ شکایت
کبھی تجھ سے، کبھی مجھ سے، کبھی زندگی سے

مجھے کل تک بہت خواہش تھی خود سے گفتگو کی
میں چھپتا پھر رہا ہوں آج اپنے آپ ہی سے

جو چاہے وہ ستم مجھ پر روا رکھے یہ دُنیا
مجھے یوں بھی توقع اب نہیں کچھ بھی کسی سے

کوئی خوش فکر سا تازہ سخن بھی درمیاں رکھ
کہاں تک دل کو بہلاؤں میں تری دل کشی سے

ابھی عرفان آنکھوں کو بہت کچھ دیکھنا ہے
تمہیں بے رنگ کیوں لگنے لگا ہے سب ابھی سے

نعمانہ اسلام اعوان کی ڈائری سے

یہ نظم جس کے شاعر کا نام مجھے معلوم نہیں، بہت زیادہ پسند ہے۔ یقیناً قاری بہنوں کو بھی اچھی لگے گی۔ بتائیے گا ضرور۔

تم اپنی خودی کے پہرے میں
اور دامِ غرور میں جکڑے ہوئے
ہم اپنے زعم کے نرغے میں
انا ہاتھ ہمارے پکڑے ہوئے

اک مدت سے غلطاں و پیچاں
تم ربط و گریز کے دھاروں میں
ہم اپنے آپ سے اُلجھے ہوئے
پچھتاوے کے انگاروں میں

خاموش سے تم ہم مہر بہ لب
جگ بیت گئے اک بات کیے

www.pklibrary.com

سنو کھیل ادھورا چھوڑتے ہیں
بنا چال چلے، بنا مات کیے

جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں
وہ سارے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم، اقرار کریں
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں

مزنہ — کی ڈائری سے

فنا کانپوری کے تیور ملاحظہ کیجیے۔ خودداری، خودآگہی کی کیفیت کس خوبصورتی سے بیان کی گئی ہے۔

دو گھونٹ کا اے ساقی الزام نہیں لوں گا
میں تشنہ لبی دے کر اک جام نہیں لوں گا

اظہار تمنا ہی تو ہین تمنا ہے
تم خود ہی سمجھ جاؤ، میں نام نہیں لوں گا

جو شام جگاتی ہو، جو صبح سلاتی ہو
وہ صبح نہیں لوں گا، وہ شام نہیں لوں گا

ایک سجدۂ مستی کی توفیق عطا کر دے
پھر اپنی جبیں سے میں کچھ کام نہیں لوں گا

سحر سہیل — کی ڈائری سے

شمیم فخر بہت اچھی شاعرہ تھیں۔ پہلے اکثر و بیشتر ان کی غزلیں خواتین، شعاع میں نظر آتی تھیں۔ اب نجانے کہاں غائب ہو گئی ہیں۔ ان کی یہ غزل آپ کے لیے۔

کتنا ہی بوجھل ہو، دل کو یک دم ہلکا کر دیتی ہے
اس کی ایک نظر پل بھر میں سب اچھا کر دیتی ہے

اک ضرورت کیسے کر لیتی ہے سودا خوابوں کا
اک مجبوری کیسے ساری عمر کو رسوا کر دیتی ہے

ایک خلش اگر آباد ہو جائے دل میں چپکے سے!!
ہنستے بستے شہر کو دھیرے دھیرے صحرا کر دیتی ہے

ایک خراش لگا دیتا ہے بھرے لفظوں کا نشتر
لوگوں کی مرہم پٹی زخموں کو گہرا کر دیتی ہے

فخر یقیں کہاں آتا ہے اس کے دام میں بکنے تک
گردش دوراں انسانوں کو سچ مچ ایسا کر دیتی ہے

حمنہ خان — کی ڈائری سے

ڈائری کے اوراق پلٹے تو صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی یہ غزل نظر سے گزری، قارئین کی نذر کر رہی ہوں۔

نگاہیں در پہ لگی ہیں، اداس بیٹھے ہیں
کسی کے آنے کی ہم لے کے آس بیٹھے ہیں

نظر اٹھا کے کوئی ہم کو دیکھتا بھی نہیں
اگرچہ بزم میں سب روشناس بیٹھے ہیں

الٰہی کیا مری رخصت کا وقت آ پہنچا
یہ چارہ ساز مرے کیوں اداس بیٹھے ہیں

الٰہی کیوں تن مردہ میں جاں نہیں آتی
وہ بے نقاب ہیں، تربت کے پاس بیٹھے ہیں

www.pklibrary.com

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

چکن پلاؤ بریانی

ضروری اشیاء

مرغی کا گوشت	ڈیڑھ کلو
چاول	ایک کلو
آلو	چار عدد
لہسن، ادرک	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	دو چائے کے چمچے
دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	آدھا کپ
ہری مرچ	دو چائے کے چمچے
ٹماٹر	چار عدد
پیاز	دو عدد
گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں	چار عدد
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

پتیلی میں گھی گرم کریں اس میں آدھا گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں اس کے بعد اس میں پیاز ڈال کر سنہری کرلیں، اب اس میں مرغی کا گوشت، پسا ہوا لہسن، ادرک، نمک، سرخ مرچ، دھنیا، زیرہ، ہلدی، دہی، ٹماٹر ڈال کر تھوڑی دیر بھونیں اور آلو شامل کر کے اتنا پانی ڈالیں کہ شوربہ زیادہ نہ ہو اور گوشت بھی اس میں گل جائے بھون کر اتار لیں۔

چاولوں میں چکن کیوب، باقی بچا ہوا ثابت گرم مسالا اور نمک ڈال کر ایک کنی رہنے تک ابال لیں۔ ایک دوسری پتیلی میں گھی گرم کریں اس میں پہلے ایک تہہ چاولوں کی لگائیں اس کے اوپر گوشت کے آمیزے کی تہہ لگائیں اور آخر میں باقی بچے ہوئے چاولوں کی تہہ لگا کر دم پر لگا دیں۔ چکن بریانی تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکال پیش کریں۔

بٹر چکن

اجزاء:

مرغی کا گوشت	ایک پاؤ
دہی	چار کھانے کے چمچے
کریم	آدھا پیکٹ
پیاز	ایک عدد
تندوری مسالا	دو کھانے کے چمچے
تیل	دو کھانے کے چمچے
ادرک، لہسن	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

گوشت کو دھو کر خشک کر کے ایک پیالے میں ڈالیں، اس میں تندوری مسالا، دہی اور نمک لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں پسی ہوئی پیاز ڈال کر پانچ منٹ تک فرائی کرلیں۔ اس کے بعد اس میں مسالا لگا گوشت ڈال کر خوب اچھی طرح بھون لیں۔ جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں کریم (بالائی بھی استعمال کی جاسکتی ہے) ڈال کر مکس کریں اور آنچ دھیمی کر دیں۔

دس منٹ بعد جب تیل اوپر آجائے تو چولہا بند کر دیں۔ مزے دار بٹر چکن تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ہری مرچ اور مکھن سے گارنشنگ

www.pklibrary.com

کریں اور پراٹھے اور چٹنی وغیرہ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ملائی تکہ بوٹی

اجزاء:

چکن	آدھا کلو
بالائی	دو کھانے کے چمچے
تکہ مسالا	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
شاشلک اسٹک	حسب ضرورت
سلاد کے پتے	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:

پیالے میں بغیر ہڈی کا چکن، بالائی، تکہ مسالا، ہری مرچ کا پیسٹ، نمک اور تیل ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ بوٹیاں اسٹک پر پرولیں۔ اسٹیک نہ ہو تو ایسے ہی تل لیں۔ پھر توے یا فرائی پین میں آئل ڈال اسے تل لیں۔

کھجور کی کھیر

ضروری اشیاء

کھجوریں (چوپ کی ہوئی)	ایک کپ
کھویا	آدھا کپ
دودھ	ایک لیٹر
چاول کا آٹا	آدھا کپ
الائچی	چھ عدد
چینی	حسب پسند

ترکیب:

چاول کے آٹے کو آدھا کپ دودھ میں بھگو دیں۔ دیگچی میں الائچی ڈال کر دودھ گرم کریں ابال آجائے تو چاول کا آٹا شامل کرے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ کھیر گاڑھی ہوجائے تو چینی ڈال کر پکائیں۔ چینی کا پانی خشک ہوجائے تو کھویا اور کھجور ڈال کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ مزید پکائیں۔ کھیر گاڑھی ہوجائے تو چولہے سے اتار لیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر کھجوروں سے گارنش کر دیں ٹھنڈی کر کے سرو کریں۔

بیسن کے پراٹھے

ضروری اشیاء:

آٹا	آدھا کلو
بیسن	ایک پاؤ
گھی	ایک پاؤ
سونف	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
خشک میتھی	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (بڑی)	دو عدد
ہری مرچیں	دو، تین عدد
لال مرچیں	حسب پسند
ہرا دھنیا، پودینہ	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

بیسن اور سفید آٹے میں دو کھانے کے چمچے گھی ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس کے بعد اس میں سونف، ثابت دھنیا کوٹ لیں۔ خشک میتھی، پیاز، ہری مرچیں، نمک، لال مرچیں کٹی ہوئی، ہرا دھنیا اور پودینہ ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں۔ روٹی کی طرح بیل کر توے پر ڈالیں اور گھی کا چھینٹا دیتے ہوئے پراٹھے بنالیں۔

☆☆

www.pklibrary.com

آپ کا باورچی خانہ

مسز طالب حسین بلوچ

س: کھانا پکاتے وقت آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ پسند ناپسند یا گھر والوں کی صحت؟

ج: کھانا پکاتے وقت میں پسند ناپسند کو ہی مد نظر رکھتی ہوں کیوں کہ اکثر بچوں اور ان کے والد کی پسند مختلف ہوتی ہے۔ میرے شوہر نامدار کی ہدایت ہے کہ بچے جو شوق سے کھائیں، وہی پکا لیا جائے مگر میں کوشش کر کے ایسا پکاتی ہوں جو سب ہی کھائیں۔ جہاں میری پسند ٹکرائے وہاں اپنے لیے بھی خاص تردد کر کے کچھ الگ بناتی ہوں۔

میں ان خواتین کو ضرور نصیحت کرنا چاہوں گی جو گھر والوں کی ہر فرمائش تو فوراً پوری کر دیتی ہیں۔ لیکن خود کو چائے کی بھی طلب ہو تو بعد پر رکھ کر بیٹھ جائیں گی، بھئی سب کے ساتھ اپنا بھی خیال رکھیں اپنے آپ کو بھی خوش رکھیں کو خود بھی اہمیت دیں۔ اپنے لیے، دوسروں کی طرف نہ دیکھیں اپنے ہی ہاتھ ہلائیں اور مزے کی کڑک چائے اور کھائیں گرما گرم پاپ کارن (واہ واہ) ......

سوال کا دوسرا حصہ کہ صحت کو کس خانے میں فٹ کرتی ہیں تو جی، اس کے لیے میں آئل کا استعمال کم کرتی ہوں یعنی اتنا کہ سالن میں تیرتا ہوا نہ ہو (یہ اصول مہمانوں کے لیے نہیں ہے) باقی مسالوں میں، میں مرچیں اور گرم مسالا بھی کم مقدار میں ہی استعمال کرتی ہوں، اس کے علاوہ کوشش کرتی ہوں کہ سبزیوں کو کوٹ کوٹ کر ان کا بھرکس نہ نکالوں تاکہ کچھ غذائیت اور وٹامنز بچ جائیں۔

س: کھانے کا وقت ہے، گھر میں اچانک مہمان آجائیں؟

ج: ہاں ہمارے یہاں ایسا اکثر ہوتا ہے اس کے لیے، سب سے پہلے میں کھانے کا وقت دیکھتی ہوں کہ ناشتے کا وقت ہے یا دوپہر یا رات کا پھر یہ کہ گھر میں کیا موجود ہے۔ اگر ناشتے کا وقت ہے اور مہمان نے جلدی مچائی ہوئی ہے تو چائے بسکٹ، اگر سکون سے بیٹھا ہے تو آلو یا بھنڈی جو میسر ہو فرائی کر کے دہی یا لسی، ساتھ اچار پیش کر دیتی ہوں اگر سردیاں ہوں تو انڈے زندہ باد۔ ساتھ چائے۔

اگر دوپہر کے مہمان ہیں تندرست ہوں تو پلاؤ ہماری اولین ترجیح ہوتی ہے۔ (ہماری یعنی میزبان مہمان دونوں) اگر کوئی اور ہے تو پھر جو گھر میں بنا ہے اس کے ساتھ بازار سے حلیم، چھولے، دہی منگوا کر میزبانی نبھالی (ہم جب نیو پنڈ میں رہتے تھے تب وہاں یہ چیزیں تیس چالیس روپے میں بھی میسر تھیں) کوئی مہمان زیادہ پروٹوکول والا ہو تو ان کے لیے چکن کڑاہی فش فرائی، سادے چاول، روٹی رائتہ سلاد چائے بوتل۔ یہ سب ہوتا ہے اگر یہ ہی مہمان بتا کر آئیں تو بریانی اور کسٹرڈ کے ساتھ، ایک آدھ ڈش جیسے کباب بھی بڑھا لیے جاتے ہیں۔ رات کے بن بلائے مہمان کو ہمارے یہاں دال چاول یا آلو چاول کھانے پڑتے ہیں مگر خلوص کے ساتھ۔

اگر رات کے مہمان پہلے اطلاع دے کر آئیں تو ان کا مینیو بھی کم و بیش دوپہر کے مہمانوں والا ہوتا ہے۔

اچانک آنے والوں کے لیے میں اسپیشل کڑاہی جھٹ پٹ بنا لیتی ہوں، کالی مرچ والی۔ یہ بہت عام ڈش ہے، اکثر خواتین کو آتی ہوگی۔ میں آپ کو پائے کی مٹھائی بنانا بتاؤں گی۔ یہ ڈش بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگی۔ یہ کمر اور جوڑوں کے درد کے لیے زبردست ہے، آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا ملاحظہ کیجیے۔

پائے (بڑے کے)	دو عدد
مصری	دو کپ
چھوٹی الائچی	بارہ سے پندرہ عدد
کاجو	ایک کپ
بادام	ایک کپ
کیوڑا ایسنس	آدھا چائے کا چمچہ

www.pklibrary.com

سب سے پہلے، پائے ابال لیں اتنا کہ ہڈیاں اور گوشت علیحدہ ہو جائے۔ پھر ہڈیوں کا گودا بھی نکال کر گوشت میں شامل کریں اور ساری ہڈیاں نکال لیں۔ اتنا پکائیں کہ خوب گاڑھا ہو جائے اب اس میں الائچی کے دانے کیوڑا، مصری، کاجو، بادام ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور کسی تھال یا ٹرے میں پھیلائیں۔ روم ٹمپریچر پر رات کو رکھیں تو صبح بالکل جم کر جیلی جیسا ہو جائے گا۔ اسے کاٹ کر ایئر ٹائیٹ جار میں محفوظ کر لیں کافی عرصے خراب نہیں ہوگا۔ اگر اس میں تھوڑا لال یا پھر ہرا رنگ ڈال دیں تو کوئی پہچانے گا بھی نہیں کے یہ پائے ہیں۔

س: کچن کی صفائی؟

ج: صفائی، کچن کی ہو یا پھر گھر کی ہر خاتون خانہ روزانہ خوب دل جمعی سے کرتی ہے۔ میں چونکہ صبح خیز ہوں، اس لیے صبح آٹھ بجے سے پہلے کچن چمکا لیتی ہوں، جہاں تک بات ہے تفصیلی صفائی کی تو جناب میں بدھ کے دن کچن کی تفصیلی صفائی کرتی ہوں۔ (ہر بدھ نہیں) ایک ہفتہ چھوڑ کر کیونکہ جمعرات کو گھر کی کچھ تفصیلی صفائی ہوتی ہے۔

س: صبح کا ناشتہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے؟

ج: واقعی صبح کے ناشتے کی اہمیت سے کسے انکار ہے، میرے گھر میں میرے شوہر اور میرا بڑا بیٹا۔ سردی ہو یا گرمی، آندھی آئے یا طوفان، چاہے برسے بارش ان کو ناشتے میں چائے پراٹھا ہی چاہیے۔ مجھے اور میرے دوسرے نمبر والے بیٹے کو کچھ نمکین جیسے رات کا بچا سالن، فرائی انڈہ، فرائی آلو بھنڈی ایسی کوئی چیز روٹی یا پراٹھے کے ساتھ پسند ہے۔ باقی رہ گئے زویا اور مختار تو چھوٹے ہیں، چائے بسکٹ ہی زیادہ پسند کرتے ہیں مگر جو کچھ بھی کھائیں، ہم سب ناشتہ ڈٹ کر کرتے ہیں، سارے دن کے لیے چارج جو ہونا ہوتا ہے۔

س: آج کل باہر کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے؟ آپ مہینے میں کتنی مرتبہ باہر کھانا کھاتے ہیں؟

ج: میں ہر فیشن کی تقلید نہیں کرتی اپنے حساب سے چلتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے یہ میرے گھرانے کی روایت نہیں، اس لیے اس فیشن سے دور رہتی ہوں۔ ہاں میرے میکے میں بلکہ ہمارے خاندان کے کچھ اور لبرل گھرانوں میں بھی یہ رواج ہے، یعنی باہر جا کر ہوٹلنگ کرنا مگر مجھے ایسا نامناسب لگتا ہے۔ اس لیے دل پر نہیں لیتی اگر ہم یعنی میں اور بچے باہر کا کچھ کھانا چاہیں تو بچوں کے پاپا لا دیتے ہیں۔

پیزا گھر میں بنانا پسند ہے۔ باہر والے سے زیادہ اچھا بنتا ہے جبکہ زنگر برگر یا بروسٹ بھی کبھار منگوا لیتے ہیں۔ شوارما زیادہ تر سردیوں میں منگواتے ہیں (راتیں جو اتنی لمبی ہوتی ہیں) اس کے علاوہ بازار کا سالن ہفتہ، دس دن میں ایک بار ضرور ہی منگواتے ہیں۔ میں روٹیاں گھر میں بناتی ہوں سالن باہر سے میرے ہسبینڈ لے آتے ہیں، گھر بیٹھے دعوت ہو جاتی ہے۔

س: کھانا موسم کے حساب سے بناتی ہیں اور اچھا کھانا پکانے میں محنت کی کتنی قائل ہیں؟

ج: کھانا موسم کے حساب سے ہی بناتی ہوں یہ اچھا بھی اسی مناسبت سے لگتا ہے گرمیوں میں لسی، سکنجبین، فالسے اور کیری کا شربت، دوپہر میں کڑھی چاول، دال چاول، اچار سلاد اور مختلف سبزیاں (جو بچے کم ہی کھاتے ہیں) بارش میں سارا پاکستان پکوڑے ہی کھاتا ہوگا اس لیے میں بھی پکی پاکستانی ہوں۔ سردیوں میں تو یخنی سوپ اور چائنیز چاول کے مزے، ذرا ٹھنڈ بڑھے تو چائے، کافی، پاپ کارن مونگ پھلی کی کیا ہی بات ہے۔

ایک بات بتاتی چلوں۔ میں میکے میں کوکنگ میں زیرو اور سسرال میں ہیرو مانی جاتی ہوں ہے، ناں مختلف صورت حال اور کھانا بنانے میں محنت تو لگتی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ محنت میں عظمت ہے۔

ٹپ یہ ہے کہ سلور کے برتن، چاندی کی طرح چمکانے کے لیے اس پر سرف بنانے والا کالا تیل دو تین چمچے، فوم کے ذریعے یا جوتا سے لگائیں دس منٹ رکھ دیں پھر تھوڑا مانجھ کر صاف کر لیں۔

میرا باورچی خانہ کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔

☆☆

www.pklibrary.com

عنوان

شبانہ خان.....قصبہ گوجر خان

میری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں، میرا ایک تین سال کا بیٹا ہے بظاہر میری زندگی نارمل ہے لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ میرے شوہر کو غصے میں ہاتھ اٹھانے عادت ہے جو نا قابل برداشت ہے، وہ میری ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں۔ شاید محبت بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، میں تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا۔

میری ساس کہتی ہیں کہ عورتیں تو برے سے برے مرد کو سدھار لیتی ہیں تم اپنے شوہر کا غصہ نہیں ٹھیک کر سکتیں۔ میں اب اس مار پیٹ سے عاجز آ گئی ہوں۔ اس لیے اس مرتبہ ان کے ہاتھ اٹھانے پر گھر چھوڑ کر اپنی امی کے گھر آ گئی۔ میرے شوہر دوسرے دن ہی آ گئے، ہاتھ پاؤں جوڑ کر مجھے واپس لے آئے لیکن دو دن بعد غصے میں پھر ہاتھ اٹھا لیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں کیا کروں؟

ایک بات اور بتاؤں، شادی سے پہلے ہی میری ساس نے مجھے بتا دیا تھا کہ میرا بیٹا غصے کا بہت تیز ہے۔

ج: عزیز بہن! آپ کے شوہر کا مسئلہ متلون مزاجی ہے گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشا، غصہ میں اس حد تک بے قابو ہو جانا کہ بیوی پر ہاتھ اٹھانا اس سے زیادہ ذلیل اور گھٹیا حرکت نہیں ہو سکتی۔ ان کی ماں بہنوں پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بجائے اس کے اپنے بیٹے، بھائی کو سمجھائیں، اس کو مطعون کریں۔ اس کا سوشل بائیکاٹ کریں۔ الٹا بیوی کو الزام دے رہی ہیں کہ وہ شوہر کا مزاج نہیں بدل پائی۔ کسی کا مزاج اور فطرت آسانی سے نہیں بدلتی۔ اگر ان کے گھر والے آپ کا ساتھ دیتے تو پھر بھی ان کے سدھرنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔

آپ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ اگر ممکن ہو تو کسی ماہر نفسیات سے بھی مشورہ کر لیں۔ ان کا علاج ہو سکتا ہے۔

ثمن خان.....کراچی

میں پینتالیس برس کی ہو رہی ہوں۔ غیر شادی شدہ ہوں، میرے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں ایک معتبر ادارے میں جاب کرتی ہوں۔ روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

میری بھتیجی کی شادی اس کی مرضی سے ہونے والی ہے۔ گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ جب میں اس کی عمر کی تھی، اس وقت میرے والد اور بھائی بہت سخت طبیعت کے تھے۔ لڑکیوں کی لڑکوں سے بات چیت کو بہت برا سمجھتے تھے۔ اس لیے میرے ذہن میں ہمیشہ اس حوالے سے خوف ہی رہا اب جبکہ میری بھتیجی اپنی پسند سے شادی کر رہی ہے تو میرے اندر جیسے ابال سے اٹھتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا اور میری بھتیجی کو لو میرج کی اجازت کیوں ملی۔ مجھے اپنا بھائی اور مرحوم والد میرے جذبات کے قاتل لگتے ہیں اگر مجھے بھی ایسی آزادی ملتی تو میری بھی شادی ہو جاتی۔ میرا بھی گھر بسا ہوا ہوتا۔

کیا میں غلط ہوں؟ مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔

ج: ہر دور اور ہر وقت کے حساب سے معاشرتی اقدار بھی بدلتی رہتی ہیں، پچھلے پانچ سال میں ہی دیکھ لیں۔

www.pklibrary.com

کتنی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے بڑی عمر میں طلاق لینا اور دوسری شادی کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اب ہم میں پینتیس سال پرانی شادیوں کو بھی ختم ہوتا دیکھ رہے ہیں اور پچپن اور ستر سال کی عمر میں دوسری شادی بھی ہو رہی ہے۔ اس لیے آپ کے ساتھ جو ہوا۔ اس کو بھول جائیں۔ آگے کی سوچیں۔ پینتالیس سال اتنی زیادہ عمر نہیں کہ آپ مایوس ہو جائیں۔ آپ اپنا گھر بسانے کی کوشش کریں۔ اب بھی آپ کی شادی ہو سکتی ہے۔

آپ نے سوال کیا ہے، کیا میں غلط ہوں؟

اچھی بہن! آپ غلط نہیں ہیں۔ لیکن آپ جذبات میں بہہ رہی ہیں۔ ساری شادیاں لڑکوں سے بات چیت کر کے ہی نہیں ہوتیں۔ اب بھی زیادہ تر شادیاں ارینج ہی ہوتی ہیں، آپ کی شادی اب تک نہیں ہوئی تو اس کی اور بھی وجوہات ہوں گی۔

اور سوہات کی ایک بات۔ شادیاں بھی قسمت میں لکھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ کی قسمت میں شادی نہیں تھی تو آپ لاکھ کوشش بھی کر لیتیں تو نہ ہوتی۔ والد اور بھائی ہر طرح کی آزادی دے دیتے، تب بھی یہی ہوتا جو ہوا۔ آپ اپنی قسمت پر شاکر ہو جائیں۔

مسز ایم..... ساہیوال

ہم گاؤں میں رہتے ہیں روایتی قسم کے لوگ ہیں لیکن میں اور میرے شوہر باروہیں پاس ہیں۔ میرے شوہر کھلے ذہن کے ہیں۔ ہمارا بھرا پرا گھر ہے۔

میں اپنی ساس کا بہت خیال رکھتی ہوں کیونکہ سب سے چھوٹی بہو ہوں لہٰذا میری جٹھانیاں میری ہر بات پر نظر رکھتی ہیں، ان کے خیال میں پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے میں مغرور ہوں حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ اس کی گواہ میری ساس ہیں۔ ابھی پچھلے مہینے میری ساس کے بھائی ہمارے گھر پہلی بار رہنے آئے، میں نے تمام مہمانوں کی طرح ان کی بھی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ رکھی لیکن مجھے ان کا رویہ کچھ ٹھیک نہیں لگا۔ میں نے درگزر کر دیا لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکراتے ہیں، ان کی نظروں میں ایسا کچھ ہے جو مجھے اچھا نہیں لگتا۔ وہ میری ساس سے میری تعریفیں بھی بہت کرتے ہیں۔

پہلے تو وہ دو تین دن بعد ہی چلے گئے تھے، اب پھر آ ٹپکے ہیں۔ میں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں شوہر سے کہا تو انہوں نے میرا مذاق اڑایا حالانکہ ماموں کے اپنے بیوی بچے ہیں۔ نانا دادا ہیں، کیا انہیں ایسی حرکتیں زیب دیتی ہیں۔ میں بہت ڈرتی ہوں میرے دو چھوٹے بچے ہیں، مجھے لوگوں کے خاص کر اپنی جٹھانیوں کے طعنے تشنوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اوپر سے ماموں کی دوبارہ آمد نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں۔

ج: عزیز بہن! آپ کے احساسات غلط نہیں ہو سکتے۔ عورت مرد کی نظروں کو فوراً پہچان لیتی ہے۔ آپ نے اپنے شوہر سے شکایت کی تو انہوں نے ہنس کر ٹال دیا لیکن ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کی بات کو بالکل سرے سے اہمیت ہی نہ دی ہو۔ یقیناً وہ اس بارے میں سوچیں گے۔

ویسے شوہر آپ کی بات کو اہمیت دیں یا نہ دیں آپ اپنے رویہ میں تبدیلی کر لیں، پہلی بات یہ کہ کوشش کریں کہ ماموں کے سامنے کم سے کم آئیں۔ دوسرے ان کے سامنے اپنا چہرہ سخت کر لیں۔ ہنسنے، مسکرانے سے پرہیز کریں۔ آپ کے مزاج کی یہ تبدیلی، ماموں صاحب محسوس کر لیں گے لیکن اگر وہ زیادہ ہی ڈھیٹ ہیں تو پھر آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، گھر کے دیگر افراد بھی آنکھیں رکھتے ہیں۔ جلد ہی وہ بھی ان کی نظریں محسوس کریں گے اور اس کے نتیجہ میں ماموں صاحب خود ہی بے عزت ہوں گے۔

☆☆

www.pklibrary.com

زارا ابراہیم.....منڈی بہاؤالدین

س: میری جلد پر جلنے کے نشانات رہ گئے ہیں کیا بازار کی کسی کریم کو استعمال کیے بغیر یہ نشان ختم ہو سکتے ہیں؟

ج: اکثر اوقات جلنے کے داغ نہ مٹنے والے نشانات کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس کے لیے بہترین حل یہ ہے کہ کچے کیلے کو کدوکش کر کے دو چائے کے چمچے گلیسرین ملالیں۔ اس مکسچر کو جلی ہوئی جگہ پر لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں اور پھر دھولیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وٹامن ای کے دو کیپسول لیں، ایک چائے کا چمچہ شہد میں ملا کر رکھ لیں۔ جلنے کے داغ جلد ہی مٹ جائیں گے۔

مریم افتخار.....بدین

س: میری عمر ستائیس سال ہے میرے سر میں خشکی ہو جاتی ہے اس کو ختم کرنے کے لیے کوئی ہیئر ماسک بتا دیں؟

ج: نیم کے کچھ پتے لے کر انہیں تھوڑے پانی میں ابال کر نرم کریں۔ پھر اس کو بلینڈر میں پیس لیں۔ اب اس نیم کے پتوں کے پیسٹ میں اس کے ہم وزن کھٹی دہی ملا دیں۔ بس آپ کا ہیئر پیسٹ تیار ہے۔

اسے بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح سے لگائیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد نیم گرم پانی اور کسی اچھے شیمپو سے بال دھولیں۔ یہ گھریلو ٹوٹکا نہ صرف بالوں کی خشکی ختم کرنے کے لیے کارآمد ہے بلکہ یہ بالوں کو مضبوط، چمک دار اور ملائم بھی بناتا ہے۔

عرق گلاب جلد کے علاوہ بالوں کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے یہ بالوں کا بہت اچھا کنڈیشنر ہے۔ اپنے بالوں کو شیمپو کرنے کے بعد ایک کپ عرق گلاب لیں اور اسے اپنے بالوں میں لگا لیں۔ یہ آپ کے بالوں میں چمک پیدا کرے گا اور بالوں کو اچھی حالت میں رکھے گا۔

رضوانہ متین.....حیدر آباد

س: حساس جلد کے لیے کوئی ماسک بتا دیں میری جلد بے حد حساس ہے۔ بازار کی بنی کوئی بھی چیز میں استعمال نہیں کر سکتی۔ میری عمر چوبیس سال ہے؟

ج: عرق گلاب گھر میں تیار کیے جانے والے بہت سے ماسک میں استعمال ہوتا ہے۔ عرق گلاب کا یہ ماسک اپنی جلد پر آزمائیں۔

تین چمچے کھیرے کا گودا لیں اور اس میں دو چمچے شہد ملا لیں اور پھر عرق گلاب بھی شامل کر لیں۔ یہ پیسٹ کی شکل میں ہو گا اسے اپنی جلد پر لگائیں اور آدھے گھنٹے لگا رہنے دیں پھر منہ دھو لیں یہ ماسک جلد کو ٹھنڈک بخشے گا۔

مریہ یوسف.....کراچی

س: ایکنی (چہرے کے دانوں) کی وجہ سے میری اسکن مٹیالی سی نظر آتی ہے، میں کالج جاتی ہوں میں چاہتی ہوں کہ میرے چہرے پر قدرتی چمک نظر آئے؟

ج: آپ ابھی کم عمر ہیں اپنی جلد کی خوب صورتی کے لیے قدرتی چیزیں استعمال کریں۔ آپ صندل پاؤڈر خرید لیں جو کہ با آسانی بازار میں دستیاب ہے۔ اس میں اینٹی بیکٹریل اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ داغ دھبے بھی دور ہوتے ہیں اور چمک بھی آتی ہے۔

ایک چمچہ صندل پاؤڈر اور ایک چمچہ شہد کو لے کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ چہرے پر لگا کر پندرہ منٹ کے لیے چھوڑ دیں پھر سادے پانی سے دھو لیں اور اچھا سا موائسچرائزر لگا لیں۔ یہ آپ مہینے میں تین سے چار مرتبہ استعمال کر سکتی ہیں۔

☆☆